

ابنِ صفحی

جاسوسی دنیا

-33۔ برف کے بھوت

-34۔ پرہول سنا طا

-35۔ پیختے دریچے



پیشہر

جاسوسی دنیا کا تینتیسوال کار نامہ اور چھٹا خاص نمبر ہے۔ اس کی کہانی میکم گذھ اور سیل گھانی کے خفاک ماحول کے گرد گھومتی ہے۔ بر قافی پہاڑیوں اور گھاڑیوں میں ایک ایسی طلبانی فضائلی ہے جہاں پہنچ کر آدمی سب کچھ بھول جاتا ہے۔۔۔ پہاڑیوں پر ڈیڑھ فٹ لمبے پنجوں کے شناخت اور برف کے بھوت، واہہ نہ تھے۔ انہیں لوگوں نے دیکھا تھا پر اسرار طور پر نوجوان عورتوں اور مردوں کا غائب ہونا ایک بھی انک سازش کا نتیجہ تھا۔ مگر سازشی اور مجرم کون تھا؟ یہ ایک عجیب و میر اسرار کہانی تھی۔

فریدی اپنے انوکھے انداز سے اس راستے پر دہ اٹھاتا ہے۔ پہلی بار اس کا مقابلہ ایسی شخصیت سے ہوتا ہے، جو صرف مجرم نہیں ہے بلکہ انسانیت کا دشن ہے۔ اُس کے بھی انک ارادے ساری دنیا کے لئے تباہ کن ہیں۔ فریدی اپنی زندگی کی بازاں لگا کر اُس سے مقابلہ کرتا ہے۔ فریدی کے ساتھیوں میں غزالہ، شہناز، یہ جو نصرت کے علاوہ آپ کو عجیب و غریب شخصیتیں اور بھی میں گی۔ ان میں ایک فرزانہ ہے جسے بڑے بڑے الفاظ بولنے کا خط ہے۔ دوسرا قسم ہے، جواب طاقتوں ہے، موتا ہے، بحدا ہے۔ یہ قوف ہے مگر انتہائی مخلص ہے، جسے عشق کی تلاش ہے۔ مگر عشق جس سے کوسوں دور بھاگتا ہے۔

گرمی کا کردار عجیب و غریب ہے۔ وہ ذہن پر ایک عجیب تاثر چھوڑ جاتا ہے اور ڈاکٹر سڈلر! میراد عویٰ ہے کہ آپ اپنے کبھی نہ بھول سکیں گے۔

ابن صفحی کے جادو نگار قلم نے اس بار تحریر استغجب کی آٹھاڑیوں میں رن و طلسات کے قیقهہ آفرین پھول کھلائے ہیں۔ ایک بار پھر انہوں نے ثابت کر دیا کہ ان کے قلم کی انگڑائیوں میں لا فافی و لچپیوں اور انوکھے پن کا خزانہ پوشیدہ ہے۔ ایک شہنشاہ کی طرح وہ جب اور جس طرح چاہتے ہیں اپنے قلم کو دلچسپ ستون میں موزدیتے ہیں۔ برف کے بھوت ان کے خوش چینیوں کے لئے ایک بار پھر

صلائے عام ہے یا ان نکتے داں؟ کے لئے

کا پیغام لاتا ہے۔

پُر اسرار نشانات

موسم بہار کا آخری پرندہ بھی دردناک آوازوں میں کراہتا ہوا لگا۔ میکم گذھ کی پہاڑیوں میں برف گرنے لگی تھی۔ پہاڑی تلوں کی سطحیں جم گئیں تھیں لیکن ان کے نیچے اب بھی پانی بہہ رہا تھا اور جہاں برف کی تہہ زیادہ موٹی نہیں تھی وہاں سے لہریں تک صاف دکھائی دیتی تھیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ سورج نکل آتا اور چند ہی گھنٹوں میں برف کی تہہ پکھل جاتی اور تالے پھراپی پہلی سی طوفان خیزیوں کے ساتھ بہنے لگتے۔ درختوں کی شاخیں پتوں سے محروم تھیں۔ البتہ سدا بہار درخت اب بھی اپنی بزر قاسمیت پر غرور انداز میں سر اخھاء کھڑے تھے۔

مردیوں میں ساری رونق ختم ہو جاتی ہے۔ درختوں کے تنوں سے لپی ہوئی خودرو بیلیں اپنے زرد نیلے اور سرخ پھولوں سمیت سیاہ رنگ کی پتی ڈوریوں کی شکل میں تبدیل ہو کر جھولتی رہ جاتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نے گوشت چھوڑ کر بڑیاں بھینک دی ہوں۔

اس موسم میں میدانوں کے وہ سیاح بھی نہیں دکھائی دیتے جو رومان کی تلاش میں یہاں آتے ہیں۔ وہ تھیمل پرست نوجوان بھی نہیں نظر آتے جو موسم بہار میں یہاں کے لکڑی کے مکانوں میں بیٹھ کر اسٹر ونگ قسم کی کافی اور تلخ تباکو والے سگاروں کے ساتھ خود کو سوئزر لینڈ کے کسی گاؤں میں محسوس کرتے ہیں۔

مردیوں کے موسم میں اگر میکم گذھ کی پہاڑیوں میں راکفلوں کی آوازیں نہ گوئختی رہیں تو اُسے مردوں کی بستی بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ بڑے بالوں والی اوڑیزیوں اور بھیڑیوں کے شکاری ہی

”لڑکی کا کیریکٹر کیسا تھا۔“ فوتاپولیس آفیسر نے اسے مخاطب کیا۔
”کیریکٹر....!“ فیجر آہستہ سے بولا۔ ”میری دانست میں تو وہ نہیں لڑکی نہیں تھی۔“
”آپ اپنی دانست کو رہنے ہی دیجئے۔“ پولیس آفیسر نے منہ بگاڑ کر کہا۔ ”میں دوسروں کی
رائے پوچھتا ہوں۔“
”جب بھی آپ زیادتی کر رہے ہیں۔“ شجر ایک پھیکی سی مسکراہٹ کیسا تھے بولا۔ ”دوسرے
کی رائے دوسروں سے پوچھئے۔“

پولیس آفیسر اس تلخ جواب کو اپنے ایک ساتھی کی طرف متوجہ ہو کر نال گیا۔
فیجر مضطربانہ انداز میں اپنی انگلیاں کا وٹر پر گھکھتا تارہ۔
ٹھوڑی ہی دیر بعد ڈاکنگ ہال میں چھ تنفس دائل ہوئے جن میں چار سورتیں اور دو مرد
تھے۔ مردوں میں ایک بوڑھا مگر وجہہ اور کافی تند رست تھا۔ دوسرا ایک قبول صورت اور توی
البیش نوجوان تھا۔ عورتوں نے اپنی کھال والی سرمائی ٹوپیاں اس طرح جھکار کی تھیں کہ خدوخال کا
صحیح اندازہ لگانا دشوار تھا۔ ان سمجھوں نے لمبی پوستینیں پہن رکھی تھیں۔
”فرمائیے۔“ فیجر ان کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ پولیس والے بھی انہیں گھور رہے تھے۔
”مجھے رشید الزماں کہتے ہیں۔“ معمر آدمی نے کہا۔ ”کیا آپ کو ہمارا تار نہیں ملا۔“
”اوہو.... جی ہاں.... تار ملا تھا۔... مگر مجھے افسوس ہے کہ میں کوئی خدمت نہ کر سکوں گا۔“
”کیوں؟“ نوجوان اُسے گھوڑ کر بولا۔

”ساری لڑکیاں چلی گئیں۔ یہاں ایک حادثہ ہو گیا ہے۔“ فیجر ہاتھ ملتا ہوا بولا۔
”لڑکیاں! حادثہ۔“ معمر آدمی کے لہجے میں حیرت تھی۔ ”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“
”جی ہاں لڑکیاں.... وہی تو سب کچھ تھیں۔ نہ میں کھاتا پا کسلتا ہوں اور نہ سرو کر سکتا ہوں۔“
”ٹھیک ہے! ٹھیک ہے۔“ معمر آدمی نے سر ہلا کر کہا۔ لیکن وہاب بھی جواب طلب نظر ہوں
سے فیجر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”اور پھر آپ کے ساتھ لیڈریز بھی ہیں۔“ فیجر نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ واقعہ معلوم
ہونے کے بعد وہ خود بھی یہاں ٹھہرنا پسند نہ کریں گے۔“
”تو بتائیے ناواقع۔“ نوجوان چھپھلا کر بولا۔ ”آخراب ہم کہاں جائیں گے۔ آپ کو ایک ماہ

یہاں تھوڑی سی زندگی پیدا کر دیتے ہیں۔ وہ بھی یہاں کے مقامی باشندے نہیں ہوتے، میدانی
علاقوں سے آتے ہیں۔ علاقائی حکومت معقول معاوضے پر انہیں شکار کی اجازت دے دیتی ہے اور
انہیں کی بدولت شوٹگلوں قم کے افراد سر دیوبن میں بھی تھوڑی بہت کمالی کرتے رہتے ہیں۔ وہ
شکار کے ہوئے جانوروں کی کھالیں اتنا تھے ہیں اور ان میں نمک لگا کر اس طرح پیک کرتے ہیں
کہ وہ کافی عرصے تک نیزی کی ٹھیک دیکھے بغیر بھی خراب نہیں ہوتی۔ ان کے علاوہ یہاں
سر دیوبن میں دوسرا سے مزدوروں کو عموماً ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے ہی بیٹھا رہنا پڑتا ہے۔

شکاریوں کی بدولت یہاں کے کئی ہوٹل سر دیوبن میں بھی آباد رہتے ہیں لیکن ان میں سب
سے زیادہ اہمیت ”فرارو“ کو حاصل ہے۔ مقامی باشندے اسے ”ریٹک ارم“ بھی کہتے ہیں۔ موسم
بہار میں تو یہ صحیح ریٹک ارم ہی معلوم ہوتا ہے۔ یہ اتنی بندی پر واقع ہے کہ یہاں سے دور دراز
کے پہاڑی سلسلوں کی بر قافی چوٹیاں صاف دکھائی دیتی ہیں اور اسی بناء پر زیادہ تر شکاری یہاں قیام
کرتے ہیں۔ یہاں سے انہیں اپنے شکار پر نظر رکھنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔

”فرارو“ لکڑی کی ایک خوبصورت اور سادہ سی عمارت ہے۔ مسافروں کے قیام کے لئے اس
میں بیس کرے ہیں۔ اس کی بیرونی دیواریں، جو بڑے بڑے گول شہیر وہن کو جوڑ کر بنائی گئی ہیں
بھورے رنگ کے وارنش سے رنگی ہوئی ہیں۔ اندر کی طرف لگے ہوئے سپاٹ تھتوں پر سفیدے
کا پینٹ ہے اور اندر سے یہ دیواریں پہلی نظر میں لکڑی کی نہیں معلوم ہوتیں۔

آج مطلع صبح سے ابر آلود تھا اور برف گرنے کے سارے امکانات موجود تھے۔ لیکن فرارا
کی چنیاں سنان پڑی تھیں، حتیٰ کہ بادر پچی خانے کی چمنی سے بھی دھواں نہیں انھر رہا تھا۔
لیکن گذھ کا ایک پولیس آفیسر چند کاشیبلوں کے ساتھ صبح ہی سے ہاں موجود تھا اور فرارا
کے فیجر کا چہرہ اس طرح سفید پر گیا تھا جیسے اس پر بھی برف کے ذرات کہ تھے جم گئی ہو۔ یہ ایک
بھاری بھر کم مگر معصوم صورت آدمی تھا۔ عمر پچاس اور ساٹھ کے درمیان رہی ہو گئی۔ آنکھیں
بڑی اور عمر کی مناسبت سے غیر معمولی لور پر چمکیلی تھیں۔ چہرا بھرا ہوا تھا لیکن اس پر کر خلکی ک
بجائے نہ مہٹ تھی۔ ایسی زماہت جسے عام طور پر زم دلی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس وقت د
بہت زیادہ مضطرب نظر آ رہا تھا۔ بھی وہ ڈاکنگ ہال میں بیٹھے ہوئے پولیس والوں کی طرف دیکھ
تھا اور کبھی برف سے ڈھکنی ہوئی پہاڑیوں پر نظریں جادہ بیٹھا تھا۔

پہلے ہی مطلع کر دیا گیا تھا۔
”جناب والا! آپ کا غصہ بجا ہے۔“ فیجر نے غم انگیز انداز میں کہا۔ ”لیکن حادثات اچاکھ میں ہوتے ہیں۔“

پولیس والے بدستور خاموش بیٹھے رہے۔ البتہ ان کا آفیسر اس منصر سی ٹولی کو بڑی عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”پچھے تباہی گا بھی....“ نوجوان بولا۔

فیجر پولیس والوں کی طرف دیکھ کر رہا گیا۔ چند لمحے پچھے سوچتے رہنے کے بعد اس نے کہا۔ ”ہماری ایک لڑکی کو کوئی پچھلی رات اٹھا لے گا۔ برف پر ڈریہ فٹ لے یہ!“

اس کا جملہ ابھی پورا نہیں ہوا تھا کہ پولیس آفیسر میز پر ایک زوردار گھونٹہ مار کر کھڑا ہو گیا۔ وہ سب چونکہ کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ نوجوان نے اسے نیچے سے اوپر تک گھور کر دیکھا۔

”فضول باشیں نہیں۔“ پولیس آفیسر نے فیجر کو مخاطب کیا۔ ”اپنے بڑیں کی باتیں سمجھ۔“

”جناب والا! وہی کہنے جا رہا تھا۔“ فیجر کی خوش اخلاقی میں اب بھی کوئی فرق نہ آیا۔ پھر اس نے اجنبیوں کی طرف مڑ کر کہا۔ ”ساری لڑکیاں خائف ہو کر شہر چلی گئی ہیں اور میں فی الحال دوسرے ملاز میں کا انتظام نہیں کر سکتا، بلکہ ہو ہی نہیں سکتا۔“ نئے آدمی آپ کی تکلیف کا باعث ہوں گے۔“

”اس کی فکر نہ سمجھ۔“ نوجوان مسکرا کر بولا۔ ”ہم اپنی خدمت آپ کر لیں گے۔ ہمیں صرف بگہے چاہئے۔“

”اہ بات تو... تب تو کمرے ایک ماہ قبل ہی سے مخصوص کر دیئے گئے تھے... مگر لیڈیز۔“

”لیڈیز۔“ لئے بھی آپ فکر مند نہ ہوں۔ ”نوجوان نے کہا۔“ ہمارے چار ساتھی سامان کے ساتھ آرہے ہیں۔ ”ہم لیڈیز کی بھی حفاظت کر لیں گے۔“

”آخر بات کیا ہے؟“ ”عمر آدمی نے پوچھا۔

اس اثناء میں پولیس آفیسر میز سے اٹھ کر ان کے قریب آگیا تھا۔ اس نے ان سے پوچھا۔

”آپ لوگ کون ہیں اور کہاں سے تشریف لائے ہیں۔“

”مسافر ہیں پچھے دن شکار کھلیلیں گے اور وابس چلے جائیں گے۔“ نوجوان نے کہا اور پھر فیجر

کی طرف مڑ کر بولا۔ ”تو پھر ہمیں ہمارے کمرے دکھاد بیجھے۔“
”مسافر...!“ پولیس آفیسر نے جھنجھلا کر کہا۔ ”میں آپ سے آپ کا نام اور پتہ پوچھ رہا ہوں۔“

”ابھی ہم سب ہوٹل کے رجسٹر میں اپنا نام اور پتہ تحریر کریں گے۔“ اس نے خندہ پیشانی سے جواب دیا۔

عورتیں بے اختیار مسکرا پڑیں۔ فیجر اٹھ کر انہیں کمرے دکھانے کا ارادہ کر رہا تھا کہ پولیس آفیسر اسے گھور کر بولا۔ ”ابھی ان کمروں کی طرف کوئی نہیں جا سکتا۔“

فیجر بے بسی سے مسافروں کی طرف دیکھنے لگا۔

”ظاہر ہے کہ ہم اس کمرے میں نہ جائیں گے۔“ نوجوان نے آفیسر سے کہا۔
”سکرے میں۔“ آفیسر کی آنکھوں سے شہر جھانکنے لگا۔
”جہاں واردات ہوئی ہے۔“

”آپ کو کیا علم کہ واردات کسی کمرے میں ہوئی ہے۔“ آفیسر نے تیز لمحے میں پوچھا۔
”بالکل سامنے کی بات ہے۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔ ”ظاہر ہے کہ اسے سوتے وقت ہی کوئی اٹھا لے گیا ہو گا اور اس موسم میں وہ کسی کمرے ہی میں سوتی ہو گی۔“

آفیسر اسے چند لمحے گھورتا ہا پھر فیجر سے بولا۔ ”کمرے کے دروازے کے سامنے والے فرش پر میں کسی قسم کے نئے نشانات دیکھنا پسند نہ کروں گا۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”مطلب یہ کہ میں فوٹوگرافوں کا انتظار کر رہا ہوں۔“ آفیسر نے کہا۔ ”آن کے آنے سے قبل کسی کو اس طرف سے نہ گذرنا چاہئے۔“

”بہت بہتر۔“ فیجر بولا۔ ”لیکن آپ لوگوں کے کمرے ادھر نہیں ہیں۔“
پولیس آفیسر کچھ کہے بغیر اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ گیا۔

فیجر نے سر کے اشارے سے آنے والے کو اندر چلنے کو کہا۔

ڈائیکنگ ہال سے نکلتے ہی عمر آدمی نے فیجر سے پوچھا۔ ”آخر بات کیا ہے؟“

”کیا بتاؤں جناب.... انهوںی! پچھلی رات بھی کسی وقت برف باری ہوئی تھی اور اس کے

بعد ہی یہ واقعہ پیش آیا۔ یہاں کی لڑکوں میں سے ایک جو اپنے کمرے میں سوتی تھی نے اسرار طور پر غائب ہو گئی۔ باہر کھڑکی کے نیچے برف میں ڈیڑھ فٹ لمبے انسانی پیروں کے نشانات ملے ہیں۔“ کیا....؟” نوجوان چلنے چلنے رک گیا۔ اُس کے ساتھ سب ٹھہر گئے۔ عورتوں نے اپنی بالدار ٹوبیاں اور کر لیں۔ ان کے چہروں پر استجواب اور خوف کے ملے جلتے آثار تھے۔“ جی ہاں۔” فیجر سر ہلا کر بولا۔ ڈیڑھ فٹ لمبے نشانات جواب بھی قائم ہیں اور کمرے کے اندر بھیکے ہوئے پیروں کے دھبے جو خشک ہو جانے کے بعد بھی موجود ہیں۔

“ اُس کے غائب ہو جانے کے متعلق صبح معلوم ہوا؟ ” نوجوان نے پوچھا۔“ جی ہاں... اور پھر بقیہ لڑکیاں کسی طرح نہ رک سکیں۔ مجھے اتنا افسوس ہے کہ میں آپ کی خدمت سے محروم ہو گیا۔ فزار و اپنی سروس کے لئے پورے شہر میں مشہور ہے۔ ”

“ تواب یہ پولیس والے کیا کر رہے ہیں؟ ” نوجوان نے کہا۔“ کریں گے کیا؟ مجھے پریشان کر رہے ہیں۔ یہ لوگ میرے متعلق کوئی اچھی رائے نہیں رکھتے کونکہ میں اپنی لڑکوں پر کڑی نظریں رکھتا ہوں۔ انہیں غلط راستوں پر نہیں جانے دیتا۔ ” وہ گھنگو کرتے ہوئے ان کمروں کے سامنے آگئے۔

“ آپ کے پاس کمرے توکل میں عدد ہیں۔ ” نوجوان بولا۔ “ ایک ایک کرہ ان لڑکوں کے قبضے میں ہو گا۔ ویسے ہی بر سیل تذکرہ... کتنی لڑکیاں یہاں تھیں۔ ”“ آٹھ... لیکن ان کے لئے صرف دو کمرے ہیں۔ ”

“ توہہ لڑکی اس کمرے میں تھا نہیں تھی۔ ”

“ تھا تھی! وہ دراصل ہیڈ ویر لیں تھی۔ اس لئے الگ سوتی تھی۔ اُس کا چھوٹا کمرہ الگ ہے اُسی سے ملا ہوا درس ابرا کمرہ ہے جس میں بقیہ سات سوتی تھیں۔ ”

“ انہوں نے بھی کچھلی رات کو کوئی آواز نہیں سنی تھی۔ ” نوجوان نے پوچھا۔“ جی نہیں... یہ دیکھنے لہی آپ کے کمرے ہیں۔ میں نے اس کا خاص خیال رکھا تھا کہ سب ایک ساتھ ہوں۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔ میں ان حضرات کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔ ”

“ اوہ شکر یہ.... آپ جا سکتے ہیں۔ ” نوجوان نے کہا۔“ فیجر کے قدموں کی آوازیں دور ہوتی گئیں۔ ”

“ یکوں فریدی میاں۔ ” معمراً دی نے مسکرا کر کہا۔ “ اب بھلا تھا اول خکال میں کیوں لگنے لگا۔ ” عورتی نہیں پڑیں۔ لیکن ان کی آوازوں میں خوف تھا۔“ نہیں ضروری نہیں کہ یہ کیسی مجھے اپنی طرف متوجہ ہی کر لے۔ ” فریدی بولا۔ کچھ دیر بعد وہ سب ایک ہی کمرے میں بیٹھے راستے کی تھکن اتادر ہے تھے۔ کمرے کے آتشدان میں کچھ کچھ آگ باقی تھی اور انہیں کو کوں کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔

“ میں کو کوں کے لئے کہتا آؤں۔ ” نوجوان اٹھتا ہوا بولا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا کہ راہداری میں بھاری قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔

آنے والا ہی پولیس آفیسر تھا جس سے کچھ دیر قبل ان کی گھنگو ہوئی تھی۔

“ کیا آپ حضرات اپنے نام اور پتے نوٹ کرادیں گے۔ ” اُس نے اپنی نوٹ بک کے اور اُن اللئے ہوئے کہا۔

نوجوان کے ماتھے پر بیل پڑ گئے لیکن دوسرا سے ہی لمحے میں مسکرا کر کہا۔

“ ضرور ضرور مجھے احمد کمال کہتے ہیں اور آپ تواب رشید الزماں صاحب ہیں۔ ”

اس کے بعد اس نے پتے بھی لکھا دیئے۔

“ آپ کے کچھ اور بھی سا تھی ہیں۔ ” سب اپکڑنے پوچھا۔

“ جی ہاں... چار... وہ بھی آہی رہے ہوں گے۔ ان میں سے ایک صاحب ساجد حمید ہیں

دوسرا سے قاسم رضا۔ تیرسرے کرغل شمشاد اور چوتھے... زاہد کرم۔ ”

“ آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا۔ ” پولیس آفیسر نے نام اور پتے لکھ لینے کے بعد کہا۔ ” یہاں قیام کرنے والے تمام مسافروں کے نام اور پتے ہمیں نوٹ کرنے پڑیں گے اور پھر آپ کے ساتھ تو خواتین بھی ہیں... لیکن انہیں یہاں اس موسم میں تکلیف ضرور ہو گی۔ ”

وہ چند لمحوں کے لئے رکا پھر اس کی نظر میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔ ” مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ہمارے ملک کی خواتین بھی سر دیوں کے شکار میں دلچسپی لینے لگی ہیں اور یہ حقیقتاً ایک حرمت اگنیزبات ہے۔ ”

قبل اس کے کہ تواب رشید الزماں جھلا کر کچھ کہتے وہ کمرے سے جا پکتا تھا۔

”محب بدمتیز آدمی ہے۔“ نواب صاحب کی لڑکی غزالہ بولی۔

”ڈر گئے ہیں۔“ فریدی مسکراپڑا۔

”یہ آپ نے اپنا پتہ اور پیشہ غلط کیوں لکھایا ہے۔“ غزالہ نے اس سے کہا۔

”مصلحت... یہاں لوگوں سے ملنے میں شکار کا مزاج اکر کر انہیں کرانا چاہتا۔“ فریدی بولا۔

اس نے یہ بات حقیقتاً بالکل مُحکم کی ہی تھی۔ شکار کا مزاج واقعی کر کر اب جاتا ہے، یہاں اس کے ہاتھ سے جان پچان والے تھے اور ان کے علاوہ نئے بھی پیدا ہو سکتے تھے۔ محکمہ سراج رسانی کا پرشنڈنٹ میجر نصرت تو اسے کسی طرح ہو مل میں ٹھہر نے ہی نہ دیتا۔

”ہمیں حراساں کرنے کی سُنی لاحاصل۔“ ایک عورت بڑی بڑی اور فریدی بُرا سامنہ کر دروازے کے باہر دیکھنے لگا۔ یہ عورت راستہ بھراں کے لئے باعث کوفت بنی رہی تھی اسے گفتگو کے دوران میں بڑے بڑے الفاظ بولنے کا خطبہ تھا۔ یہ نواب صاحب کے دوست کرنل شمشاد کی لڑکی فرزانہ تھی۔

شکار کا پروگرام فریدی ہی نے بنایا تھا لیکن اسے گمان بھی نہ تھا کہ کچھ عورتیں بھی گلے گلے جائیں گی۔ سرجنت حید کے لئے تو دچپی کا بہترین سامان ہو گیا تھا لیکن فریدی مستقل طور پر آتا ہے کہ شکار تھا۔

”مجھے ڈائینگ ہال میں ٹھہرنا چاہئے۔“ فریدی نے نواب رشید الزماں سے کہا ”ورنہ کہیں حید صاحب اُس آفیسر سے لڑنے پڑیں۔“

حید کی پرانی دوست شہنماز نے تاک سکوڑ کر غزالہ کی طرف دیکھا اور غزالہ مسکراپڑی۔

”حید صاحب غیر شعوری طور پر بذله سچ واقع ہوئے ہیں۔“ فرزانہ نے پس کر کہا۔

فریدی کے لئے کمرے میں ٹھہرنا دشوار ہو گیا۔ فریدی کو فرزانہ سے سچ سچ ضد سی ہو گئی تھی کیونکہ عورتوں کو شکار کے لئے اسی نے اکسیلا تھا۔ اسی نے سب سے پہلے نواب رشید الزماں کی لڑکی غزالہ کو اس پر آمادہ کیا پھر زاہد کریم کی یوں صوفیہ بھی تیار ہو گئی۔ یہ ایک نو گرفتار جوڑا تھا... یعنی ان کی شادی حال ہی میں ہوئی تھی۔

زاہد کریم نواب رشید الزماں کے رشتہ داروں میں سے تھا۔

فریدی کمرے سے اٹھ کر ڈائینگ ہال میں پا آیا۔ یہاں اب بھی خاصی بھیڑ اکٹھا ہو گئی تھی۔

کچھ اور آفیسر بھی آگئے تھے۔ ان میں محکمہ سراج رسانی کا پرشنڈنٹ میجر نصرت بھی تھا۔ فریدن نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ ورنہ وہ شاید اس طرح بے دھڑک ڈائینگ ہال میں داخل نہ ہوتا۔

”ہیلو...!“ میجر نصرت متھیر انداز میں فریدی کی طرف مڑا۔ ”ارے آپ۔“
مصافی کرتے وقت فریدی اسے ایک خالی گوشے کی طرف کھینچ لے گیا۔

”تو کیا ان نے آنے والوں میں سے آپ بھی ہیں۔“ میجر نصرت نے پوچھا۔
”جی ہاں۔“

”آپ نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔“ بوڑھے میجر نصرت نے مسکرا کر بزرگانہ انداز میں کہا۔
”میری موجودگی میں ہو مل کا قیام... زیادتی ہے آپ کی۔“

”میں جانتا تھا کہ آپ کو شکایت ہو گی لیکن میرے ساتھ اور بھی ہیں۔“
”ان کا بھی انتظام ہو سکتا تھا۔“

”در اصل ہم شکار کی غرض سے آئے ہیں اور یہ ہو مل اس کے لئے بہت مناسب ہے۔“
”ٹھیک ہے۔“ میجر نصرت پس کر بولا۔ ”نہ یہاں آپ کے قدم آتے اور نہ یہاں ایک دلچسپ واردات ہوتی۔“

”اوہ... تو کیا آپ کی نظروں میں ان نشانات کی کوئی اہمیت نہیں۔“ فریدی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”آپ نے وہ نشانات دیکھے۔“

”نہیں! ابھی تو نہیں۔“

”آئیے میرے ساتھ۔ یہ لیکم گذھ ہے یہاں آئے دن اس طرح کے شعبدے نظر آتے ہیں۔“ میجر نصرت نے کہا۔

وہ دونوں باہر جانے لگے۔ وہ آفیسر جس نے فریدی وغیرہ کے اور پتے لکھے تھے انہیں حرمت سے دیکھ رہا تھا۔

”شعبدے! میں نہیں سمجھا۔“ فریدی بولا۔

”اوہ...!“ میجر نصرت نے کہا۔ ”تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ذیڑھ فٹ لبے پیروں کے نشانات کی ذی روح کے ہیں۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔۔۔ وہ دونوں اُس کھڑکی کے نیچے آئے جاں وہ عجیب و غریب نشانات اب بھی موجود تھی۔ ان سے تھوڑے ہی فاصلے پر دو کاشیبل ان کی حفاظت کر رہے تھے۔ فریدی نے ان نشانات پر ایک اچھی سی نظر ڈالی اور زمین سے بارہ فٹ اوپر کھڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔ اتنے میں کچھ اخبارات کے روپ رڑ آگئے۔ انہوں نے برف پر پڑے ہوئے نشانات کے فوٹو لینے چاہے لیکن کاشیبلوں نے روک دیا۔ ”میں بھی آپ کو ہمیشہ دوں گا۔“ میجر نصرت فریدی سے کہہ رہا تھا۔ ”خواتین کا یہاں شہرناٹ ٹھیک نہیں۔“

”کیا اس سے پہلے بھی یہاں اس قسم کا کوئی واقعہ ہوا ہے؟“ فریدی نے پوچھا۔ ”واقعہ! تو کوئی نہیں ہوا۔“ میجر نصرت نے کہا۔ لیکن پچھلے پندرہ دنوں سے اس قسم کے نشانات مختلف جگہوں پر دیکھے جا رہے ہیں۔“ ”پندرہ دن سے۔“ فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ اس کی نظریں بڑی بے چینی سے گرد و پیش کا چاہنہ لے رہی تھیں۔ ٹھیک کھڑکی کے نیچے دونوں نشانات تھے۔ ان کے علاوہ اور کہیں اس قسم کا کوئی نشان موجود نہیں تھا۔

”بڑی عجیب بات ہے۔“ فریدی آہستہ سے بڑا بڑا۔ ”گویا وہ دیو آسمان سے بیکا تھا۔“ ”فریدی صاحب! میرا خیال ہے کہ جس وقت برف گر رہی تھی اُس وقت یہ واردات ہوئی اور بقیہ نشانات پر ہو گئے اور وہ دونوں نشانات برف باری ختم ہو جانے کے بعد بنائے گئے ہیں۔“ ”ہو سکتا ہے..... مگر کیا! ان نشانات کے علاوہ صحن یہاں کچھ دوسرے ایسے نشانات بھی دیکھے تھے، جو ان کی طرح غیر معمولی نہ رہے ہوں۔“ ”ہی نہیں..... برف کی سطح بے داغ تھی۔ کم از کم دسو گز کے رقبے میں کوئی دوسرا نشان نہیں تھا۔“

”تب تو پھر میرے خیال سے یہ بات بھی درست نہیں کہ برف باری کے بعد یہ نشان بنائے گئے۔ ظاہر ہے کہ آئے والا اپنے ہی بیرون سے چل کر یہاں تک آیا ہو گا۔“ میجر نصرت کچھ نہ بولا۔ اُس کی نظریں کھڑکی پر جمی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر کے لئے سکوت

طاری ہو گیا۔ کھڑکی سے البتہ کچھ آوازیں آرہی تھیں۔ اندر شائد مکملہ سراغ رسانی کے فٹوگرافر نشانات کے فوٹو لے رہے تھے۔

”اچھا اندر والے نشانات....!“ فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

”آئیے وہ بھی دکھاؤ۔“ میجر نصرت نے کہا۔

”نہیں پھر دیکھ لوں گا۔“ فریدی نے کہا۔ اُس کی نظریں اپنے بقیہ ساتھیوں پر جمی ہوئی تھیں۔ سرجنت حمید اور دوسرے لوگ بارہ دوسرے قلعوں کے ہمراہ ہوشی کی طرف آرہے تھے۔ سرجنت حمید نے اپنے ہاتھ میں ایک سوٹ کیس لٹکا کر کھا تھا۔ وہ سب لمبی پوستیں اور بالدار ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے۔

کرنل شمشاد اور ہیر عمر اور ٹھیلے جنم کا آدمی تھا۔ اس کی فرشچ کٹ ڈاڑھی بھورے رنگ کی تھی جس میں کہیں کہیں سفید بال بھی نظر آرہے تھے۔ لیکن چہرے کی جلد پر بڑھاپے کے آثار نہیں تھے۔ آنکھیں سخت گیر آدمیوں کی تھیں۔ خدو خال تیکھے تھے لیکن وہ اُسی وقت تک غصہ ور معلوم ہوتا تھا جب تک خاموش رہتا تھا اور جب گفتگو کرتا تو کم از کم کسی نئے آدمی کو تو اپنے قیاس پر سخت شرمندگی ہوتی تھی۔ شرمندگی کی بات بھی تھی کیونکہ کرٹل کا لہجہ بہشہ محبت آمیز ہوا کرتا تھا۔ آواز میں بلا کی نرمی تھی۔ بہر حال بوصددی لوگ اس کی شکل سے اس کے کردار کا غلط ہی اندازہ لگاتے تھے۔

زادہ کریم چھریرے بدن کا نوجوان تھا۔ اس میں کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی جو اسے عام آدمیوں سے مختلف نکالہ کرتی۔

البتہ تیسرا آدمی قاسم رضا ایسا تھا جو اپنے ڈیل ڈول کے اعتبار سے پوری پارٹی میں نمایاں نظر آئتا تھا۔ مگر وہ ایسا ہی تھا کہ اس کے ملنے والے ابھی تک یہی فیصلہ نہیں کر پائے تھے کہ اُسے ایک میانہ نما گنبد سمجھیں یا گنبد نما میانہ۔ سرجنت حمید نے اس کے متعلق صرف ایک جملہ اپنی ڈائری میں نوٹ کیا تھا۔ وہ یہ کہ قاسم شاید عوچ بن عنق کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔

بہر حال قاسم کی انہائی درجہ لمبائی اور چوڑائی دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کئے بغیر نہیں رہتی تھی۔ بقول حمید چونکہ اس کی کھوپڑی سطح سمندر سے بہت اوپر تھی اس لئے وہاں سال بھر برف جی رہتی تھی۔

فریدی اپنے ان چاروں ساتھیوں کو نشیب سے چڑھائی کی طرف آتے دیکھا رہا۔ مجھر نصرت کو کوئی خاص بات یاد آگئی تھی۔ اس لئے وہ اپنے ماتحوں کو روشنی بخشنے کے لئے اندر چلا گیا تھا۔ فریدی کے ساتھی سڑک چھوڑ کر اُسی نیکے پر چڑھ آئے جس سے ہوٹل کو راستہ جاتا تھا۔ حید سب سے آگے تھا اور اس طرح جھوم جھوم کر چل رہا تھا جیسے بہت زیادہ تھک گیا۔ فریدی کھڑکی کے پاس سے ہٹ گیا۔ ہوٹل کے سامنے اب بھی بھیڑ تھی اور پولیس والوں کی خالی ٹوپیاں دور سے بھی پچانی جاسکتی تھیں۔

دفعہ سار جنت حید پڑھنے لے رک گیا۔ اُس کے ساتھ والے اُس سے دو چار قدم آگے بڑھ گئے۔ لیکن پھر انہیں بھی رک کر حید کی طرف پلٹنا پڑا۔ فریدی اُن کے قریب پہنچ چکا تھا۔

”کیا بات ہے۔“ فریدی نے حید سے پوچھا۔

”کیا یہ سب ہمارے استقبال کیلئے تشریف لائے ہیں۔“ حید نے مجھ کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”نہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”ایک دلچسپ کیس۔“ ”کیس....!“ حید کے ہاتھ سے سوت کیس چھوٹ پڑا۔ ”تو یہ نامروہم سے پہلے ہی پہنچ گیا۔“ ”یہ کیا یہودگی۔“ فریدی نے جھک کر سوت کیس اٹھاتے ہوئے کہا۔

لیکن حید چپ چاپ کھڑا رہا۔ اُس کی پہنچ پھٹی سی دیران آنکھیں خلاء میں کسی نامعلوم نقطے پر جی ہوئی تھیں۔ یکاک دھمکے سے برف پر پیٹھ گیا۔

”حید....!“ فریدی نے جھنجھلا کر اسے مخاطب کیا۔ لیکن حید دوسرے لمحے میں چت ہو چکا تھا۔ کرنل شمشاد وغیرہ بوکھلا کر اُس کی طرف دوڑے.... بار بردار قلیوں نے بھی شاید سامان رکھنا ہی چاہا تھا کہ فریدی نے انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ اس وقت اسے سوچ چجھ حید کی اس حرکت پر غصہ آگیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سورہ موقع دیکھتا ہے اور نہ محل بس اپنی حرکتوں سے سروکار۔

قلی سامان اٹھائے ہوئے اس کے ساتھ کروں تک آئے اور وہ سامان رکھا ہی رہا تھا کہ قاسم حید کو اپنے ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ حید شاید اب تک بیہوش تھا۔ قاسم کے چہرے پر ایک غم آکوڈی سمجھیگی طاری تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے ہاتھوں پر کوئی لاش اٹھائے ہوئے ہو۔

نواب رشید الزماں وغیرہ بوکھلا کر آگے بڑھے لیکن فریدی نے پلٹ کر دیکھا بھی نہیں۔ پھر قاسم اُسے مسہری پر لٹانے ہی جا رہا تھا کہ حید اس کے ہاتھوں سے پھسل گیا۔ ”شکریہ۔“ اُس نے آہستہ سے کہا اور ایک خالی کرسی پر بیٹھ کر بڑے بے تعاقانہ انداز میں کرے کا جائزہ لینے لگا۔

قاسم نے انھوں کی طرح منہ بنا کر ایک جھینپا جھینپا ساقہ پہ لگایا اور پھر اس طرح سنجیدہ ہو گیا جیسے اُن کے کان یا ناک سے چوہا نکل پڑا ہو۔

تین شکاری

سب لوگ بے ساختہ نہیں پڑے لیکن بات کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ کرنل شمشاد اور زاہد کریم شاید نیچے رہ گئے تھے۔

”حید صاحب اکوئی نیا شگوف۔“ فرزانہ کی تھنگی ہوئی آواز سنائی دی۔ حید نے فوراً ہی اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی کتاب نکالی اور اس کے ورق اللہ تھا پھر اسے دوبارہ جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ ”برف میں نہنے بختے پو دے سڑ جاتے ہیں لہذا آج کل نہ شگوف ہوتے ہیں اور نہ پھول۔“

قاسم نے ایک بے ہنگم ساقہ پہ لگایا۔ اتنے میں مجھر نصرت کرے کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ حید کی کرسی دروازے کے سامنے ہی تھی۔

”اوہو.... آپ.... کیا بات تھی۔“ مجھر نصرت نے پوچھا۔ ”ارے مجھر صاحب۔“ حید اٹھتا ہوا بولا۔ ”آئے.... آئے۔“ ”آپ کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔“ مجھر نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ پھر اجنبیوں کو دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

فریدی مسکرا تھا ہو اُس کی طرف مڑا۔ ”آئے۔“ میں آپ کا تعارف اپنے ایک بزرگ سے کراؤں۔“ اُس نے نواب رشید الزماں کی

طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اوہ.... ضرور.... ضرور۔"

تحوڑی دیر بعد پھر اس کیس کی گفتگو چھڑ گئی اور جب حمید کو واردات کے متعلق معلوم ہوا تو اس نے ان لوگوں کی طرح اپنے دیے چھرانے شروع کر دیئے۔ پھر اس نے قاسم کو اشارہ کیا اور وہ دونوں انٹھ کر کرے کے باہر چلے آئے۔

"سنا تم نے" حمید نے قاسم سے کہک "ڈیڑھ فٹ لے نشانات... تباہے پیر کا سائز لیا ہو گا۔"

"حید بھائی.... میں اس وقت معموم ہوں۔" قاسم گلوکیر آواز میں بولا۔

"ہائیں۔" حمید اچھل کر بولا۔ "انتے لے چوڑے ہو کر بھی معموم ہو۔"

"حید بھائی میری زندگی میں ایک بہت بڑی ثریجہ ہو گئی ہے۔"

"مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ لیکن تم اتنی بلندی پر واقع ہوئے ہو کہ میں تمہیں دلاسر دیئے سے محفوظ ہوں۔"

یہ حقیقت تھی حمید اس کے شانوں سے بھی نیچا تھا۔

"حید بھائی! میں چچ معموم ہوں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ زاہد کریم کی بیوی اس کے ساتھ آئی ہے۔"

"ہاں.... آں لیکن تمہیں کیوں پریشانی ہے۔"

"بہت بڑی ثریجہ ہے۔" قاسم بسور کر بولا۔

"مت بور کروار مرے۔" حمید اکتا کر بولا۔ "چلو ہم بھی ان نشانات کی زیارت کر آئیں۔"

دونوں ڈائینگ ہال سے گزر کر باہر جانے لگے۔

"حید بھائی۔ بہاں سے میری واپسی محل ہے۔ میں یہیں مر جاؤں گا۔ برف میں دفن ہو جاؤں گا اور جب برف پچھلے گی تو حید بھائی.... میری لاش...." قاسم کی آواز چھر آگئی۔

حمد نے سر اٹھا کر دیکھا۔ قاسم رو موال سے اپنی آنکھیں خلک کر رہا تھا۔

"حید بھائی! مجھے الوت سمجھئے۔ میری زندگی بڑی دکھ بھری ہے۔" قاسم نے کہا۔

"عشق ہو گیا ہے کسی سے۔" حمید نے پوچھا۔

"ابھی تو نہیں ہو۔" قاسم نے حمات آمیز سنجیدگی سے کہا۔

حمید نے ایک بار پھر اسے گھور کر دیکھا۔

پولیس والے شاکر اپنا کام ختم کر چکے تھے کیونکہ ان نشانات کے گرداب کافی بھیز نظر آرہی تھی۔ جیسے ہی قاسم اور حمید وہاں پہنچے لوگوں کی دلچسپی ان نشانات سے ختم ہو گئی۔ وہ سب قاسم کو تحریر آمیز نظروں سے دیکھنے لگے تھے اور ان میں سے بہت سوں کی نظریں اُسکے پیروں پر بھی تھیں۔ "از رے چچ حید بھائی۔" قاسم بربولایا۔ "انتے بڑے پیر!.... اف فو۔"

ان نشانات کے متعلق یہ قاسم کا پہلا اور آخری جملہ تھا۔ اس کے بعد اس نے پھر اپنے غنوں کا تذکرہ شروع کر دیا۔ حمید بہت شدت سے بور ہو رہا تھا۔ نشانات کو دیکھنے ہی اُس نے اندازہ لگایا تھا کہ فریدی کے دل پر اس وقت کیا گزر رہی ہو گئی۔ حمید کو اب شکار کی تفریق کی سلامتی خطرے میں نظر آرہی تھی اور وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کہیں عورتوں کو کسی دوسرا جگہ منتقل نہ کر دیا جائے۔

"حید بھائی.... میں مر جاؤں گا۔" قاسم نے پھر ہاتک لگائی۔

"بہاں نہیں۔" تمیوں بھانا کر بولا۔ "آؤ میرے ساتھ۔"

وہ اُسے ڈائینگ ہال میں لایا۔

"یہھو.... اگر تم نے مجھے اپنی دکھ بھری دیا۔ ستان نہ ستانی تو میں تمہیں گولی مار دوں گا۔"

اس جملے پر قاسم نے ایسا منہ بیٹایا جیسے نہ امان گیا ہو۔

"میں واپسی برا باد فصیب ہوں۔" اُس نے شہنشہی سانس بھر کر کہا۔

"شروع ہو جاؤ۔ اب کسی تمہید کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی اور ہاں سنو منظر نگاری کی ضرورت نہیں۔"

"منظر نگاری۔" قاسم نے حرست سے کہا "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلوب یہ کہ جب دو دل آپس میں ملتے ہیں تو قریب ہی کہیں نہ کہیں کوئی چھوٹی سی ندی ضرور ہوتی ہے یا تو سورج غروب ہو تاہم تھا یا غروب ہی نہیں ہوتا یعنی رات ہوتی ہے اور ستارے مکر اٹھتے ہیں۔ کہکشاں رہ بیانافوکس ٹروٹ شروع کر دیتی ہے۔"

"واہ.... حید بھائی۔" قاسم ہنسنے لگا۔

حمید اُسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتا رہا اور وہ خود کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ تھوڑی دیر

اٹھے گی۔

”ہائے اپنا کوئی نہیں۔“ قاسم نے گوگیر آواز میں کہا اور اپنا منہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔
جید اسے تھر آلود نظروں سے گھورنے لگا۔ قاسم اُس کی وچپیوں کا بہترین سامان تھا لیکن
بعض اوقات وہ بڑی شدت سے بور کرنے لگتا تھا۔ دونوں کی دوستی زیادہ پرانی نہیں تھی مگر قاسم
تھوڑے ہی عرصے میں جید کا گردبیوہ ہو گیا تھا۔

”جید بھائی میں روتا چاہتا ہوں۔“ قاسم تھوڑی دیر بعد بولا۔

”کیوں بابا! کیوں بکو بھی۔“ جید نے دانت میں کر کھل۔

”جید بھائی! میں نہیں جانتا کہ میاں بیوی کی محبت کس چیز یا کا نام ہے۔“

”ہو سکتا ہے۔“ جید نے لاپرواپی سے کہا اور پاپا پپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر
فریدی اسی ہوٹل میں قیام پر مصروف ہا تو بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ظاہر تھا کہ لڑکوں کی
موجودی کے بغیر سروس ناممکن تھی اور پھر اگر کسی ہوٹل میں قیام کرنے کے بعد ذاتی کام بھی
خود ہی انجام دینے پڑے تو گھر کی یادوں سے کس طرح نکل سکے گی۔ تنزع دراصل ماحول سے
فرار کا نام ہے اگر تنزع کے دوران میں پچھلے ماحول کی یادوں میں کچوکے لگاتی رہے تو پھر وہ
تنزع ہی کہاں رہ گئی۔

جید پاپا سلاکا کر کر سی کی پشت سے نکل گیا۔

”جید بھائی۔“ قاسم نے پھر کچھ کہنا چاہا۔

”تمہیں گانا آتا ہے۔“ جید نے پوچھا۔

”کیوں... ہاہاہا۔“ وہ احمقوں کی طرح ہنسنے لگا۔ قاسم کی بُٹی کا انداز عجیب تھا۔ بُٹی وہ ہنستا تھا
بات بات پر نہ دیتا تھا۔ مگر اس کا چہرہ ہر قسم کے اثرات سے عاری ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا
جیسے اُس بُٹی کا اُس کے دل سے ذرہ برابر بھی تعلق نہ ہو۔

”اٹھو بہاں سے۔“ جید اٹھتا ہوا بولا۔

قاسم اٹھے ہی رہا تھا کہ فریدی اور میر نفرت بھی وہیں آگئے۔ دونوں میں اُسی کیس کے
تعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ وہ بھی اُسی میز پر آگئے اور جید نے نہ جانے کیوں کھسک جانے کا رادہ
ملتوی کر دیا۔

تک۔ خاموشی رہی پھر قاسم بولا۔ ”اچھا جید بھائی.... بھلامیری کیا عمر ہو گی۔“

”سائز ہے دس سال۔“

”نہیں آپ کو میری جان کی قسم۔“

”او بابا! میں کیا بتاؤں ذیل ڈول سے چار ہزار برس قبل کے معلوم ہوتے ہو۔“

”جید بھائی میں صرف اٹھائیں سال کا ہوں۔“

”چلوان لیا.... پھر!“

”اچھا میری بیوی کی کیا عمر ہو گی۔“

”کیا! ارے تمہاری بیوی کی عمر۔“ جید نے حیرت سے کہا۔

”ہاں.... ہاں بیوی کی۔“

”تم واپسی چند ہو کیا۔ میں کیا جانوں۔“

”پھر بھی انداز۔“ قاسم نے اتنی سمجھی گی سے کہا جیسے جید اس کی بیوی کو بھی دیکھ چکا ہو۔

”کیا میں نے تمہاری بیوی کو دیکھا ہے۔“ جید جھٹا کر بولا۔

”اوہ.... جید بھائی.... وہ صرف چودہ برس کی ہے۔ میرے باپ نے زبردستی مجھے قتل

کر دیا۔“

”فلک مت کرو۔ میں قاتل کا سراغ لگاؤں گا۔“ جید اتنا کر بولا۔

”جید بھائی جب میں کسی عورت اور مرد کو نہ بنیں کر باتیں کرتا دیکھتا ہوں تو دل چاہتا ہے

کہ دھاڑیں بارماں کر رہوں۔“

”کیوں....!“ جید نے مضمون انداز میں پوچھا۔

”جید بھائی میری زندگی کی سب سے بڑی فریبوجو۔“

”پہلے ایک بات کافی ملہ کر لو کہ تم بھی جملہ کتنی بارہ ہراو گے۔“

”میرا دنیا میں کوئی ہمدرد نہیں۔“ قاسم سچ بچ بورنے لگا۔

”مت بور کرو۔“

”میں خود کشی کر لوں گا۔“

”گھر پہنچ کر۔“ جید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ ”ورنہ تمہاری نومن کی لاش ہم سے تو نہ

”مگر وہ کھڑکی۔“ فریدی کہہ رہا تھا۔ ”ظاہر ہے کہ وہ اُسے اندر سے بند کر کے سوئی ہو گی۔“
”بھی وہ بھوت تھا۔“ میر نصرت مسکرا کر بولا۔ ”پولیس نے اسے باور کر لیا ہے وہ غیر
مسئلی نشانات عرصہ سے یہاں شہرت پار ہے ہیں۔“ فریدی سگار سکانے لگا۔

”لیکن قیمت ہی ہے کہ وہ بھوت ابھی تک کسی کو نظر نہیں آیا ورنہ میکم گذھ بڑی دلچسپ
جگہ ہے۔“ میر نصرت پھر بولا۔ ”پولیس والوں کا برنا تو یہاں کے غیر کے ساتھ اچھا نہیں ہے۔“ فریدی نے کچھ سوچتے
ہوئے کہا۔

”یہاں اُس کے متعلق کوئی بھی اچھی رائے نہیں رکھتا۔“ میر نصرت بولا۔
”کیوں؟“

”بھی بات یہ ہے کہ ابھی ہمارے یہاں ہر معاملے میں مشرقت برقرار ہے لہذا اسی اسی جگہ
غیر قسم کے آدمی کے لئے لوگ نہ رہے ہی خیالات رکھیں گے۔“ ”میں نہیں سمجھا۔“

”فزارو کے علاوہ اور کسی ہوٹ میں لاکیاں نہیں ہیں۔“ ”اوہ....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”لیکن وہ مُرادی تو نہیں معلوم ہوتا۔“ ”ہاں....آل....اس کے چہرے پر بڑھاپے میں بھی بڑا بھولا پن موجود ہے لیکن میں
اپنے بچپن سالہ تجربات کی بناء پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ بعض حالات میں چہرہ دل کی غمازی نہیں کرتا۔“
”تحوڑی دیر کے لئے پھر خاموشی چھا گئی۔“ حمید پاپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔ ”قاسم اس
طرح پہلو بدل رہا تھا جیسے وہ زبردستی وہاں بھایا گیا ہو اور اخلاقاً خود پر جر کر رہا ہو۔
”بہر حال۔“ فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ ”آپ اس واقعے کو کوئی غیر معمولی حادثہ
سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔“

”قطی۔“ میر نصرت نے کہا۔ ”میں بھوتوں اور شیطانوں پر یقین نہیں رکھتا۔“
”یہ اچھی بات ہے۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا اور بجا ہو اسگار سکانے لگا۔
”قاسم نے بھاڑ سامنہ چھاڑ کر اگڑائی ای اور اس طرح ہونت سکوڑ کر کھڑکی سے نظر آنے والی

پہلوں کو دیکھنے کا ہے کہہ رہا ہو خیر اگلی اگڑائی پر تمہارا صفائیا ہو جائے گا۔

”آپ نے عورتوں کے لئے کیا سوچا۔“ میر نصرت نے پوچھا۔

”کچھ نہیں.... وہ ساتھ ہی قیام کرنے پر مصروف ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”میں تو اسے مناسب نہیں سمجھتا۔ دیے آپ لوگوں کو اختیار ہے۔“

”محظی افسوس ہے کہ اُنمیں سے کوئی عورت اسکی نہیں ہے جس پر میں کسی قسم کا باداڑاں سکوں۔“

”خوب یاد آیا۔“ میر نصرت نے مسکرا کر کہا۔ ”آخر اب آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے۔“

”شادی۔“ سرجنت حمید نے دفعتاً پوچھ کر کہا۔ پھر میر نصرت کو اسی نظر وہ دیکھنے لگا

میں نے فریدی کو گلے میں ایک عدد نائم چیزوں لٹکائے رکھنے کا مشورہ دیا ہو۔

فریدی بہت لگا۔ پھر اُس نے میر نصرت سے کہا۔

”بھی میر صاحب! شادی دراصل والدین کے شوق کی چیز ہے اور میں اتفاقاً والدین سے

حرودم ہو چکا ہوں۔“

”ہو.... او۔“ حمید آہستہ سے بڑھا لیا۔ ”یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ میں آپ کے لئے والدین کا

پورا سیٹ مہیا کر سکتا ہوں۔“

”تھی...!“ میر نصرت نے حمید کی طرف مژکر پوچھا۔

”تھیاں! فریدی صاحب نھیک کہہ رہے ہیں اگر والدین نہ ہوئے تو یہوی خود ہی والدین بن

یٹھتی ہے۔“

”میر نصرت نہ پڑا۔ قاسم خاموش بیٹھا رہا اور جب بات اس کی سمجھ میں بھی آگئی تو اُس نے

ایک اتنا زور دار تھوہہ لگایا کہ دیواریں تک جھجنگا ہیں۔

”میر نصرت جیسے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ شائد قاسم نے بھی موقع کی مفعکہ خیر

صورت حال کا اندازہ لگایا تھا۔ اس نے اچاک اپنا تھوہہ روک دیا اور بالکل ایسا ہی معلوم

ہوا جیسے کسی تیز رفتار موڑ کے چاروں پہلوں میں پورے بریک لگ گئے ہوں۔

” غالباً یہاں کی اگواری ختم ہو گئی۔“ فریدی نے کہا۔

”ہاں... ارے.... مجھ سے سختے۔ یہ اسی غیر کی حرکت ہے۔“ میر نصرت آہستہ سے بولا۔

”غیر کی۔“

"جناب! شاکر وہ راہ پر نہیں آئی تھی۔"

"ہوں۔" فریدی نے دوسرا سگار سلاکا لیا۔

حمدی نے قاسم کو آنکھ ماری اور وہ انھیں کر کھڑا ہو گیا۔

"بڑی تھکن ہے۔" حمید بھی انگڑائی لیتا ہوا انھیں گیا۔

پھر وہ دونوں اپنے کروں کی طرف جا رہے تھے۔ زبانداری میں انہیں تین آدمی ملے جو انہیں

کی طرح پوستیں اور بالدار ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے اور ان کے کانڈوں پر راکفلیں لکھی ہوئی

تھیں۔ وہ تینوں انہیں دیکھ کر حمارت آمیز انداز میں مسکرائے۔

"کیا آپ لوگ بھی شکاری ہیں۔" ان میں سے ایک نے انہیں مخاطب کیا۔

یہ بھاری چہرے اور موٹی گروں والا ایک قد آور آدمی تھا۔ لمبائی میں قاسم سے تھوڑا ہی کم

رہا ہو گا۔ لیکن ٹھوڑی اور جڑوں کی بناوٹ کہہ رہی تھی کہ وہ قاسم کی طرح یقوق نہیں ہے۔

آنکھوں سے سخت گیری، کینگی اور کمینہ توڑی مترش تھی۔

"شکاری ہیں! لیکن پیشہ در نہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"ہم پہلے ہی سمجھ گئے تھے۔ پیشہ دروں کے ساتھ عورتیں نہیں ہو اکرتیں۔" بھاری چہرے

والا بلکے سے قیقبہ کے ساتھ بولا۔

"جی....!" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر آگے بڑھ گیا۔

وہ تینوں بے ڈھنگے پن سے ہٹتے ہوئے ڈائینگ ہال کی طرف چلے گئے۔

"ماروں سالوں کو۔" قاسم پوستین کی آستین چڑھانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

حمدی نے اُسے گھور کر دیکھا اور وہ چپ چاپ اُس کے پیچھے چلنے لگا۔

حمدی جاتا تھا کہ قاسم اُتنے بھڑنے میں سب سے آگے ہی رہتا ہے۔ وہ اپنے ڈیل ڈول کی

مناسبت سے اتنا ہی طاقت ور بھی تھا اور یہ بات محض سنی سنائی نہیں تھی۔ خود حمید کو بھی ایک بار

اس کا تجربہ ہو چکا تھا۔ قاسم نے اس کی موجودگی میں ایک آدمی کو اُس کی موڑ سائکل سمیت

سرڑک کے دامنے کنارے سے اٹھا کر باسیں کنارے پر رکھ دیا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک بار حمید اور

قاسم کی سڑک سے پیدل گزر رہے تھے۔ اچانک سڑک کے کنارے کھڑے ہوئے ایک

موڑ سائکل سوار نے کہو اقسام کی پینٹ پر تھوک دیا۔ قاسم کو بڑا تاؤ آیا۔ بات زیادہ بڑھی تو موڑ

سائکل والا شائد قاسم کو گالی دے بیٹھا۔ قاسم جواب میں گالی تو نہ دے سکا لیکن احتجاجاً اُس نے
اُسے موڑ سائکل سمیت اٹھا کر دوسرے کنارے پر رکھ دیا۔

پتھر نہیں کیوں وہ حمید کا اتنا گریدہ ہو گیا تھا۔ حالانکہ اُسے غصہ بڑی جلدی آ جاتا تھا لیکن وہ
حمید کی تخت سے تلن بات کا بھی نہیں مانتا تھا۔ ویسے وہ اگر حمید پر اپنی ایک ناگ بھی رکھ دیتا تو
اُس کی ہٹیاں پلیاں برابر ہو جاتیں۔

وہ دونوں اُسی کرے میں آئے جہاں سے انھیں کر گئے تھے۔ اب وہاں کرنٹ شمشاد اور زاہد
کریم کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

"کہنے حمید صاحب کی بات تھی۔" کرنٹ شمشاد نے پوچھا۔

"پچھے نہیں! وہی پیروں کے بھیب و غریب نشانات کا چرچہ پل رہا ہے۔"

"میں آپ کی بیہو شی کے متعلق پوچھ رہا تھا۔"

"اوہ.... وہ۔" قاسم ہنسنے لگا۔

پتھر نہیں کیوں چکر سا آگیا تھا۔ حمید جلدی سے بول پڑا غزالہ صوفیہ اور شہنشاہ مسکراہی تھیں۔

"عالم گر سکی میں عموماً بھی ہوتا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"جی! ہاں! جی! ہاں۔" قاسم احقانہ انداز میں سر ہلانے لگا۔

"حیوانات، نباتات، حتیٰ کہ جہادات پر بھی گر سکی کار د عمل ہوتا ہے۔" فرزانہ پھر بولی۔

"میرے خیال سے یہ ایک عقدہ لائی خل ہے۔" قاسم نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"ہائیں۔" حمید اُسے گھور کر بولا۔ "یہ عقدہ لائی خل کیا بلاہے۔"

"میں بھی شائد یہ لفظ پہلی بار سن رہی ہوں۔" فرزانہ نے کہا۔

"اوہ! آپ لوگ لائی خل نہیں جانتے.... چچ.... چچ.... مجھے افسوس ہے۔" قاسم نے

اپنے بڑنے پڑے دانتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ شاید آپ نے لا جخل کی مٹی پلید کی ہے۔" نواب صاحب نہیں کر بولی۔

"نہیں صاحب لائی خل! میں جاہل نہیں ہوں۔" قاسم نے نہ امان کر کہا۔

"لا جخل۔" حمید نے بھنا کر کہا۔ "لا..... میں.... خل۔"

"تو پھر ہو گا۔" قاسم نے اتنی معصومیت سے کہا کہ سب بے ساختہ نہیں پڑے۔

”میں نے ساہے کہ دیے ہی نشانات مختلف جگہوں پر کئی دنوں سے دیکھے جا رہے ہیں۔“
کرع شمشاد نے کہا۔

”حرمت انگیز بات ہے۔“ نواب صاحب بولے۔

”یقیناً اس پر اسرار ہستی کا قد کم از کم پدرہ فٹ ضرور ہو گا۔“ حید بولا۔

”اور سننے۔“ حید نے نواب صاحب کو مخاطب کیا۔ ”میں خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہوں۔ وہ نشانات میرے ہی بیرون کے ہیں۔“

”بھی میری تجویز توہینی ہے کہ لاکیاں بیہاں نہ ٹھہریں۔“ نواب صاحب نے کہا۔

”واہ پچا جان۔“ فرزانہ بولی۔ ”آخر ہم میں بھی تخداع عتمادی ہونی چاہئے۔“

”بھی تم کرع کی بیٹی ہو۔“ نواب صاحب نہ کرہ گئے۔

”بیہاں ٹھہر نے میں کیا حرج ہے اباجانی۔“ غزالہ بولی۔ ”ہم کہیں رہیں اور آپ کہیں۔“
حید کچھ بولنے میں والا تھا کہ ہوٹل کا غیر خود میں اپنے ہاتھوں پر ایک بڑا سائزے اٹھائے
ہوئے کرے میں داخل ہوا۔

”مجھے سخت افسوس ہے۔“ اس نے ناشتے کا ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”جو کچھ بھی مجھ
سے بن پڑا ہے، حاضر کر رہا ہوں۔“

”اوہ! آپ نے ناچ تکلف کی۔“ نواب صاحب نے کہا۔ ”ہم نے تو کہا تھا کہ یہ سب کچھ
خود میں کر لیں گے۔“

”ایک صاحب ڈائینگ ہال میں ہیں انہیں بھیج دیجئے گا۔“ حید نے اس سے کہا۔

”بس اتنا ہی سنا شت۔“ قاسم نے بڑی اوسی سے کہا۔

”تمہارے لئے اوٹ مسلم آئے گا۔“ حید بولا۔

”قاسم صاحب آپ ہلکی غذا میں استعمال کیا کجھے۔“ فرزانہ نے کہا۔

”بھیز ریشم، روپی اور ٹرینک پیپر وغیرہ۔“ حید بولا۔

”حید بھائی مجھے بھوک پر غصہ آ جاتا ہے۔“ قاسم نے بڑا مان کر کہا۔
شاکر فرزانہ کچھ کہنے والی تھی کہ فریدی آگیا۔ انہوں نے اپنی کرسیاں میز کے قریب
کھکھائیں۔ غزالہ چائے بنانے لگی۔

ناشتے کے دوران میں پھر اس کیس کے متعلق گفتگو چھڑ گئی۔

”ان لوگوں نے کمرے کی چھت کی طرف دھیان نہیں دیا۔“ فریدی بولا۔

”کیوں چھت سے کیا مطلب۔“ حید نے کہا۔

”اگر چھت سے کوئی مطلب نہیں تو پھر ہمیں یہ بات باور ہی کر لئی پڑے گی کہ وہ کسی مافوق
الغیرت ہستی کے پیروں کے نشانات ہیں۔“

”آخر بادر کر لینے میں کیا حرج ہے۔“ غزالہ نے کہا۔

”اوہ! تو آپ بھی اس پر یقین رکھتی ہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میا آپ کو اپنی حوالی سے
کے پر اسرار و اعقات یاد نہیں۔“

غزالہ کچھ نہ بولی۔

”ویسے میں نے اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی کہ انہیں اس کی طرف توجہ دلاتا۔“ فریدی
نے کہا۔

ناشتہ ختم کر چکنے کے بعد فریدی را لکھوں کا جائزہ لینے لگا اور حید کی جان میں جان آئی۔ اگر وہ
را لکھوں میں و پچی لینے کے بعد ہوٹل کی چھت پر چڑھ دوڑنے کا رادہ ظاہر کرتا تو حید کی تفریح
کی عافیت خطرے میں نظر آنے لگتی۔

اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ فضاد ہند لامگی تھی اور برف گرنے کے آثار نظر آرہے تھے۔

ایک فائر

انہوں نے دن بھر آرام کیا۔ شکار کا پروگرام دوسرے دن سے تھا۔

فریدی بہت شدت سے بور نظر آ رہا تھا۔ عمر توں کی موجودگی اُسے بُری طرح کھل رہی
تھی۔ صبح سے کئی آدمی عمر توں کی موسم سرما کے شکار میں شرکت پر تفحیک آمیز باتیں کہہ چکے
تھے۔ قاسم، حید اور فریدی ایک ہی کمرے میں تھے۔ زاہد کریم اور اس کی بیوی صوفیہ کے لئے
ایک کرہ مخصوص کر دیا گیا تھا۔ شہناز اور غزالہ نواب صاحب کے ساتھ تھیں۔ کرع شمشاد اور

اس کی لڑکی فرزانہ چوتھے کرے میں بند تھے۔

شام کو فریدی اٹھ کر نواب صاحب کے کرے میں چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی قاسم نے پھوٹ پھوٹ کر دنار شروع کر دیا۔

”ہائیں! ہائیں۔“ حمید یوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

قاسم پنک پر اونڈھا پڑا پھول پچک رہا تھا۔

”ارے کیا ہوا تمہیں.... ڈاگر کہیں کے۔“

”حمدید.... بھائی.... بس روئینے دیجئے۔“

”شرم نہیں آتی تمہیں.... اتنا بڑا ذیل ڈول....!“

”ڈول کی ایسی تیسی۔“ قاسم جھنجلا کر بیٹھ گیا۔ ”لخت ہے اس ڈول پر۔“

”آخر غصے کی وجہ پیارے۔“ حمید نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ہوئے کہا۔

”غصے کی وجہ۔“ قاسم رومال سے آنسو پوچھتا ہوا بولا۔ ”میری شادی کو چھ ماہ گزرے لیکن میں اب بھی کنوارا ہوں۔“

”کیا مطلب۔“ حمید آنکھیں کھول کر بولا۔

”سالی مجھے دیکھ کر غل غپاڑہ مجاہی ہے۔ جیج کربے ہوش ہو جاتی ہے۔“

”واقعی۔“

”حمدید بھائی میں جھوٹ نہیں بولتا۔“ قاسم کی آواز پھر گلوگیر ہو گئی۔ ”میں اسی غم میں گھل رہا ہوں۔“

”مجھے افسوس ہے پیارے قاسم۔“

”میری شادی میرے باپ نے زبردستی کر دی۔ وہ سرمایہ دار ضرور ہیں۔ مگر بنیاناپ کے علم کے روشنی سے محروم اداہ صرف دولت سمیٹا جانتے ہیں آدمی کی ان کی نظر وہ میں کوئی وقت نہیں۔“

حمید خاموشی سے ستارہ پھر انتہائی سنجیدگی سے بولا۔

”حمدید بانو سے کشتی ٹوڈ گے۔“

”میں نے سوچا تھا۔“ قاسم نے اتنی ہی سنجیدگی سے جواب دیا۔ ”لیکن والد صاحب....“

”تم نے سوچا تھا۔“ حمید تھیر آمیر انداز میں چھا۔

”ہاں۔“ قاسم سر ہلا کر بولا۔ ”وہ ہی تو کہتی ہے تاکہ جو مجھے زیر کر لے گا اُسی سے شادی کر لوں گی۔“

حمدید سنجیدگی سے کچھ سوچتا ہا پھر آہستہ سے بولا۔ ”کر غل صاحب کی لڑکی سے عشق کرو گے۔“

”کیا....؟“ قاسم نے آگے چھک کر سرگوشی کی۔

”فرزانہ سے عشق۔“

قاسم تھوک نگل کر منہ چلانے لگا۔

”کر غل صاحب تمہیں بہت پسند کرتے ہیں۔“ حمید نے سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

”کمی بار کہہ چکے ہیں کہ یہ جوان توجہ بخوبی کے لائق ہے۔“

”اچھا....!“ قاسم احقةانہ انداز میں آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

”ہاں اور لڑکی بھی کافی تند رست ہے۔“

”ہے تو!.... مگر.... عشق....!“

”کیوں؟ کیا بات ہے؟“

”عشق کیے کر دوں گا مجھے آتا ہی نہیں۔ میں نے کبھی نہیں کیا۔“

”بکھی میں جوتے گئے ہو بکھی۔“ حمید جھنجلا کر بولا۔

قاسم ہنس پڑا۔

دوراں سے پرقدموں کی آواز سنائی دی اور قاسم یوکھلا گیا کیونکہ آنے والی فرزانہ ہی تھی۔ اس کے ساتھ شہناز بھی تھی۔

”کہاں حمید صاحب! کیا آپ بھی مریضانہ ہنیت کے حامل ہو گئے۔“ فرزانہ نے کہا۔

”نہیں تو!.... ذرا قاسم کو ایک صحت مند مشورہ دے رہا تھا۔“

قاسم نے یوکھلا کر کچھ کہنا چاہا اور اس کے منہ سے یک وقت کی طرح کی آوازیں نکل کر رہے تھے۔ فرزانہ اور شہناز ہنسنے لگیں۔

”میں بھی تو سنوں کہ کیا مشورہ تھا۔“ فرزانہ نے کہا۔

”لہی کہ یہ حضرت کر غل سے قریب ہو جائیں تو بہتر ہے۔“

اس جملے پر قاسم کا حلیہ نبڑی طرح گزگیا۔ وہ آنکھیں چھاڑے حمید کو گھور رہا تھا۔

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔“

”اوہ مطلب صاف ہے۔“

”کچھ نہیں... ہلاا...!“ قاسم اپنی دانست میں پچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھ کر سورج مچانے والے انداز میں ہٹنے لگا۔

”میں انہیں یہ مشورہ دے رہا تھا کہ یہ فوق میں ملازمت کر لیں۔“ حمید نے کہا۔

”خبر وہ سب ٹھیک ہے لیکن اس وقت کرے میں پڑے رہنا کہاں کی دانشندی ہے، ذرا باہر نکل کر دیکھنے مفری گوشے سے بادل سرک گئے ہیں اور شق کارگ برف پوش پہاڑیوں میں بکھر گیا ہے۔“

حمد نے مسکرا کر شہناز کو آنکھ مار دی اور وہ اسامنہ بنا کر کھا جانے والے انداز میں اُسے گھومنے لگی۔

”فریدی صاحب کہاں ہیں۔“ حمید نے پوچھا۔

”چھت پر۔“

”چھت پر...!“ حمیدا چھل پڑا۔

”اوہ آپ کو یاد فرمائے ہیں۔“ شہناز چلک کر بولی۔

”شق کی بہار دیکھ رہے ہیں یا...!“

”میں نہیں کچھ نشانات۔“ شہناز نے اس کی بات کاٹ دی۔

”باتی رہے گا کب تک نام و نشان ہمارا۔“ حمید دردناک انداز میں گھٹانا نے لگا۔

شہناز اور فرزانہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائیں۔

”بدو آفرینش ہی سے آدمی تن آسانی کا جویا رہا ہے۔“ فرزانہ نے کہا۔ ”میں نے آپ کب اُن کا پیغام پہنچا دیا اب آپ جائیں۔“

”وہ دونوں چل گئیں۔“

”دیکھا تم نے۔“ حمید نے اٹھ کر جو تاپینتے ہوئے قاسم سے کہا۔ ”وہ خود ہی تم سے عشق کرنا

اہتی ہے۔“

”خود ہی.... مجھ سے ہی ہی ہی۔“ قاسم ہونتوں پر ہاتھ رکھ کر ہٹنے لگا۔

”ابے تم دیکھتے نہیں کہ تمہارے ہی ڈیل ڈول کے الفاظ استعمال کرتی ہے۔ بدہ فرنیش.... ہونہ۔“

”تو حمید بھائی کچھ... پھر میں.... مگر کیسے؟“

”میں بتاؤں گا۔“

”تو پھر بتائیے تا۔“

”ذر ایک ٹھنڈی سانس تو بھرو۔“ حمید نے کہا۔

قاسم ٹھنڈی سانس لینے کے لئے اپنے پنجپہدوں میں ہوا کھینچنے لگا۔ لیکن درمیان ہی میں سے ہی آگئی۔

”تم نہیں کر سکو گے عشق۔“ حمید نہ اسامنہ بنا کر بولا۔

فریدی گم شدہ ہیڈویٹر کے کمرے کی چھت پر کھڑا یونچ کی طرف دیکھ رہا تھا وہ تھا تھا اور ڈی کی سیر ہیوں کے ذریعے اور سبک پہنچا تھا۔ آخری منزل یادوسری منزل کی سپاٹ چھتوں پر انسنے کئے باقاعدہ زینے نہیں تھے۔ فریدی اس طرح خیالات میں ڈوبا ہوا تھا اسے حمید کے نے سک کی خبر نہ ہوئی۔ حمید بھی تھا ہی تھا اس نے تو کوشش کی تھی کہ قاسم کو بھی اپر جعلے جائے لیکن قاسم نے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ لڑکی کی معنوی سی سیر ہی ساکا بوجھنا سنبھال سکتے گی۔

”ہے ہے۔“ حمید سکی لے کر بولا۔ ”آج شق کتنی حسین لگ رہی ہے۔“

”اوہ۔“ فریدی چوک کر مڑا۔ چد لمحے تھکر آئیز انداز میں حمید کی آنکھوں میں دیکھا رہا۔ میں نے تمہیں شاعری کرنے کے لئے نہیں بلایا۔“

”وہ تو میں جانتا ہوں کہ آپ مجھ سے اپنا مرثیہ لکھوائیں گے۔“ حمید منہ بنا کر بولا۔

”اُن لڑکیوں کو کسی طرح سمجھاؤ کہ یہاں ان کا مٹھرا تھیک نہیں۔“

”اوہ تو کیا یہ بات ایسی ہی تھی کہ تیرسی منزل پر کہا جائے۔“

”اوہ نہ بارے بایا میں اُس کیس میں دلچسپی نہیں لے رہا ہوں۔ میں نے تمہیں ہوکار کے لئے

ٹوپی کے اوپری حصے میں ایک بڑا سا سوراخ تھا اور اس کی نوعیت کہہ رہی تھی کہ وہ کسی رائل کی گولی کا نتیجہ ہے۔
”یہ کیا ہوں؟“

”سوارخ...!“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”کیا تم نہیں جانتے کہ سوراخ کے کہتے ہیں۔“
”لیکن یہ ہوا کیسے۔“

”اس طرح ہوا کہ اگر کچھ اور نیچے ہوتا تو میں تمہارے احتمانہ سوالات سے بہت سی کلئے فتح جاتا۔“
”گولی۔“ حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ ”لیکن آئی کدھر سے۔ آئیے باہر دیکھیں۔“
”سنوبیٹے۔“ فریدی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”دوسرے سوراخ والے جنم کو لاش کہیں گے۔ ویسے تم اس کا نزد کرہ سا تھیوں سے مت کرنا۔“
”لیکن کچھ نہ کچھ تو کرنا چاہئے۔“ حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔

”صرف اتنا ہی کہ چل کر ہوٹل کے شہر کو اپنی لطیفہ گوئی سے منظوظ کرو۔ لیکن نہ سمجھو، اس کا جاؤ پہلے میرے صندوق سے دوسری ٹوپی نکال لاؤ۔ اُسے رکھتے آتا۔“
حمد قریب قریب دوڑتا ہوا اپنے کمرے تک آیا۔ فریدی کے صندوق سے ٹوپی نکالی اور قاسم کی گھوں گھوں پر دھیان دیئے بغیر باہر نکل گیا۔
دونوں ڈائینگ ہال میں پہنچ۔

شہر کا ٹھرپر کہیاں لیکے خلاء میں گھور رہا تھا۔ ان کے قدموں کی آہٹ پر چوک کر مکرانے لگا۔ اس کی مکرانے کی آہٹ بڑھاپے میں بھی بڑی دلاؤزی تھی۔

”مجھے بڑا افسوس ہے آپ لوگوں کو بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔“ اس نے کہا۔

”قطیعی نہیں.... ویسے میں نے سنا ہے کہ آپ کو دو ایک آدمی مل گئے ہیں۔“ فریدی بولا۔
”جی ہاں! ایک بار پھی اور دو خادم۔“

”چلنے یہ بھی غنیمت ہے۔“ فریدی نے کہا اور ایک اچھتی سی نظر ڈائینگ ہال پر ڈالی۔ دو آدمیوں کے علاوہ دہاں اور کوئی نہیں تھا۔ حمید نے انہیں پہلی نظر میں پہچان لیا۔ یہ انہیں تینوں شکلیوں میں سے تھے۔ جن سے وہ صحیح ابجھتے ابجھتے رہ گیا تھا۔ اس وقت بھاری چہرے والا ان میں نہیں تھا۔

جلد تجویز کرنے کے لئے بلایا ہے۔“
”رہائشی کمروں سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں۔“ حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔
”بکنے لگے۔“

”تنے جناب! میں پتھر کا نہیں ہوں مجھے سردی لگ، ہی ہے اور میں زیادہ دیر تک کسی کھلی گاہ پر نہ سمجھو نہیں سکتا۔“

”تم آئے ہی کیوں تھے۔“ فریدی نے جیب سے دور میں نکال کر لگاتے ہوئے کہا۔
”آدمی کا احتیج پن دیکھئے۔“ حمید بولا۔ ”ظاہر ہے کہ لوڑیاں کھائیں نہیں جاتیں اور محض ان کی کھالیں حاصل کرنے کے لئے اتنے دھکے کھانا عقل مندی نہیں۔ کیا بتاؤں یہ بات مجھے پہلے نہ سوچی درست میں وہیں آپ کو لوڑیوں کی کھالیں خرید دیتا۔ ایک دو نہیں بلکہ درجنوں۔“
”بکومت۔“

”بہت بہتر۔“ حمید واپسی کے لئے مڑتا ہوا بولا۔ ”نیچے ہی ملاقات ہو گی۔ یہ جگہ چونکہ خود استو سے بہت دوار ہے لہذا مجھے ذر ہے کہ کہیں میرا جغرافیہ خطرے میں نہ پڑ جائے۔“
حمدی نے چند ہی زینے طے کئے تھے کہ دفتراں نے فائز کی آواز کی اور ساتھ ہی کوئی چھٹ پر دھم سے گرپڑا۔

”کیا ہوا؟“ حمید چیخ کر مڑا اور پھر تیزی سے اپر جانے لگا۔ اس کا سر چھٹ کی سٹل سے تقریباً ایک ہنی بالشت امپر اتھا کہ اُسے فریدی کی آواز سنائی دی۔
”یہ نیچے جاؤ۔“

فریدی چھٹ پر اونڈھا پڑا سیرھیوں کی طرف ریگ رہا تھا۔
حمدی دیوار کی طرف منہ کے ہوئے تین چار سیرھیاں نیچے اتر گیا۔
”اٹر جاؤ۔“ فریدی کی آواز پھر سنائی دی۔ حمید نے وہیں سے چھلانگ لگادی اور نیچے پہنچ کر فریدی کو سیرھی سے اترے دیکھا رہا۔

”کیا ہوا... کیا بات ہے۔“ حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔
”کچھ نہیں! صرف ٹوپی بدلتی پڑے گی۔“ فریدی مسکرا کر بولا اور اپنے سر سے بالدار ٹوپی اتار کر حمید کے چہرے کے قریب کر دی۔

فریدی اور حمید کاؤنٹر کے قریب جا کر کھڑے ہو گئے۔
”کیوں جتاب۔“ فریدی نے فیربر کو آہتہ سے مخاطب کیا۔ ”بھی آپ کے ہوٹل میں کوئی
قتل بھی ہوا ہے۔“

”قتل....!“ فیربر یک چوک پڑا۔ ”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”اب میں آپ کو قتل کا مطلب کس طرح سمجھاؤ۔“

”نہیں صاحب! یہاں کبھی قتل و تسل نہیں ہوا۔“

”میں نے یو نہیں پوچھا تھا۔“ فریدی نے جیب سے سگار کیس نکالتے ہوئے کہا۔ ”لے جئے۔“

”جی شکریہ! مجھے تمباکو سے رغبت نہیں۔“

فریدی نے ایک سگار سلاکا لیا۔

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ نے یہ سوال کیا؟“ فیربر آہتہ سے بڑا بڑا۔ جیسے اُس نے
خود سے کہا ہو۔

”اوہ! آپ الجھن میں نہ بتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ پھر ہال میں بیٹھے ہوئے دنوں
آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ ”شکاری۔“

”جی ہاں! اور آپ ہی لوگوں کی طرح میرے لئے اجنبی ہیں۔“

”یعنی۔“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

”میرا خیال ہے کہ یہ اس سینز کے علاوہ اور کبھی یہاں نہیں پہنچے۔“

”کب سے مقیم ہیں۔“

”تقریباً ایک ماہ سے۔“

”تب تو انہوں نے کافی شکار کر لیا ہو گا۔“

”مجھے اس کے متعلق علم نہیں لیکن میں آپ لوگوں کو ایک مشورہ ضرور دوں گا۔ وہ بھر
محض اس لئے کہ آپ کے ساتھ لیڈریز بھی ہیں۔ یہاں کسی شکاری سے دشمنی مت مول یجھے گا۔

خصوصاً پیشہ در شکاریوں سے۔ کیونکہ سینز ختم ہونے پر جب برف پکھلتی ہے تو دو چار لاٹیں
ضرور نکلتی ہیں۔ آج تک کوئی سینز خالی نہیں گیا۔

”اوہ....!“ فریدی نہ صرف سنجیدہ ہو گیا بلکہ اس کی آنکھوں سے حیرت بھی جھانکنے لگی تھی

س کے متعلق حمید نے اندازہ لگایا کہ وہ سو فیصدی مصنوعی تھی۔

”جی ہاں! پچھلے سال تین لاٹیں میں تھیں اور وہ تینوں شکاری تھے۔ ان میں سے ایک کا قیام
یہاں فزارو میں تھا۔“

”پولیس نے کچھ نہیں کیا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”پولیس....!“ فیربر تھخرا آمیز لبجھ میں بولا۔ ”پولیس نے ان لاٹوں کو انھوا کر ان کا
وست مارٹم کروایا تھا۔“

”اگر ہم نہیں کاؤنٹر پر کھڑے کھڑے کافی بیس تو کیا حرج ہے۔“ فریدی نے کہا۔
”کوئی حرج نہیں جتاب۔ ابھی لجھتے اسٹر وگ یا لائٹ۔“

”اسٹر وگ ود کریم۔“

فیربر چلا گیا۔ وہ دونوں دیسیں کاؤنٹر پر کھڑے رہے۔

”یہ شکاری۔“ حمید آہتہ سے بولا۔ ”ان کے ساتھ ایک اور بھی تھا۔“
”میں جانتا ہوں.... میں نے صبح دیکھا تھا۔“

”اور وہ تیر اصورت سے کوئی اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔“
”صورت میں اکثر دھوکا بھی دیتی ہیں۔“

فیربر واپس آگیا۔ شاکنڈوہ پکن میں کافی کے لئے کہنے گیا تھا۔

”آخر یہ شکاری آپس میں لڑ کیوں جاتے ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”اس کی بھی ایک وجہ ہے۔“ فیربر بولا۔ ”شکار کے لئے کوئی جگہ مخصوص نہیں ہے۔ ہوتا یہ
چاہئے کہ سرکاری اجازت ناموں کے ساتھ مختلف پارٹیوں کے لئے جگہ کا تعین بھی کر دیا جائے
کیونکہ کئی مقامی اخبارات نے حکام کی توجہ اس طرف مبذول کرنے کی کوشش کی ہے لیکن کوئی
نتیجہ نہیں نکلا۔“

”یہ تو واقعی تری بات ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”کچھ دری خاموشی روپی بھر کافی آگئی۔“

”آپ کی وہ لڑکی۔“ فریدی کافی کے کپ میں شکر ذاتا ہوا بولا۔ ”کیا یہاں کسی سے اُس کی
دشمنی تھی۔“

”نہیں جتاب وہ بڑی نیک لڑکی تھی۔“

”اوہ! لیکن نیک آدمیوں کے بھی تو دشمن ہوتے ہیں۔ ان کی نیکی ہی دوسروں کی دشمنی کا وجہ بن جاتی ہے۔“

”ہوتے ہوں گے مگر.... اُس کا کوئی دشمن نہیں تھا کیونکہ وہ کسی سے زیادہ ملتی ہی نہیں تھی۔“
”اغوا کی وارداتیں یہاں عام ہوں گی۔“

”نہیں جتاب میرے ہوٹل میں یہ پہلا واقعہ ہے۔“

”آپ غلط سمجھے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”یہاں سے مراد نیکم گذھ تھی۔“

”نیکم گذھ کیلئے اغوا کی وارداتیں نہیں اور ایسی وارداتیں عموماً سردیوں میں ہی ہوتی ہیں۔“

”سردیوں میں۔“ فریدی پچھے سوچنے لگا۔

”لیکن وہ پہ اسرار نشانات! نیکم گذھ کے لئے نہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”نہیں.... مگر میں نے سنائے کہ وہ اس سے قبل بھی مختلف مقامات پر دیکھے گئے ہیں۔“

”جی ہاں! یہ اسی سیزن کی بات ہے شاید پندرہ میں دنوں سے اُنکے متعلق سنائی دینے لگا ہے۔“

ہال کے چوبی فرش سے جو تے کی آوازیں پھیل رہی تھیں۔

فریدی اور حمید نے مژ کر دیکھا۔ بھاری چہرے والا شکاری ہال میں داخل ہو چکا تھا۔

حماقتیں

”گذھ ایونگ فیر۔“ اس نے فیر کو مخاطب کیا۔

”ایونگ جنٹلینین۔“

”میں بھی گرم کافی کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔“

”ضرور ضرور!“ فیر نے کاؤٹر پر رکھی ہوئی گھنٹی بجاتے ہوئے کہا۔ ”اسٹر وگ۔“

”اسٹر وگسٹ پوسیل۔“

وہ بائیں کہنی کاؤٹر پر نیک کردا ہے ہاتھ کی انگلیوں سے اپنی رائفل کا کندہ لکھناٹا نے لگا، جو اس کے کاندھے سے لگی ہوئی تھی۔ اس وقت حمید کو اس کا چہرہ پہلے سے بھی زیادہ خوفناک معلوم

ہو رہا تھا۔ فریدی نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھا اور پھر کافی پینے لگا۔

”آپ لوگوں کو بھی تکلیف ہو رہی ہے۔“ فیر نے اس سے کہا۔

”ہمیں کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔“ شکاری مسکرا کر بولا۔

”شکار کیسا ہو رہا ہے۔“

”اپنہائی خراب نہ ہونے کے برابر۔ اس بار گردوی کی پارٹی بڑی زبردستیوں پر آتی آتی ہے۔ کیا

کروں میرے پاس زیادہ آدمی نہیں ہیں ورنہ ایک ایک کو سیدھا کر دیتا۔ ایسے میں تو دنباہی پڑتا ہے۔“

”آپ لوگ کوہر جا رہے ہیں۔“

”سنتی گھانی کی طرف! شکار کی چیز ادھر ہی ہے۔ مگر گردوی کے کتنے بھی ادھر ہی جا رہے ہیں۔“

”پتہ نہیں اس بار گردوی صاحب، فوارو میں کیوں نہیں بھرے۔“

”اُسے شاید معلوم تھا کہ میں اس بار فوارو میں قیام کروں گا۔“

”تو آپ پہلے بھی یہاں آتے رہے ہیں۔“ فیر نے پوچھا۔

”برابر..... میں تقریباً دس سال سے یہاں آ رہا ہوں۔“ شکاری نے دیٹر کے ہاتھ سے کافی

کی ٹڑے لیتے ہوئے کہا۔ اسکے دونوں ساتھی ڈائینگ ہال کے ایک گوشے میں شترنچ کھیل رہے تھے۔

”گردوی صاحب اس بار کہاں بھرے ہیں۔“ فیر نے پوچھا۔

”شہر میں.... لیکن ہوٹل میں نہیں۔ انہوں نے کوئی بلڈنگ کرانے پر لی ہے؟“

”تحوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر بھاری چہرے والا فریدی کی طرف مژ کر بولا۔“ خصوصاً

آپ لوگوں کو بڑی دشواریاں پیش آئیں گی۔ آپ بالکل نئے معلوم ہوتے ہیں۔“

”مقصد تفریق چیز ہے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”اگر شکار نہ بھی ملے گا تو ہمیں افسوس نہ ہو گا۔“

”نمیک ہے! نمیک ہے۔“ شکاری نہ پڑا۔ ”ویسے یہ بطور اور ہر نوں کا شکار نہیں ہے۔“

”میں تو ہاتھیوں اور شیروں کے شکار کو بھی اس سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔“ فریدی نے کہا۔

”بہت خوب۔ جتاب کام شریف۔“

”ایکس، واٹی، زید کچھ بھی سمجھ لیجئے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”نام شکار نہیں کھیلا کر تے۔“

”یہاں تو گردوی کا نام ہی شکار کھیلا کرتا ہے۔“ شکاری نے سنجیدگی سے کہا۔

”اوہ تو وہ اتنا خوفناک ہے۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔

”اگر آپ کی پارٹی نے بھی سیل گھائی کا رخ کیا تو اس سے کسی رسمی تعارف کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔“
”سیل گھائی۔“ فریدی نے حید کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”ہم وہیں شکار کھلیں گے۔“
شکاری نے کچھ اس قسم کا تفہیم لگایا جیسے اس نے کسی بچے کی زبان سے کوئی حماقت انگیز بات سنی ہو۔

پھر اس نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کیا۔ ”دوستو! آخر کار ہمیں ایک آدمی تو ایسا ملا تو سیل گھائی میں علانیہ شکار کھلیے گا۔“
وہ دونوں پہلے وہیں بیٹھے اسے دیکھتے رہے پھر شترنچ کی باڑی چھوڑ کر اٹھ آئے۔
”یہ جیا لے۔“ اس نے فریدی اور حید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”سیل گھائی.....“
”میرا خیال ہے۔“ فریدی نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”آپ تہذیب کی حدود سے آگے بڑھ رہے ہیں۔“

”اوہ! مجھے افسوس ہے۔“ شکاری یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔
”آپ کی تعریف۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔

”تعریف میں بھی نہیں جانتا۔“ بھاری چہرے والے نے کہا۔ ”لیکن صورت سے مستقل مزان آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ ٹھوڑی اور ناک کی بنا پر کہہ رہی ہے کہ سفاکی اور نرم دلی دونوں موجود ہیں۔“

”قیافے کی داد دینی پڑے گی۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔
”آپ میں مرد کتے ہیں۔“ بھاری چہرے والے نے پوچھا۔
”پچھے..... اور.....!“

”میا آپ ہم سے تھوڑی دیر یک گھنٹو کرتا پسند کریں گے۔“ شکاری نے فریدی کی بات کاٹ کر پوچھا۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ وہ چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔
”ضرور! بڑی خوشی سے۔“

”تو آئیے؟“ شکاری ڈائینک ہل کی میزوں کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔
جید الجھن میں پڑ گیا تھا۔ اُنل کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر فریدی کی کوئی کیا گیا ہے لے کم

ہی دیر قبل اُس پر حملہ ہو چکا تھا اگر کوئی ایک انج یعنی گلی ہوتی تو اس وقت اس کی جھینہ و عین کا مسئلہ درپیش ہوتا۔ اس کے باوجود بھی وہ اتنا پر سکون نظر آ رہا تھا جیسے وہ سب محض مذاق ہو۔ شکاریوں کی آپس کی خلش کے متعلق وہ مخبر سے سن چکا تھا اور اب یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ اسی بھاری چہرے والے کی حرکت نہ رہی ہو۔
وہ پانچوں ایک گوشے میں آبیٹھے۔

”ہاں تو میرے دوست....!“ بھاری چہرے والے نے فریدی کو مخاطب کیا۔ ”گروہی بڑا خطرناک آدمی ہے۔ وہ اپنے کسی بھی حریف کو زندہ دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ دس سال کے عرصے میں میں نے اپنے تیرہ ساتھی ضائع کے ہیں۔“

”ہمیا وہ گروہی ہی کا خیکار ہوئے تھے۔“ فریدی نے پوچھا۔
”قطعی! اس کی پارٹی بھیشہ طاقت و رہتی ہے اور وہ ہمیشہ مکاری سے مارتا ہے۔“
”پولیس کچھ نہیں کرتی۔“

”پولیس آج تک اس کے خلاف ثبوت نہیں بہم پہنچا سکی۔“
”کوئی اور بھی پارٹی ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”بہتیری تھیں لیکن اب میری پارٹی کے علاوہ اور کوئی نہیں رہ گئی۔ اب کوئی شکم گذھ کی طرف رخ بھی نہیں کرتا۔ اس بار بھی میرے ساتھ چودہ آدمی آئے تھے لیکن اب بھی دو مرد رہ گئے ان کے علاوہ اور سب نے پیٹھ دکھائی۔“

فریدی نے سگار کیس نکال کر میز پر رکھ دی۔ بھاری چہرے والے نے ایک سگار نکال کر سلکتے ہوئے کہا۔ ”میں دس سال سے اس کے مقابلے پر جارہا ہوں۔ اب یا تو میں اس کے ہاتھ سے مار جاؤں گا یادہ خود میرے ہاتھوں جہنم رسید ہو گا۔“

”تو پھر وہ بھی آپ کی تاک میں رہتا ہو گا۔“ فریدی نے پوچھا۔
”قطعی! وہ کئی بار مجھ پر حملہ کر چکا ہے۔“

”یعنی اگر اس کا بس چلے تو وہ آپ کو گوئی مار دینے سے بھی دربغنا نہ کرے۔“
”تھیا! بالکل بھی بات ہے۔“

فریدی کچھ سوچنے لگا.... کچھ دیر خاموشی رہ کر اس نے بھاری چہرے والے سے پوچھا۔

”ہوٹل کی واردات کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔“

”واردات...! میں اسے حیرت انگیز کہتا۔ لیکن ڈیڑھ فٹ لمبے پیروں کے نشانات مجھے شے
میں ڈال رہے ہیں۔“

”کیوں؟ شہبہ کس بات کا؟“ فریدی نے پوچھا۔

”وہ نشانات یہاں قریباً ایک ماہ سے دیکھے جا رہے ہیں۔ سب سے پہلے وہ سیل گھانی میں
دیکھے گئے تھے اور اب بھی زیادہ تر وہیں دکھائی دیتے ہیں۔“

”لیکن یہ شہبہ کیوں؟“ فریدی نے کہا۔

”میں انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بھی گروہی کی کوئی شرارت ہو۔“

”ہو سکتا ہے لیکن اس کا مقصد بھی ہو گا۔ آخر مقصد کیا ہو سکتا ہے۔“

”دوسری پارٹی کو خوف زدہ کرتا۔“ بھاری چہرے والے نے کہا۔ ”ظاہر ہے کہ کمزور دل
کے آدمی ایسی صورت میں سیل گھانی کا رخ نہ کریں گے۔“

فریدی صرف سر ہلا کر رہا گیا۔

”گروہی آپ لوگوں کا بھی دشمن ہو جائے گا۔“ بھاری چہرے والا پھر بولا۔

”مگر ہماری دشمنی شائد اسے بہت مہمگی پڑے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”آپ ناداقیت کی بناء پر ایسا کہہ رہے ہیں۔ گروہی حقیقی شیطان کا نطفہ ہے۔“

”ہم لوگوں سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔“ حید نے کہا۔ ”وہ شروع ہی سے خاموش تھا لیکن
اب اس کی زبان میں کھلی ہونے لگی تھی۔“

”اوہ سے بھڑنا آسان نہیں۔“

”خیر دیکھا جائے گا۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا۔ ”شکار تو ہم بہر حال کھلیں گے۔“

”کب سے ارادہ ہے۔“

”کل سے۔“

”اور سیل گھانی میں یعنی۔“

”می ہاں ویس۔“

”خیر میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ آگے آپ کو انتیار ہے۔“ دکاری بولا۔

”ہم اس پر غور کریں گے۔“ فریدی نے سمجھ دی سے کہا۔

”ویسے اگر کبھی ہمارے تعاون کی ضرورت محسوس ہو تو بلا تکلف کہہ دیجئے گا۔“

”شکریہ۔“ فریدی نے بجھا ہوا گارسلہ کر کہا۔

”ان نشانات کے متعلق آپ نے کوئی واضح خیال نہیں ظاہر کیا۔“ حید نے کہا۔

”میں نے اپنا شہبہ ظاہر کر دیا۔ وہ بھی اس بناء پر کہ وہ زیادہ تر سیل گھانی میں دیکھے گئے ہیں اور اگر اس لڑکی کے انواع میں گروہی ہی کا ہاتھ ہے تو اس سے برا چھوڑو اشائد ہی روئے زمین پر
دوسرا ہو۔“

”گروہی ہے کون؟“ فریدی نے پوچھا۔

”ایک پیشہ در شکاری۔ اس سے زیادہ میں بھی نہیں جانتا۔“

سلسلہ گفتگو زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا۔ نواب صاحب نے فریدی کو بولا بھیجا تھا۔ دوسری
منزل پر جاتے وقت فریدی نے حید سے کہا۔

”کیا خیال ہے۔“

”شائد وہ ہم سے تعاون کرنا چاہتا ہے۔“

”اگر واقعی گروہی اُسی کے بیان کے مطابق لکھا تو۔“ فریدی نے کہا۔

”ہمیاں توڑ دیں گے اُس کی۔ میرا پھر اس کی ٹالکیں جیز کر چھینک دے گا۔“

”کون! قاسم.... بھی بدلے وقوف آدمی ہے۔“

”بہترین تفریح ہے۔“ حید نہیں کر بولا۔ ”میں اسے عشق پر آمادہ کر رہا ہوں۔“

”یعنی....!“

”وہ فرزانہ سے عشق کرنے گا۔“

”لا حول ولا قوۃ.... یا اس لڑکی کے گفتگو کے انداز سے میں بھی طرح آتا گیا ہوں۔“

فریدی نواب صاحب کے کمرے میں چلا گیا اور حید نے اپنے کمرے کی راہی۔ یہاں قاسم کی

”گھوں گھوں“ کے ساتھ چند سریلے قہقہے بھی گونج رہے تھے۔ اندر پہنچ کر اس نے عجیب ہنگار

”می ہاں ویس۔“

”خیر میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ آگے آپ کو انتیار ہے۔“ دکاری بولا۔

”آؤ چلیں۔“ فرزانہ نے شہناز سے کہا۔
 ”نہیں بھی! اب حید صاحب بھی مکالات دکھائیں گے۔“ صوفیہ مسکرا کر بولی۔
 ”ضرور اضرور۔“ حید نے اپنا اپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔ ”قاسم چت لیت جاؤ۔“
 ”کیوں؟ ہاہا۔“
 ”میں بھی پکھ دکھاؤں گا۔“ حید نے اپنے سوت کیس میں ہاتھ ڈال کر کچھ ٹوٹ لئے ہوئے کہا۔
 ”چلتے لیت گیا۔“ قاسم بھرا جائی آوانی آواز میں بولا۔
 ساتھ ہی کڑکڑاٹھ سنائی دی۔ حید نے ایک بڑا سائیکاری چاقو کھول لیا تھا۔
 قاسم بوکھلا کر اٹھ میختا۔
 ”میں اس کی گردان کاٹ کر پھر جوڑوں گا۔“ حید نے لڑکیوں سے کہا۔
 اس کے چہرے پر بلاکی سمجھی گئی تھی۔ وہ سب نہ پڑیں لیکن حید کے ہونٹوں پر مسکراہٹ
 لکھن آئی۔
 ”ڈر نہیں قاسم۔“ حید نرم لمحے میں بولا۔ ”تمہیں ذرا بھی تکلیف نہ ہو گی۔“
 ”ہم.... مگر۔“
 ”کچھ نہیں.... گردان الگ کر کے پھر جوڑوں گا۔“
 ”نہیں.... نہ.... نہیں۔“
 ”ڈرمت۔“ حید جیج کر بولا۔
 ”لڑکیاں سمجھیدہ ہو گئیں۔“
 ”لیٹ جاؤ قاسم۔“ حید پھر گرد۔
 فرزانہ نے پھر اسے اپنی طرف متوجہ کر لیکی تو شش کی۔ حید نے اسکی طرف دیکھا تک نہیں۔
 ”قاسم....!“
 قاسم جدت سے من پھاڑے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔
 ”لڑکیوں نے آپس میں کچھ اشارے کئے اور وہاں سے چلی گئیں۔“
 ”کیوں بے ذفر۔“ حید چاقو ایک طرف ڈال کر بولا۔ ”یہ کیا حرکت تھی۔“
 ”حید بھائی خفا ہو گئے۔“

اشتعال دینے والی لوہے کی موٹی سلاخ اس طرح مزدی ہوئی تھی کہ اس کے دونوں سرے ایک
 دونوں سے مل گئے تھے۔
 اور پھر اس نے قاسم کو دیکھا، جو سامنے کھڑا ٹوٹے ہوئے گلاس کے گلکرے چاچا کر تھوک
 رہا تھا۔
 ”ابے یہ کیا کیا؟“ حید اپنی رائفل اٹھاتا ہوا چیخا۔
 ”سید ہی کر دوں گا حید بھائی۔“ قاسم نے ششے کا گلکرہ اچباتے ہوئے بڑےطمینان سے کہا۔
 حید آئیں پھاڑے اسے گھورتا رہا۔
 ”اب میں یہ دونوں کر سیاں۔“ قاسم نے لڑکیوں کو مخاطب کیا۔ ”اپنی بغلوں میں دبا کر توڑا
 دوں گا۔“
 ”دماغ خراب ہوا ہے۔“ حید پھر چیخا۔
 ”حید بھائی صرف یہی دونوں کر سیاں۔“ قاسم نے بڑی سمجھی گی سے کھا اور وہ چاروں ہنس پڑیں۔
 ”شامت آئی ہے۔ کیا یہ میرے تمہارے باب کی کر سیاں ہیں۔“
 ”اور قاسم بھائی وہ سوت کیسوں والا کھیل۔“ شہناز اٹھا کر بولی۔
 ”ابے مارتی ڈالوں گا۔“ حید مکاتاں کر بولا۔
 قاسم کھیانی بھی کے ساتھ ایک طرف بیٹھ گیا۔
 ”حید صاحب۔“ فرزانہ بولی۔ ”آپ نے ہمیں اتنے شاندار مکالات سے محروم کر دیا۔“
 ”آپ بھی کچھ فرمائیے۔“ حید نے جل کر شہناز کو مخاطب کیا۔
 ”وہ سوت کیسوں والا کھیل۔“ شہناز نے قاسم سے کہا۔
 ”سنو....!“ حید جلا کر بولا ”ایک کھیل مجھے بھی آتا ہے۔“
 ”وہ کیا ہے حید صاحب۔“ فرزانہ نے مسکرا کر پوچھا۔
 ”کمرے کا سارا سماں ایک جگہ اکٹھا کر دیجئے۔ پھر اس پر پڑوں چھڑک دیجئے۔“
 ”میں پڑوں بھی لی سکتا ہوں۔“ قاسم نے شرما کر کہا۔
 ”میں تمہیں پڑوں پلاوں گا۔“ حید دانت پیس کر بولات۔
 ”حید صاحب آج آپ کچھ محروم المزاج سے نظر آ رہے ہیں۔“ فرزانہ بولی۔

”نگاہ کے بنجے! ان پر اپنی طاقت کا رب عذال رہے تھے۔“

”آپ ہی نے تو کہا تھا۔“ قاسم جلا کر بولا۔

”میا کہا تھا میں نے۔“

قاسم نے شرم کر سر جھکایا۔ اُس کے ہونٹ ذرا سے کھلے۔ پھر ایک شرمیلی سی مسکراتہ کے ساتھ نظریں جھکائے ہوئے اس نے کہا۔ ”آپ نے مجھیں کہا تھا کہ فرزانہ سے عشق کرلو۔“

”ہائیں۔“ حمید اچھل کر بولا۔ ”تو یہ تم عشق کر رہے تھے۔“

”مطلوب یہ کہ....!“

”اب میں سمجھا! حمید اس کی بات کاٹ کر بولا۔“ اسی طرح تم بیوی سے بھی عشق جاتے ہو گے۔“

قاسم منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگا۔

”اور تم نے ڈیڑھ ہزار کی رائفل بر باد کر دی۔“

قاسم نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

”اب ہنسنے ہو بے شرم۔“

”حید بھائی۔“ قاسم امتحتا ہوا بولا۔ ”رائفل کی نال یہ رہی۔“

اس نے صندوق کے پیچھے سے رائفل کی نال نکال کر پینگ پر ڈال دی۔

”پھر یہ کیا ہے۔“

”پچھے لوہے کی نلکی..... دیکھئے کتنی خوبصورتی سے فٹ کی ہے۔“ قاسم نے قہقہہ لگایا۔

”حید کوچھ جانپی عقل پر رونا آگیا۔ کیونکہ رائفل کی نال نوٹ سکتی تھی میزھی نہیں ہو سکتا تھی۔ اس نے محیب مثانے کے لئے کہا۔

”تمہیں دوسرا نالی ملی کہاں سے۔“

”میں اس قسم کی چیزیں اپنے ساتھ رکھتا ہوں۔ اس وقت کئی کھیل رہے گے۔ اچھا آپ ہی دیکھئے۔“

”حید اسے گھومنے لگا۔ قاسم نے ایک ہاتھ میں پر رکھ کر نو اسامنہ بٹایا۔“

”یہا... ہپ.... انگا۔“ اس کامنہ کمل گیا۔ وانتوں کے درمیان ایک بڑا سالوہ ہے کاگا۔

چھنا ہوا تھا۔

”ہپ....!“ گولامنہ سے نکل کر فرش پر گرد پڑا۔

”یوما... ہپ.... انگا.... ہپ....!“ دوسرا گولا نکالا۔

اس نے پے در پے سات آٹھ گولے منہ سے نکالے۔

”گلاس کلتے توڑے ہیں۔“ حمید نے پوچھا۔

”چار گلاس اور ایک میز جو سڑی ہوئی لکڑی کی تھی۔ اُسے توڑنے میں چوتھائی قوت بھی کام نہیں آئی۔ ان سب کی قیمت میں ادا کر دوں گا۔“

”تم نے خود بخود کرتب دکھانے شروع کر دیئے تھے۔“ حمید نے پوچھا۔

”نہیں.... فرزانہ نے استدعا کی تھی۔“

”خواہ خواہ استدعا کی تھی۔ اُسے کیسے معلوم ہوا کہ جھگڑ بھی ہو۔“

”وہ تو میں نے ہی بتایا تھا۔“ قاسم نے شرم کر کہا۔

”اُرے آؤ بھینے....! یہ لوٹیوں کی طرح لچکتا کیوں ہے۔“

”حید بھائی! ایک گھونے میں برا بر کر دوں گا۔“ قاسم کو غصہ آگیا۔

”ہمیشہ جاہل رہو گے۔“ حمید پٹپٹا کر بولا۔ ”فردوسی کاشاہنامہ پڑھا ہے۔“

”نہیں پڑھا۔“ قاسم نے حصکلے دار آواز میں کہا۔

”تب ہی تمہیں تاؤ آگیا۔ اے شہ زور وقت! شہنشاہ کیا وس رستم کو پیدا سے بھینسا کہا کرتا تھا۔“

”محے بھینے پر اعتراض نہیں۔ لوٹیوں کی طرح کیوں کہا۔“

حید کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ فریدی آگیا۔ اُس نے تجیر آمیز نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا اور پھر ان دونوں کو گھورنے لگا۔

”یہ سب کیا ہے۔“

قاسم کو تو جیسے سانپ سو گھے گیا۔

حید سکرا کر بولا۔ ”ہم لوگ ایک نیا تجربہ کر رہے ہیں۔“

”میز کیسے ٹوٹی... اوہ... شاندیہ گلاس کے گلڑے میں... اُرے یہ رائفل کی نال کو کیا ہوا۔“

قاسم صاحب بڑے امن پسند ہیں۔ ”حید نے کہا۔“ انہوں نے تھیس کیا ہے کہ دنیا بھر کی

خوفناک وادی

رات اندر ہری نہیں تھی۔ ملکم گذھ کی پہاڑیاں برف کی کی سفید چار اوڑھے اونگھ رہی تھیں۔ آسمان سفید بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ چاند اگر ایک پل کے لئے بھی بادلوں کے کسی رخنے سے جھاتنے لگتا تو اونگھی ہوئی پہاڑیاں گویا چوک سی پڑتیں۔ لامتناہی ہی سنانا براہمہ اسرار معلوم ہو رہا تھا۔

فریدی حمید اور قاسم سیتل گھٹائی کی طرف جا رہے تھے۔ ان کی رائلیں ان کے شانوں سے لکھی ہوئی تھیں۔ قاسم نے اپنی پیٹھ پر کچھ سامان بھی لادر کھا تھا۔ اس میں ایک پوری چھوٹی چیزیں جنمیں بھی تھیں۔ کافی کا ایک بہت بڑا تھر موس تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی چھوٹی چھوٹی چیزیں جنمیں پیٹھ پر لاد کر قاسم نے رسی سے بندھواليا تھا اور وہ اب اتنی آسانی سے برف پر چل رہا تھا جیسے وہ سارا بوجھ اُسی کے جسم کا ایک حصہ رہا ہو۔

سیتل گھٹائی کے قریب پہنچ کر انہوں نے فائروں کی آوازیں سنیں۔ وہ چلتے چلتے رک گئے۔ قاسم نے اپنے کاندھ سے رائلی اٹاری۔

”ابھی نہیں۔“ فریدی اس کے کاندھ سے پڑنا تھر رکھ کر بولا۔ پھر وہ چنانوں کے ایک سلسلے کی اوث میں چلنے لگے۔ ان کے ہاتھوں میں لمبی لمبی چھڑیاں تھیں جن سے وہ زمین پر پڑی ہوئی برف میں سطح کا اندازہ لگاتے چل رہے تھے۔ فریدی کی نظری خاص طور سے قاسم پر تھیں اور وہ اسے بار بار ہدایات دے رہا تھا۔ اس کے باوجود بھی وہ کئی جگہ گرتے گرتے پہچا تھا۔

تھوڑی تھوڑی دیر بعد فائروں کی آوازیں اب بھی سنائی دیئے جاتی تھیں۔ وہ چلتے رہے کرداری کے مارے نہ احوال تھا۔ لیکن اس کے منہ سے شکایت کا ایک جملہ بھی نہیں نکلا تھا۔ کیونکہ شکار کی تجویز پر اس نے بڑے زور و شور سے فریدی کی تائید کی تھی۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کچھ لڑکیاں بھی ان کے ساتھ ہوں گی اُس کا جوش و خروش اور زیادہ بڑھ گیا تھا۔ لہذا اب اسے کرداری کی شکایت کرتے ہوئے شرم آری تھی۔

وہ پھر رک گیا۔ کیونکہ اس بار فائراؤں کے قریب ہی کہیں ہوا تھا۔ چنانوں کا سلسلہ عبور

را رائلیں توڑ دیں گے اور توپ کے گولے یہ اپنے منہ سے نکالتے ہیں۔ پچھلے سال اپنے یہاں کے عجائب خانے سے جو توپ غائب ہوئی تھی قاسم کے ہپ میں موجود ہے۔“

”مجھے نفویات پسند نہیں ہیں۔“ فریدی چھنجلا کر بولا اور قاسم چپکے سے گھسک گیا۔ ”میباہت تھی۔“ قاسم کے جاتے ہی فریدی نے پوچھا۔

”غزالہ وغیرہ پر اپنی طاقت کا رب ڈال رہا تھا۔ وہ مڑی ہوئی سلاخ دیکھتے ایک گھونسہ مار کر میز توڑ دی اور یہ را رائل۔... خراس میں تو اس نے فراڈ کیا تھا۔ تال دوسری فٹ کر دی تھی، جو کچے لوہے کی تھی اور یہ گولے... اول درجہ کا شعبدہ باز ہے۔ اس کی یہ خصوصیت آج ہی معلوم ہوئی۔“

”ہوں.... تم نے مجھے اس سے پہلے کبھی کیوں نہیں ملایا۔“

”کیوں؟“

”کام کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔“

”فی الحال میں اس سے ایک بہت بڑا کام لینے والا ہوں۔“ حمید نے کہا۔

فریدی کسی سوچ میں تھا۔ پتہ نہیں اس نے حمید کی بات پر دھیان دیا تھا یا نہیں، بہر حال اس نے حمید کے اس جملے پر کچھ نہیں پوچھا۔

”سیتل گھٹائی تمہاری دیکھی ہوئی ہے۔“ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”مجھے کچھ یاد نہیں.... بہت عرصے کی بات ہے۔“ حمید نے کہا۔

”خیر.... آج رات کو ہمیں سیتل گھٹائی چلانے ہے۔“

”کیوں....!“

”مجھے گردی اور اس کے ساتھیوں سے ملتا ہے اور پھر لوڑیوں کا شکار تو عموماً رات ہی کو ہوتا ہے۔ قاسم سے کہو کہ وہ بھی تیار رہے۔“

”اوہ لوگ بھی جائیں گے۔“

”نہیں.... صرف ہم تیتوں۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اگر میری ٹوپی میں آج سورانہ ہوتا تو میں سیتل گھٹائی کا رخ نہ کرتا۔ ضرورت ہی کیا تھی۔ جمارا مقصود تو محض تفریق تھا۔“ جب سوچ میں پڑ گیا۔

خ۔ آگے دوسری طرف جانے کا راستہ تھا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اپنی چھٹی برف میں گاؤ

دی، جو ہنسنی ہی چلی گئی۔ آخر کار وہ چھٹی نکال کر پیچھے ہٹ آیا۔

”شاید گز حازیاہ گرا ہے۔“ اُس نے آہستہ سے کہا۔ پھر اس کی مارچ کی روشنی دور تک

چھل گئی۔ سامنے برف کی سطح بے داغ نظر آری تھی۔

”آخزو گیا کدھر۔“ فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”بڑی سردی ہے۔“ قاسم بڑھ لیا۔

”چل باہر نہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”صح و یکیس گے۔“

وہ دراز سے نکل آئے۔ پہلے ہی جیسا پر اسرار سنانا فضا پر مسلط تھا۔

”نکار کہاں ہے۔“ حمید بڑھ لیا۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی نے کہا۔

”اتفاق یہ بات جرت انگلیز ہے۔ پھر یہ گولیاں کیسی چل رہی تھیں۔ آوازیں اور ہر سے آئی

تھیں۔“ فریدی نے دور تک پھیلے ہوئے چنانوں کے سلسلے کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”پھر وہی....!“ حمید اچھل پڑا۔ جدھر فریدی نے اشارہ کیا تھا۔ اور ہر ہی پھر اسے برف کا

ایک متحرک توہہ دکھائی دے رہا تھا۔

”ہے تو۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔

قاسم ان کے پیچھے تھا۔ وہ دونوں یہ نہ دیکھ سکے کہ قاسم اپنی رانفل سیدھی کر رہا ہے وہ اس۔

وقت چونکے جب انہوں نے فائز کی آواز سنی۔

قاسم شاید اب دوسرے فائز کے لئے بھی تیار تھا۔ یہ بات انہوں نے محسوس کی تھی کہ وہ تو

گولی لئنے کے باوجود بھی ریگ کر رہا تھا۔ فریدی قاسم کو روک بھی نہ پایا تھا کہ اس نے دوسرے فائز

کر دیا۔ گولی لگی لیکن وہ شے برابر یقینی رہی۔

”میا کر رہے ہو؟“ فریدی نے اُسے ڈالنا۔

”میا زندہ پکڑیے گا۔“ قاسم نے بڑے بھولے پن سے پوچھا۔

”ہاں.... آگے بڑھو۔ اُسے تم ہی پکڑ سکو گے۔“ فریدی بولا۔

قاسم نے بڑے طمیمان سے رانفل کا نہ ہے پر لکائی اور پھر شاید دوڑا گئے کا رادہ کر رہا تھا

کر کے وہ گھٹائی میں اتر گئے۔

”بُوی ہیرت کی بات ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”شکار کہیں نظر نہیں آتا لیکن فائز برابر ہو رہے ہیں۔“

”شکار کو بلار ہے ہیں۔“ قاسم بڑھ لیا۔

”کیا... کیا بک رہے ہو۔“ حمید نے کہا۔

”اوہ کیا۔“ وقتاً فریدی چوک کر بولا۔

ان دونوں کی نظریں بھی اور ہر ہی اٹھ گئیں جدھر فریدی دیکھ رہا تھا۔ قریباً ایک فرلانگ کے

فائلے پر برف کا ایک نھایلا متحرک نظر آرہا تھا۔

”یہ کیا ہے؟“ حمید خوفزدہ آواز میں بولا۔

”پتہ نہیں۔“

برف کا توہہ رینگتا ہوا ایک چنان پر چڑھ رہا تھا۔

”مھھ... بھوت...!“ قاسم کا پیٹے لگا۔

”چپ...!“ فریدی نے قاسم کا شانہ دبادیا۔

چنان پر چڑھ کر وہ توہہ دو چنانوں کی درمیانی دراز میں اتر گیا۔ پھر انہیں ایسا معلوم ہوا کہ

جیسے توہہ یک بیک سٹ کا اوچا ہو گیا ہو۔ ایک پل کے لئے چاندنے بادلوں سے جھانکا اور پوری

وادی چک اٹھی۔ چنانوں کی دراز میں کوئی نہیں تھا۔

”ہائیں! غائب۔“ قاسم بڑھ لیا۔

”آؤ۔“ فریدی نے کہا اور وہ اسی دراز کی طرف بڑھنے لگے۔

”میرے خیال سے وہ کوئی سفید ریچھ تھا۔“ حمید نے کہا۔

”ہشت...!“ فریدی بولا۔ ”سفید ریچھ صرف شذر امیں پائے جاتے ہیں۔“

وہ پھر خاموشی سے چلتے رہے۔ فائزوں کی آوازیں بند ہو گئی تھیں۔

وہ اسی دراز کے قریب پہنچے۔ جہاں وہ سفید متحرک شے غائب ہو گئی تھی۔

”اُرے....!“ حمید یک لخت اچھل پڑا۔

برف پر ڈیڑھ فٹ لمبے بیروں کے نشانات نظر آرہے تھے۔

فریدی نے جیپ سے نارچ نکالی اور دراز میں گھستا چلا گیا۔ نشانات کچھ ہی دور بعد ختم ہو گئے۔

کہ فریدی نے اُسے پکڑ لیا۔

”برف میں وفن ہو جاؤ گے۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”اوہر سے آؤ۔“

فریدی آگے چھا تا قاسم اور حمید اسکے پیچھے چل رہے تھے اس سفیدی شے کے رینگنے میں تیز رفتار ”ارے... بھھھ... بھاگنے۔“ حمید بکلایا۔

نہیں تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے چند لمحے پیشتر لگی ہوئی گولیوں کا احساس تک نہ ہو۔ اب تو فریدی بھی کچھ چکرا سا گیا تھا۔ لیکن اس حد تک بھی نہیں کہ حمید کے مشورے پر فریدی نے اس پر نارجی کی روشنی ڈالی۔ اس کے باوجود بھی اس کی رفتار میں کوئی فرق نہ آیا عمل کر بیٹھتا۔ وہ حرثت سے آنکھیں چھڑائے اُسے بلندی سے اترتے دیکھا رہا۔

فریدی نے اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی اندر ھی اور بہری شے ہو۔

”قاسم! فائز کرو۔“ فریدی نے پلٹ کر کہلہ مگر اب نہ جانے کیوں قاسم کی گھنکھی بندھ گئی تھی۔ کانہوں پر سوار ہو جائے گا۔

”نف... فر... فردی لگ رائی اے۔“ قاسم کے منہ شے عجیب طرح کی آوازیں نکلنے لگیں۔ فریدی نے اب فائز کرتا بے کار سمجھا۔ ویسے اس کی رائفل کی میگزین میں ابھی سات ”کیا ہوا؟“ فریدی نے تحریر آمیز لمحے میں کہا۔ حرثت کی بات بھی تھی۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے کار توں باقی تھے۔

قاسم نے اُس پر نہ صرف فائز کے تھے بلکہ دوڑ کر اُسے پکڑ لینے کا بھی ارادہ رکھتا تھا۔ ”اگر بھاگے تو موت کو دعوت دو گے۔“ فریدی نے پلٹ کر حمید اور قاسم سے کہا۔

”سردی ہے.... جخ... جناب۔“ قاسم نے کانپتے ہوئے کاندھے سے رائفل اٹار دی۔ ”مم.... موت.....!“ قاسم روہانی آواز میں بولا۔

لیکن وہ اس کے ہاتھ ہی میں جھوٹی رہ گئی۔ ”ہاں! ہم نہیں جانتے کہ برف کے نیچے کہاں کیا ہے؟“

”قاسم....!“ حمید نے اُسے جھنموزا۔

فریدی نے اپنی رائفل اٹار دی اور فائز کر دیا۔۔۔ لیکن لا حاصل۔ اس کا نشانہ ٹھیک تھا لیکن فریدی نے قہقهہ لگایا۔ پتہ نہیں وہ اپنی خود اعتمادی کو تقویت دے رہا تھا ایسا نے ان دونوں اس شے میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ پھر فریدی دوسرا فائز کرنے جا رہا تھا کہ اچانک اُس سفیدی شے کا دل بڑھانے کے لئے قہقهہ لگایا تھا۔

رفخ ان کی طرف پھر گیا اور وہ اوپر جانے کی بجائے نیچے اترنے لگی۔ فریدی نے پھر نارجی روشن کی اور اس بار انہوں نے اُسے بالکل صاف دیکھ لیا۔ برف کا ایک ڈیپر تھا جس نے آدمی کے جسم کی فریدی نے بھر رائفل سیدھی کی کی... فائز ہوا۔۔۔ لیکن وہ بدستور کھڑا رہا۔ یہ بات سوچی شکل اختیار کر لی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی آدمی گھنٹوں اور ہتھیلوں کے بل ریگ رہا ہو۔ بھی نہیں جاسکتی تھی کہ فریدی کا نشانہ خطا کر رہا ہو گا۔

قاسم کے منہ سے نکلتے والی آوازیں تیز ہو گئیں اور اب تو حمید بھی اس کا ساتھ دے رہا تھا۔

”شٹ اپ۔“ فریدی نے جیخ کر کہا لیکن اُن پر کوئی اثر نہ ہوا۔

اچانک کسی عورت کی جنگنٹائے میں دوڑ تک لہراتی چلی گئی۔ آواز عقب سے آئی تھی۔ فریدی بے ساختہ پٹا۔ حمید اور قاسم بھی اُدھر ہی دیکھنے لگے۔ لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ فریدی پھر اس دونوں پیروں پر کھڑی ہو گئی۔ یہ ایک قد آور برف کا آدمی تھا۔ اس کے علاوہ اور کہا بھی کیا جائے گا۔ غائب ہو چکا تھا۔

”کیا تماشہ ہے۔“ وہ آہستہ سے بڑا بڑا۔ پھر ان دونوں کی طرف مزکر بولا۔ ”قاسم تم بڑے بھی خیال فضول تھا کیونکہ بن مانس بھی آدمیوں کی طرح سیدھا نہیں کھڑا ہو سکتا۔

ہر دل نکل۔ مجھے تم سے الی امید نہیں تھی۔“

”مگر... وہ... تو...!“ قاسم ہٹکا کر رہا گیا۔

”چلو آگے بڑھو۔“

وہ تینوں اوتھر ہے تھے۔

”مگر وہ آواز کیسی تھی۔ کسی عورت کی جنگ۔“ حمید نے کہا۔

”رہی ہوگی۔“ فریدی نے چھجنگلا کر کہا۔ ”تم تو اس قابل ہو کہ تمہیں گولی مار دی جائے۔

”جی ہاں! اور اگر میں بھوتوں سے کشٹ لانے لگوں تو زندہ رہنے دیا جاؤں گا۔“

”پھر تم نے بھوت کا نام لی۔“ فریدی بھنا کر بولا۔

”تو بہ تو بہ۔“ حمید اپنا منہ پینے لگا۔ ”لاحوال دل اوقاتا وہ تو میرے دادا جان تھے۔“

”اچھا کوئی نہیں۔“

”ارے تو آپ ہی نے کیوں نہیں لپک کر اس سے مصافح کیا۔ میں تو پیدائشی ڈرپا بزدل ہوں۔“

”اگر وہ بھوت تھا تو قریب کیوں نہیں آیا۔“ فریدی بولا۔

”فریدی صاحب اخدا کے لئے چپ رہئے۔“ قاسم گھکھایا کر بولا۔

”ورنة تم دونوں بیوہ ہو جاؤ گے۔ ارے تم نے پہلے کیا کسھ کر فائز کیا تھا۔“

”پتہ نہیں! مجھے کچھ یاد نہیں۔ میں شاندار اس وقت اوٹگھ رہا تھا۔“ فریدی ہنس پڑا۔

اس نے ایک چیان پر سے تھوڑی سی جگہ کی برف ہٹائی اور پیٹھے گیا۔

”کیارات میں گذرے گی۔“ حمید نے پوچھا۔

”خیال تو یہی ہے۔“ فریدی نے جواب دیا۔

”یہ تو ٹھیک نہیں!“ قاسم بڑدالا۔

”چلو تھر موس مجھے دو۔“ فریدی نے کہا۔

قاسم نے کافی کا تھر موس کا ندھر سے اٹا دکر فریدی کو دے دیا۔

”برف ہٹا کر بیٹھ جاؤ۔ یہ بڑی اچھی بات ہے کہ ہوا ساکن ہے ورنہ ٹھہرنا محال ہو جاتا۔“

”یہاں بیٹھنے سے کیا فائدہ۔“ قاسم نے کہا۔

”یہ نہ بھولو کہ ہم یہاں شکار کھیلنے آئے ہیں۔“ فریدی بولا۔

”چکرنے تو آئے نہیں۔“ حمید چھجنگا گیا۔ ”اگر ہم شکار نہ کھلیں...!“

”بکومت۔“ فریدی نے اسے جملہ نہ پورا کرنے دیا۔ ”میں تمہیں زبردستی نہیں لایا ہوں۔“

”لیکن میں آپ کو زبردستی لے جاؤں گا۔“ حمید نے کہا۔

”فضول باتوں سے پر ہیز کرو۔“

”مجھے ذاکر نے برف سے پر ہیز تیلایا تھا۔“ قاسم بولا۔ ”میں گرمیوں میں بھی برف سے پر ہیز تاہوں۔“

”تو پھر چلے کیوں آئے۔“

”مجھے نہیں معلوم تھا کہ برف اس طرح گرتی ہے۔“ قاسم گزر گذا کر بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ نہ یعنے میں برف کے ذرات پھیپھڑوں میں بھی داخل ہو جاتے ہوں گے۔“

”کھوپڑی میں بھی جاتے ہیں۔“ فریدی نے تھر موس سے کافی اندھیتے ہوئے کہا۔

”اوز عقل مجھد ہو جاتی ہے۔ ناہے تم فرزانہ سے عشق کر رہے ہو۔“

”حمدید ہاں! اللہ قسم تم بہت بُرے آدمی ہو۔“ قاسم نے شرما کر کہا۔

”مگر وہ بہت دلیر لڑکی معلوم ہوتی ہے۔“ فریدی بولا۔

”تو میں کب بزدل ہوں۔“ قاسم نے کہا اور پھر سنبھل کر بولا۔ ”ارے ہش! لا حول.... سے کیا مطلب۔“

حمدید کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کے دماغ نے قلابازیاں کھانی شروع کر دی تھیں۔ اس کی سمجھ میں میں آرہا تھا کہ فریدی کو کس طرح یہاں سے لے جائے۔ دفتراً ایک بات اسے سوچ گئی اور وہ فردہ آواز میں بولتا۔

”لڑکیوں نے بہت بُرَا کیا۔ نہیں وہاں سے بہت جانے والی تجویز منظور کر لینی چاہئے تھی یہ اہم ابھی دیکھی ہی چکے میں کہ اس بھوت پر گولیاں بھی نہیں اڑ کر تیں۔“

”میرا کیا بگوٹا ہے۔ آپ بھکتیں گی۔“ فریدی نے کہا۔

”نہیں.... نہیں.... یہ نہیں ہو سکتا۔“ قاسم مضطربانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔

فریدی کی کچھ نہ بولتا۔ وہ بھی کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ حمید کی تدبیر کا میاب رہی۔ فریدی کو اٹھنا

نیجر نے ان لوگوں کو دیکھ کر وہاں سے ٹھنڈا چاہا لیکن فرزانہ نے ڈاٹ کر کہا۔

”بادوب.... سر قلم کر دیا جائے گا۔“

دوسری صبح وہ دن چڑھے تک سوتے رہے لیکن سب سے پہلے فریدی ہی کی آنکھ کھلی۔

بری طرح دروازہ پیٹ رہا تھا۔ فریدی نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ یہ نواب رشید الزماں تھے۔

نیجر ان کی طرف دیکھ کر بڑی بے بسی سے مکرنا یا۔ نواب رشید الزماں کو شاکد غصہ آگیا تھا۔

وہ آگے بڑھ کر بولے۔

”میری طرح گھر ائے ہوئے نظر آ رہے تھے۔“

”فرزانہ یہ کیا ہو رہا ہے۔“

”تم نے فرزانہ کو تو نہیں دیکھا۔“ انہوں نے پوچھا۔

”کیوں، کیا بات ہے۔ ہم تو سورہ ہے تھے۔“

”پتہ نہیں وہ کہاں ہے۔ صبح پانچ بجے اٹھ کر باہر نکلی تھی۔ ہم سمجھے شائد صوفیہ کے کام میں گئی ہو گی۔ لیکن وہ وہاں بھی نہیں ہے۔“

”کیا بک رہی ہو لڑکی۔“ نواب صاحب غصے سے کاپنے لگے۔

”پانچ بجے کے بعد سے اب خبری ہے آپ نے۔“

”زارہ بھی ابھی ہی بیدار ہوا ہے۔ اس کا کرہ کھلنے پر معلوم ہوا کہ فرزانہ وہاں نہیں ہے۔“

”مجھ رہا تھا کہ وہ صوفیہ کے ساتھ سورہ ہو گی۔“

”نیچے دیکھا آپ نے۔“

”نہیں.... ابھی نہیں۔“

”ہو سکتا ہے کہ وہ ڈائینگ ہال میں ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”کرنل صاحب کہاں ہیں۔“

”سورہ ہے ہیں۔ میں نے انہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا۔“

”قسم اور حمید بھی بیدار ہو چکے تھے۔ قسم آنکھیں چڑھا کر نواب رشید الزماں کو گھور رہا۔“

”چلنے نیچے دیکھیں۔“ فریدی نے اور کوٹ پہنچتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں بھنی تیار ہو گئے۔

”وہ چاروں زینے طے کرتے ہوئے ڈائینگ ہال میں آئے۔“

ڈائینگ ہال میں فرزانہ اور نیجر کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ فرزانہ ایک کرسی پر اکڑی بیٹھی۔

اور نیجر اس کے سامنے بڑے مودبانت انداز میں کھڑا ہوا تھا۔

”میرا نام چنگیز خاں ہے۔“ فرزانہ گرج کر ہوئی۔

”جی ہاں۔“ نیجر نے جھک کر کہا۔

”ارے....!“ نواب رشید الزماں حیرت سے منہ چھاڑے ہوئے فریدی کی طرف مڑا۔

فریدی مسکرا رہا تھا۔

وہ کیا تھا

کرن شمشاد کو جگایا گیا اور وہ کسی نہ کسی طرح سے فرزانہ کو اوپر لے گیا۔ ان کے ساتھ

نواب صاحب، حمید اور قاسم بھی چلے گئے لیکن فریدی نیچے رہا۔

”کیا بات تھی۔“ اس نے نیجر کو مخاطب کیا۔

”جناب والا میں خود بھی نہ سمجھ سکا۔ آپ لوگوں کے آنے سے قبل میں یہی سمجھ رہا تھا کہ

صابر ادی شاکد مذاق فرار ہی ہیں۔“

”یہاں کتنی دیر سے تھی۔“

”آپ کے آنے سے شائد منٹ قل تشریف لائی تھیں۔“

”اوپر ہی سے آئی تھی۔“

"اس پر میں نے غور نہیں کیا۔" مخبر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "میاں پر کسی قسم دورے پڑتے ہیں۔"

"شائد۔" فریدی آہستہ سے بولا اور کچھ سوچنے لگا۔

"ڈاکٹر کو بلاوں۔" مخبر نے کہا۔

"ڈرانٹھر ہیے۔" فریدی نے کہا اور اوپری منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

سب لوگ کرٹل شمشاد کے کمرے میں اکٹھا تھا۔ فرزانہ اب بھی ایک کرسی پر اکٹھی ہی ٹھیک اپنے گرد کھڑے ہوئے لوگوں کو گھور رہی تھی۔

"تم کون ہو۔" اس نے قاسم سے گرج کر پوچھا۔

"مم... میں.... قاسم ہوں.... جی ہاں۔"

"ہم تمہیں اپنا میر لٹکر بنا میں گے۔" فرزانہ بولی۔ "ان سب کو دھکے دے کر یہاں سے نکال دو۔" فرزانہ کیا بک رہی ہو۔ "کرٹل شمشاد چینا۔"

"اس بوڑھے کی گردن تو زدی جائے۔" فرزانہ دانت پیس کر بولی۔ "تعیل ہو۔"

اس نے یہ بات قاسم کو مخاطب کر کے کہی تھی۔ قاسم بوكھلائے ہوئے انداز میں کرٹل شمشاد کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ لوگ باہر چلنے۔" حمید نے غزالہ، شہناز اور صوفیہ کو مخاطب کر کے کہا۔

وہ تینوں باہر نکل آئیں، حمید بھی ان کے پیچے تھا۔

"آخر یہ اسے ہوا کیا۔" غزالہ خوفزدہ لمحے میں بولی۔

"میرا خیال ہے کہ وہ کسی قسم کا درد ہے۔" حمید نے کہا۔

"دورہ! مگر میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں پڑا۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتی ہیں۔"

"ہم دونوں بہت عرصے سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔" غزالہ نے کہا۔

"اچھا آپ لوگ اپنے کروں میں جائیے! حمید نے کہا اور انہیں دین کھڑا چھوڑ کر پھر کرٹل کے کمرے میں چلا گیا۔"

کرٹل فرزانہ کے ہاتھ اور پیر باندھ رہا تھا اور وہ نبڑی طرح چیخ رہی تھی۔

فریدی نے مخبر کو ڈاکٹر کے لئے فون کیا۔

"مجھے چھوڑ دو۔" فرزانہ چیخ رہی تھی۔ "سالار اعظم کیا دیکھتے ہو۔ تمہارے سامنے مادولت کی توہین ہو رہی ہے۔"

سالار اعظم بے چارہ دم بخود کھڑا طرح طرح کے منہ بنا رہا تھا۔

"میرے خیال سے انہیں یہاں تمہارے دیا جائے۔" فریدی نے کرٹل شمشاد سے کہا۔

"جیسا بہتر سمجھتے! کرٹل شمشاد بولا۔" میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہو گیا۔" وہ سب کمرے سے نکل آئے اور اسے باہر سے متعلق کر دیا گیا۔

"کیا اس قسم کے دورے بہت دنوں سے پڑتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں! کبھی نہیں۔ میں کیا کروں۔" کرٹل شمشاد مضطربانہ انداز میں بولا۔

"تجب ہے۔" فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔

فرزانہ اندر چیخ رہی تھی۔

قاسم حمید کو اپنے کمرے کی طرف کھینچ رہا تھا۔ حمید سمجھا شائد وہ اس سلسلے میں اسے کوئی بہت ہی اہم بات بتانا چاہتا تھا۔ کمرے میں پہنچ کر حمید اسے سوالیہ نظر دوں سے دیکھنے لگا۔

"حیدھائی بہت نہ ہوا۔" قاسم نے اپنے نٹک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔"

"مجھے اس پر گولی نہ چلانی چاہئے تھی۔"

"کیوں؟"

"اوہ..... اب کیا بتاؤں.... بس نہ چلانی چاہئے تھی۔"

"آخر کیوں.... کوئی وجہ۔"

"اُس بھوت نے اب فرزانہ کو جکڑ لیا ہے۔"

"فرزانہ ہی کو کیوں جکڑا ہے۔"

"کاب کیا بتاؤں۔" قاسم فکر مند لمحے میں بولا۔ "ایک واقعہ یاد آ رہا ہے۔ ایک بار ایک صاحب نے ایک بھوت کو چھیڑ دیا تھا۔ متوجہ یہ ہوا کہ وہ اُن کی بیوی پر آ گیا۔"

"ہوش میں ہوا نہیں۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

”اوہ....! شکریہ۔“ حمید بڑے بے تکفی سے کری گھیٹ کر بیٹھتا ہوا۔ ”بعض اوقات
اپنی غیر دانس مندانہ حرکتیں دبالت جان ہو جاتی ہیں۔“
”کیوں! خیریت۔“ بھاری چہرے والے نے پوچھا۔
”ہمارے ساتھ کی ایک خاتون پر کسی قسم کا درودہ بڑگیا ہے۔“
”اب کیا حال ہے۔ ابھی مجھے نیجر سے معلوم ہوا تھا۔“
”کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔“
شکاری چند لمحے کچھ سوچتا ہا پھر بولا۔
”میرے خیال سے سروی.... آپ لوگوں نے واقعی غلطی کی خواتین کو ہرگز نہ لانا چاہئے تھا۔“
”کہنے کل رات کاشکاری کیا رہا۔“ حمید نے پوچھا۔
”کچھ نہیں ملا۔ کل ہم نے دوسری طرف قسمت آزمائی تھی۔ اگر میرے ساتھ چار آدمی
بھی اور ہوتے تو میں سیتل گھائی کو کبھی نہ چھوڑتا۔“
”اگر ہم اور آپ تعاون کر لیں تو....!“ حمید نے کہا۔
”اوہ.... تب تو.... تب تو گروی کو اپنی ولادت کا صحیح وقت بھی یاد آسکتا ہے، مگر اس میں
ایک دشواری ہے۔“
”وہ کیا؟“
”آپ لوگ یہاں اجنبی ہیں۔ پتہ نہیں وہ کب اور کہاں آپ کو گھیر لیں۔“
دفعتاً حمید کو محسوس ہوا کہ اس نے ایک بہت ہی لایعنی سی بات چھیڑ دی ہے۔ ظاہر ہے کہ
فریدی نے ایسے موقع پر انہیں چیک کرنے کے لئے کہا تھا جس کا تعلق شکاری سے قطعی نہیں تھا
لیکن اب اسے الجھن ہونے لگی تھی کہ آخر وہ انہیں کس طرح چیک کر لے۔ پتہ نہیں فریدی کے
ذہن میں کیا تھا۔
حمید نے ایک آدمی کو ڈائینگ ہال میں داخل ہوتے دیکھا، جو وضع قطع سے ڈاکٹر معلوم ہوتا
تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں ایک پینڈیگ لٹکر کھاتھا۔
”ڈاکٹر صاحب آگئے۔“ نیجر نے کاؤنٹر سے حمید کو مخاطب کیا۔
”اچھا تو اجازت دیجئے۔“ حمید احتتا ہوا بولا۔

”کیوں خفاکیوں ہوتے ہو حمید بھائی۔“
”کیا فرزانہ تمہاری بیوی ہے۔“
”نن.... نہیں.... مگر.... وہ عشق۔“
”آخاہ! تو یہ کہنے چونکہ آپ اس سے عشق کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس لئے وہ اس پر آگیا۔“
”یہی.... یہی بات ہے حمید بھائی۔“ قاسم خوش ہو کر بولا۔
”اچھی بات ہے.... میں ذرا کرتل صاحب کو مطلع کر دوں۔“
”ارے.... ارے.... یعنی کہ....!“
”میں اُن سے صرف یہ کہوں گا کہ فرزانہ کی موجودہ حالت کا ذمہ دار قاسم ہے۔“ حمید نے
جنیدگی سے کہا۔ ”لیکن تم خود کہہ سن لینا۔“
حمدودا وزے کی طرف بڑھا لیکن قاسم نے لپک کر اس کی کمر پکڑ لی۔
”یہ کیا؟“
”ارے تو کیا کچھ۔“ قاسم جھنجھلا گیا۔
قاسم نے حمید کو چھوڑ دیا کیونکہ فریدی اُسے آواز دے رہا تھا۔ لیکن حمید کے ساتھ وہ بھی
باہر نکل آیا۔
”شکاریوں کو چیک کرو۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔
”کیوں؟“
”پھر پوچھنا۔“ فریدی نے کہا اور کرتل شمشاد کے کمرے کی طرف چلا گیا۔
”کیا معاملہ ہے۔“ قاسم نے حمید سے پوچھا۔
”کچھ نہیں! جاؤ اندر نیٹھو۔“ حمید نے کہا اور ڈائینگ ہال میں جانے کے لئے میر ہیاں لے
کرنے لگا۔
تینوں شکاری ڈائینگ ہال میں ناشستہ کر رہے تھے۔ رائفیں اس وقت بھی اُن کے کاندھوں
سے لٹک رہی تھیں۔ بھاری چہرے والے نے حمید کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے اپنے سر کو خفیہ کا
جنہش دی۔
”آئیے! اُن میں سے ایک نے حمید کو دعوت دی۔“

”میں یہ کہ نصرت کو فون کرنے جا رہا ہوں۔ عورتوں کا بیان ٹھہرنا نہیں ہے۔“

”کیوں.... کیا بات ہے۔“ نواب رشید الزماں گھبرا کر بولے۔

”کوئی بات نہیں۔ دیے ہی کہہ رہا ہوں ان سے کہنے کے خدا چھی نہیں ہوتی۔“

غزالہ قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔

”آپ خود نہیں کہہ سکتے۔“ اُس نے کہا۔

”نہیں! اگر میرا کہنا نہ مانا گیا تو مجھے غصہ آجائے گا۔“

غزالہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑی بڑا کر رہ گئی۔ نواب رشید الزماں کمرے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے کیونکہ ڈاکٹر باہر آ رہا تھا۔

ڈاکٹری پرورت تو درود کے لئے بڑی بھہم تھی۔ لیکن فریدی اس پر اس طرح چونکا تھا جیسے وہ نہیں امکانات پر غور کرتا رہا ہو۔ ڈاکٹر نے دروے کی وجہ اعصابی نظام میں خلل بتائی تھی۔ لیکن خلل کی وجہ خود اس کی سمجھ میں بھی نہیں آسکی تھی۔ اُس نے بیہو شی کے تدارک کے لئے انجکشن دیا تھا لیکن اس کی ذمہ داری نہیں لی تھی کہ ہوش میں آنے کے بعد اُس کی ذہنی حالت اعتدال پر آجائے گی۔

فریدی ایک نئی الجھن میں بٹلا ہو گیا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ہوٹل ہی میں ٹھہرے یا سیل گھانی کی طرف جائے۔ اُس نے پچھلی رات ہی کو تہبیہ کر لیا تھا کہ دن کو وہاں کے ان مقابلات کا جائزہ ضرور لے گا جہاں وہ پر اسرار شے نظر آئی تھی۔

اُس نے مجرم نصرت کو فون کیا لیکن اُس وقت وہ نہ تو آفس میں موجود تھا اور نہ گھر پر۔ ہر حال وہ شدت سے اس بات کی ضرورت محسوس کر رہا تھا کہ عورتوں کو شہر پہنچادیا جائے۔

کرمل شمشاد کی گھبراہٹ لحظہ بہ لحظہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ ابھی تک فرزانہ کو ہوش نہیں آیا تھا۔ ڈاکٹر جا پکھا تھا۔ لیکن اُس نے تاکید کر دی تھی کہ ہوش آنے پر اسے فوراً مطلع کیا جائے۔ قاسم کی پارٹی کے سارے افراد کرمل کے کمرے میں موجود تھے۔ دفعتاً حمید کو قاسم کا خیال آیا اور اُس کی عدم موجودگی اُسے بڑی عجیب گئی۔ اُس نے فریدی سے اُس کے متعلق پوچھا بھی لیکن اُس نے لا علمنی ظاہر کی۔

حید اپنے کمرے کی طرف آیا۔ قاسم وہاں بھی نہیں تھا۔ البتہ حمید نے یہ بات ضرور محسوس

ڈاکٹر کرمل شمشاد کے کمرے کی طرف چلا گیا اور حمید فریدی کو تلاش کرنے لگا جو ان چاروں کردوں میں سے کسی میں بھی نہیں تھا۔ اُس نے اس کے متعلق سب پوچھا لیکن کسی کو اس کا علم نہیں تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اگر وہ باہر جاتا تو اُسے ڈائینگ ہال سے ضرور گزرنی پڑتا۔ پھر آخر وہ کہاں گیا۔ کیا فرزانہ کے سلسلے میں اُس نے کوئی اہم بات دریافت کی ہے۔

آخر کار تھوڑی سی تلاش کے بعد وہ اُسے ایک غسل خانے میں مل گیا۔ ”ڈاکٹر آگیا ہے۔“ حمید نے اطلاع دی۔

”ہوں...!“ فریدی مژا کر بولا۔ ”تم نے شکاریوں کو چیک کیا۔“

”وہ تینوں ڈائینگ ہال میں موجود ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”رات کہاں تھے؟“

”بامہر... لیکن سیل گھانی کے علاوہ کہیں اور تھے۔“

”بیہاں کس وقت آئے۔“

”پتہ نہیں۔“ حمید نے کہا۔

”یہ آپ نے کیا چک کیا ہے۔“ فریدی بُر اسامنہ بنایا کر بولا۔ ”تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر فریدی نے کہا۔“ فرزانہ بیہاں اسی غسل خانے میں آئی تھی۔

”ضرور آئی ہو گی۔“ حمید بے دلی سے بولا۔

”اور اُسے جو کچھ بھی ہوا سیل ہو۔“

”حمدید کچھ نہ بولا اُس کی طبیعت اکتا گئی تھی۔ یہاں آیا تھا تفریق کی غرض سے مگر ایک کیس سر پر سوار ہو گیا۔“

وہ غسل خانے سے نکل آئے۔ کرمل شمشاد کے کمرے کے سامنے نواب رشید الزماں وغیرہ کھڑے سر گو شیاں کر رہے تھے۔ شاند ڈاکٹر اور کرمل شمشاد اندر تھے۔ فرزانہ کی چیزیں بھی اب نہیں سنائی دیتی تھیں۔

”بیہاں ہو گئی ہے۔“ نواب صاحب فریدی کو دیکھ کر بڑا ہے۔

”ڈاکٹر کیا کہتا ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”اُبھی تو کچھ نہیں معلوم ہوا.... دیکھ رہا ہے۔“

”تو پھر آپ نے عورتوں کے متعلق کیا سوچا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔
”یہ مر نظرت کو فون تو کیا تھا۔ لیکن وہ تھا ہی نہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔“
کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید بولا۔
”یہ بھوتوں والا معاملہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر ان شکاریوں کے بیان کے مطابق وہ ان کی
خلاف پارٹی ہی کا کوئی شعبدہ ہے تو پھر وہ اسی سیزن میں کیوں نظر آیا۔“

”ہو سکتا ہے کہ پچھلے سیزن میں انہوں نے کوئی اور حرکت کی ہو۔“ فریدی نے کہا۔
”لیکن ہوشی کی لڑکی کے اغوا کو کس خانے میں فٹ کیا جائے۔“
”بھی دیکھنا ہے۔“

”دوسرا بات یہ کہ آپ فرزانہ والے معاملے میں مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں۔“ حمید نے کہا۔
”تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ میں اس دورے کو مرض نہیں سمجھتا۔“
”آخر یکوں؟“

”اس کی بھی وجہ ہے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اس قسم کے دورے فی نفہہ مرض
نہیں ہوتے بلکہ کوئی مرض رفتہ رفتہ کر دو رے کی وجہ بتتا ہے۔ لیکن یہاں معاملہ قطعی مختلف
ہے۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ اعصابی نظام میں اچانک کوئی خلل واقع ہوا ہے اور پھر وہ ہوش آنے پر
قطعی تینی الدال ماغ ثابت ہوئی ہے۔ اب سنوایہ اچانک تم کے خلل و طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو
وہ جو خود اعصابی نظام ہی کے کسی رو عمل کی بناء پر واقع ہوتا ہے مثلاً کسی صدے کی وجہ سے
اعصابی نظام میں اچانک کوئی تبدلی پیدا ہو کر خلل بن جائے دوسرا صورت یہ ہے کہ کوئی دو یا
زہر اس کا باعث ہو۔ پہلی صورت عموماً مستقل ہوتی ہے یعنی وہ خلل مستقل طور پر قائم رہ سکتا
ہے۔ لیکن دوسرا صورت میں خلل دیر پا نہیں ہوتا مثال کے طور پر شراب کے استعمال کو لے
لو۔ جب تک شراب کا اثر اعصاب پر رہتا ہے آدمی حواس میں نہیں رہتا لیکن اثر زائل ہوتے ہی
اس کی ذہنی حالت اعتدال پر آ جاتی ہے۔ فرزانہ کا دبارہ ہوش میں آ جانا ثابت کرتا ہے کہ اس
نے کوئی ایسی چیز استعمال کی تھی جس نے تھوڑی دیر کے لئے اس کا دماغ الٹ دیا۔“

”استعمال کی تھی۔“ حمید چونک کر بولا۔ ”یعنی.... آپ کا مطلب ہے....“
”میرا مطلب صرف اتنا ہے کہ وہ کوئی دماغ الٹ دینے والی چیز تھی۔“ ہو سکتا ہے کہ اس نے

کی کہ قاسم کی پوتین اور رائفل بھی موجود نہیں ہے۔
وہاں سے وہ سیدھا اسٹینگ ہاں میں آیا اور پھر نجی سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ قاسم کچھ دری
قبل اذھر سے گذر کر باہر گیا تھا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ اس کے پاس رائفل بھی تھی۔ حمید نے
آن تینوں شکاریوں کے متعلق پوچھا۔

”وہ اپنے کروں میں ہوں گے۔“ غیر نے کہا۔
اور پھر اس کے بیان کی تقدیق ہو گئی۔ تینوں شکاری اپنے کروں میں موجود تھے۔ حمید کی
سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر قاسم کہاں گیا۔
اُس نے اس کی اطلاع فریدی کو دی۔

”میا وہ اس سے پہلے بھی میکم گڑھ آ چکا ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔
”کبھی نہیں۔“ حمید نے جواب دیا۔
”عجیب الحص آدمی ہے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”کہیں وہ سیتل گھائی کی طرف نہ چلا گیا
ہو۔ تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ فرزانہ کو ہوش آگیا ہے اور وہ اب بالکل ٹھیک ہے۔ اُسے قطعی
نہیں یاد کہ اس پر دورہ بھی پڑا تھا۔ وہ بھی سمجھ رہی ہے کہ ابھی سو کرائی ہے۔“
”کوئی ذہنی مرض۔“

”پتہ نہیں.... چلو جلدی کرو۔ کہیں وہ تمہارا ذیوٹ کسی مصیبت میں نہ پھنس جائے ویسے
یہاں کوئی بہت خطرناک کھیل کھیلا جا رہا ہے۔“

قاسم کی چیخ

حمدید اور فریدی سیتل گھائی کے لئے روانہ ہو گئے۔ راستوں کی برف پکھل گئی تھی البتہ کہیں
کہیں گڑھوں اور چانوں کی درازوں میں اب بھی نظر آ رہی تھی۔
راستے صاف ہونے کی وجہ سے وہ خاصی تیز رفتاری سے چل رہے تھے۔ اُن کے خیال کے
مطابق قاسم اگر سیتل گھائی کی ہی طرف گیا تھا تو انہیں توقع تھی کہ وہ اسے کہیں نہ کہیں رانے
ہی میں پا لیں گے۔

نادانگی میں اُسے استعمال کیا ہو۔

حید پچھنہ بولا۔ فریدی کی بات اس کی سمجھ بہت آگئی تھی۔ لیکن مقصد سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ فرزانہ پچھے تو تھی نہیں کہ سوچے سمجھے بغیر ایسی کوئی پڑھنے استعمال کر بیٹھتی۔

وہ دونوں خاموشی سے راستے کر رہے تھے۔

سینل گھائی سنان پڑی تھی، چونکہ پچھلی رات کو مزید برف باری نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے صرف نشیب ہی کی زمین میں تھوڑی بہت برف نظر آ رہی تھی یا پھر چنانوں کے رخنے برف سے پہنچتے۔ وہ دونوں چنانوں کا سلسلہ پار کر کے دوسری طرف پہنچنے اور پھر انہوں نے قاسم کی آواز سنی، جو عربی میں پچھہ پڑھ رہا تھا۔

اس کی پشت ان کی طرف تھی اور وہ ایک چنان پر پیر لٹکائے بیٹھا تھا۔ فریدی نہیں پڑا۔ لیکن قاسم اتنا محو تھا کہ شاید اس نے اس کی آواز نہیں سنی۔

”یہ کیا پڑھ رہا ہے۔“ حید نے پوچھا۔

”درود تاج۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”بھوتوں کو بھگانے کے لئے۔“ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے اُس کے پیچھے پہنچ گئے۔ قاسم کو خوب تک نہ ہوئی۔ شاید اس نے آئھیں بھی بند کر کھی تھیں اور جھوم جھوم کر درود تاج پڑھ رہا تھا۔ حید نے اس کے کانڈھے پر ہاتھ مارا۔ اور پھر۔۔۔ دفعتاً قاسم درود تاج بھول گیا اور اس کے منہ سے خوف زدہ سی آوازیں نکلنے لگیں۔ سر شانوں میں گھسا جا رہا تھا۔ اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھنے کی بھی ہمت نہ کی۔

فریدی اور حید نہیں پڑے۔

”ارے....!“ قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا اور پھر اس نے بھی احمقوں کی طرح ہنسنا شروع کر دیا۔

”یہ کیا ہو رہا تھا۔“ حید نے پوچھا۔

”سب نہیں ہو گیا۔“ قاسم سر ہلا کر بولا۔ ”میں نے یہ سرزی میں بھوتوں سے صاف کر دی۔“

”خوف....!“ فریدی مسکرا کر بولا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔

”حید بھائی! ان کا کیا حال ہے۔“ قاسم نے سر جھکا کر شرماتے ہوئے پوچھا۔

”سب نہیں ہے۔ اب وہ تمہیں سالارِ اعظم بنانے کی بجائے تنبی کرنے کا رادہ رکھتی ہے۔“

قاسم پچھنہ بولا۔

”حید....!“ فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔ ”وہ دراڑ کیا ہو گئی جہاں وہ پچھلی رات کو غائب ہوا تھا۔“

”اوہ.... واقعی.... اوہر ہی تو تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے.... اور گول چنان.... لیکن دراڑ کیا ہو گئی۔“

”میں نے سب پچھے غائب کر دیا۔“ قاسم نے قہقہہ لگایا۔ ”مجھے سفلی عمل بھی آتے ہیں۔ لیکن میں نے صرف علوی سے کام لیا ہے۔ میں نے ان بھوتوں کو جلا دیا۔“

”آؤزرا دیکھیں تو۔“ فریدی نے حید سے کہا۔

”وزرا آہمان کی طرف بھی دیکھتے رہتے گا۔ میرا خیال ہے کہ برف باری ضرور ہو گی۔“

”اوہ چلو!“ فریدی نے کہا۔ ”میں یہاں کے بہترے اچھے قسم کے غاروں سے واقف ہوں۔ جہاں تم پناہ لے سکیں گے۔ کرنل ڈکسن والے کیس نے مجھے نیکم گذھ کے پچے پچے سے واقف کر دیا تھا۔“

”سب بے کار ہے۔“ قاسم نے بڑی خود اعتمادی سے کہا۔

”نمیک کہتے ہو۔ چلو آگے بڑھو۔“ فریدی نے اسے دھکلیتے ہوئے کہا۔

کافی دیر تک چھان میں کرتے رہتے کے باوجود بھی اس دراڑ کا پتہ نہ چلا جہاں وہ پہلا بھوت غائب ہوا تھا۔ پھر وہ اس چنان پر آئے جہاں پر انہوں نے دوسرا بھوت دیکھا تھا لیکن یہاں بھی انہیں کوئی بات نہ معلوم ہو سکی۔

”حید صاحب! اب میں بڑے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہمیں ہوٹل میں روکے رکھنے کے لئے فرزانہ پر کوئی دوا آزمائی گئی تھی۔“ فریدی نے کہا۔

”کیوں؟“

”میں نے غسل خانے میں انجکشن لگانے کی ایک باریک سی سوئی پائی تھی۔“

”تو کیا... انجکشن...!“

”میرا خیال ہی ہے۔ ورنہ غسل خانے میں انجکشن کی سوئی کا کیا کام اور پھر اگر وہ پچھلے دن

لے کر ٹکر کے لئے ”نیلی روشنی“ جلد نمبر 6 ملاحظہ فرمائیے۔

پہلے کی ہوتی تو پیروں کے نیچے دب دب کر اس کی رنگت بکڑ گئی ہوتی۔ ”کیا فرزانہ نے ہوش میں آنے کے بعد انگشن کا تذکرہ کیا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”میں اتنی دیر تک مخبر ای نہیں کہ اسے معلوم کرتا۔“ ”فریدی صاحب۔“ قاسم بڑے سعادت مندانہ لمحے میں بولا۔ ”یقین تجھے کہ میں نے سر

ٹھیک کر دیا ہے۔ اگر پھر کوئی گڑ بڑ ہوئی تو آپ پر ایک جلائی عمل کروں گا۔“

”اچھا....اچھا....!“ فریدی نہ کر بولا۔

حمدی نے آسمان کی طرف دیکھا اور اس کے دیپو تا کوچ کر گئے۔ پورا آسمان بادلوں سے ڈھکا گیا تھا۔

”اب نکل ہی چلنے تو بہتر ہے۔“ اس نے کہا۔ ”برف باری ہونے ہی والی ہے۔“

فریدی جواب بھی نہ دینے پلایا تھا کہ فضامیں باریک باریک سفید ذرات اڑنے لگے۔

”اوہ....یہ تو آہی گئی۔“ فریدی بڑا بڑا۔ ”اوہ میرے ساتھ۔“

وہ تیزی سے ایک طرف چلنے لگے۔ فریدی ان کے آگے تھا۔

”قاسم سنبھل کر۔“ فریدی نے کہا۔

”ٹھیک ہے... چلتے رہئے۔“

وہ دو چنانوں کی ایک درمیانی دراثت میں گئے۔ بر夫 تیزی سے گرنے لگی تھی اور خلاء میں سفیدی کے علاوہ اور کچھ نہیں دکھائی دے رہا تھا۔

”چواندر چلو۔“ فریدی نے ایک غار کے دہانے کی طرف اشارہ کیا۔

لیکن پھر اس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روک دیا۔ اس کی وجہ حمید کی بھی سمجھ میں آگئی تھی۔ غار کے دہانے سے کچھ ایسی خوشبو آرہی تھی جیسے اندر گوشت بھونا جا رہا ہو۔

حالانکہ دراثت کا دہانہ اور پر سے تنگ تھا۔ لیکن پھر بھی بر夫 کے ذرات ان پر گر رہے تھے۔

”کوئی اندر رہے؟“ حمید نے سر گوشی کی۔

”چلو! ممکن ہے شکاریوں میں سے کوئی ہو۔“ فریدی نے کہا اور غار کے دہانے میں اتر گیا۔ قاسم اور حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔

اندر دھنڈی دھنڈی سی روشنی تھی۔ ایک جگہ آگ جل رہی تھی۔ جس کے قریب دو آدمی

پیشے کوئی پرندہ بھون رہے تھے۔ ان کے غار میں داخل ہونے پر ان میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے یہ ان کے لئے کوئی غیر متوقع بات نہ رہی ہو۔ ان میں سے ایک نے انہیں مخاطب کر کے کچھ کہا لیکن جواب نہ پا کر اس نے انہیں غور سے دیکھا اور پھر اچانک اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے اپر گک پر بیٹھا رہا ہو۔ اس کا ساتھی بھی کھڑا ہو گیا۔

”محبی افسوس ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”برف باری کی وجہ سے ہمیں یہاں پناہ لینی پڑی۔“

ان لوگوں کے چہروں پر روشنی صاف نہیں پڑ رہی تھی اس لئے وہ انہیں گھوڑتا ہوا ان کے قریب آگیا۔ فریدی اور حمید پر سے نظریں ہٹا کر اس نے قاسم کو نیچے سے اوپر تک دیکھا۔ پھر اس نے اپنے ساتھی کو مخاطب کر کے کہا۔ ”تم تو کہتے تھے کہ وہ صرف تمیں ہیں۔ اس کا ساتھی بھی آگ کے پاس سے ہٹ کر ان کے قریب آگیا۔“

”یہن یہ لوگ!“ دوسرا اپکچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”ہم لوگ یہاں اجبی ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”اس کی نظریں ایک آدمی پر جھی ہوئی تھیں جو کافی قوی الجثہ اور لاپرواہ نظر آ رہا تھا۔ پھر اس کی نظریں ان دور انفلوں پر پڑیں جو ایک پھر سے بھی ہوئی تھیں۔“

”شکاری؟“ پہلے نے پوچھا۔

”مجی ہاں۔“ فریدی بولا۔

”کس کوئی سے تعلق ہے۔“

”ہم پیشہ ور شکاری نہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”تفریح چلے آئے ہیں۔“

”اوہ! اقام کہاں ہے؟“

”فزا رو میں!“

پہلے نے دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا اس کے بعد وہ پھر قاسم کو گھوڑنے لگا۔ ”لیا۔.... آپ لوگ وہی تو نہیں جنہوں نے پچھلی رات ان خبیثوں پر گولیاں چلائی تھیں۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ فریدی نے اپنے چہرے پر استحباب پیدا کر کے کہا۔

”کل رات آپ لوگ یہاں آئے تھے۔“ اس نے پوچھا۔

”نہیں تو۔“

”آپ کو کس نے بتایا کہ شکار یہاں ملے گا۔“
”اوہ....“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا ”کل فرازو میں تین عکاریوں سے ملاقات ہوئی تھی
انہوں نے ہمیں بتایا کہ شکار صرف سیل گھٹائی میں ملتا ہے۔“

”تین شکاری۔“ پہلا دانت پیس کر بڑبڑا۔
”کیوں؟ کیا انہوں نے ہمیں غلط مشورہ دیا تھا۔“ فریدی نے بڑی سادگی سے پوچھا۔
”اوہ.... نہیں تو.... یہاں واقعی بہت شکار ہے۔“
”تب تو بہت اچھا ہے۔“ فریدی ایک پتھر کے نکلوے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ پھر اس نے حیدر
قاسم کو بھی بیٹھنے کو کہا۔

دونوں اجنبی بھی بڑے بے تعلقانہ انداز میں آگ کے قریب جا بیٹھے۔
”اگر سردی زیادہ لگ رہی ہو تو یہاں آجائیے۔“ ان میں سے ایک نے تھوڑی دیر بعد کہا۔
”بھی شکریہ! ہم بالکل ٹھیک ہیں۔“ فریدی بولا۔
حیدر سوچ رہا تھا کہ شام کو دونوں گروہی کی پارٹی کے آدمی ہیں۔ وہ تجسس آمیز نظر وہی سے
غار کا جائزہ لیتا رہا۔

”آپ لوگوں کا شکار کیسا رہا۔“ دفعتہ فریدی نے پوچھا۔
”یہ یزناں ابھی تک برا خراب رہا ہے۔“ ان میں سے ایک بولا۔ ”شام برف تیزی سے
رہی ہے۔ دیکھنا چاہئے ورنہ ممکن ہے کہ غار کا دہانہ ہی بند ہو جائے۔“
”بات تو ٹھیک ہے۔“ فریدی سر ہلا کر بولا۔

”ٹھہریے! ہم دیکھتے ہیں۔“ ایک نے کہا اور اسی کے ساتھ دوسرا بھی اٹھ گیا۔
”ہم بھی چلتے ہیں۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

”ان کے اٹھتے اٹھتے ہی وہ دونوں غار کے دہانے سے نکل گئے لیکن حیدر نے محسوس کیا کہ
غار کے دہانے کے قریب گری ہوئی برف کو دوسری طرف سر کانے کی بجائے دراز کے دہانے کا
طرف کھسکا رہے تھے۔ وہ دوبارہ غار کے دہانے کی طرف لوٹے اور بہت سی برف اپنے بیٹپوں کے
ذریعے گھسیت لے گئے۔ یہ سلسلہ جاری رہا اور وہ تینوں مطمئن ہو کر اندر بیٹھے رہے۔ پھر
بیٹپوں کی رگڑ سے پیدا ہونے والی آواز جاری تھی۔

فریدی وغیرہ نے اٹھ کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارانہ کی۔ اس نیچے چلنے کی آوازیں سننے رہے
اور پھر شکار کی باتمی چڑھ گئیں۔ دفعتہ فریدی تھوڑی دیر بعد چوٹکا۔
”اوہ.... ہمیں بھی ان کی مدد کرنی چاہئے۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

دہانے کے باہر چنانوں پر نیچے چلتے معلوم ہو رہے تھے۔ وہ باہر نکل آئے اور قاسم بے ساختہ
ہنس پڑا۔ بھی حیدر کو بھی آئی۔ لیکن میساختہ قسم کی نہیں تھی۔ فریدی نے البتہ بہت بُر امنہ ہتھیا تھا۔
کچھ دور پر ان کے سامنے ہی ایک خارش زدہ لوہڑی پڑی تھی اور ایک نیچے اس کے پیروں
بندھا ہوا تھا۔ وہ آزاد ہونے کے لئے اپنے جسم کو جنتش دے رہی تھی اور یہ نیچے ایک پتھر سے
رگڑ کھا کر آوازیں پیدا کر رہا تھا۔

”دیکھا تم نے۔“ فریدی نے حیدر کو مخاطب کیا۔ ”کم بجتن اس طرح ہمیں دھوکا دے کر نکل گئے۔“
”مگر جائیں گے کہاں؟“ حیدر بولا۔ ”برفتگتی گھری گر رہی ہے۔ ہاتھ کو ہاتھ نہیں بھائی دیتا۔“
فریدی ووڑتا ہوا دراز کے دہانے تک گیا اور چند لمحے رک کر پھر پلٹ آیا۔
”کسی طرف نکل گئے۔“ خیر قاسم تم یہیں ٹھہر دو۔ ہوشیار رہنا اور حیدر تم میرے ساتھ آؤ۔“
”قا سم کو دراز کے دہانے پر چھوڑ کر فریدی اور حیدر دوبارہ غار میں داخل ہوئے۔

”اپنا سارا سامان بھی چھوڑ گئے۔“ فریدی نے ان کی راٹھوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
اور پھر اچانک ایک دوسری چیز نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی۔ یہ کسی عورت کا
شب خوابی کا الہادہ تھا۔ اس نے لپک کر اسے اخالیا اور پھر اسے اس پر کئی جگہ خون کے دھبے بھی
دکھائی دیئے۔

دفعتہ قاسم کی خوفناک جیخ سے پوری دراز گونج اٹھی۔

آنکھ کھلی تو

حیدر اچھل کر باہر بھاگا۔ قاسم دراز کے دہانے کے قریب زمین پر اکڑوں بیٹھنے والے مٹھنے میں منہ
دیئے ہوئے رو د تاج پڑھ رہا تھا۔
”کیا بات ہے؟“ حیدر نے پوچھا۔

"ہپ... حمید... بھائی... ھھھ...!"

"کھڑے ہو جاؤ۔" فریدی نے تھکانہ لجھے میں کہا۔

قاسم نے دونوں ہاتھوں سے اپنی کردباری اور بوڑھوں کی طرح کرہ کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا بات تھی؟" فریدی نے پوچھا۔

"کوئی کسر رہ گئی۔ اب میں سفلی عمل کروں گا۔" قاسم بولا۔

"کیا بک رہے ہو۔"

"اللہ قسم بھی ابھی اوہر سے گزرا ہے۔" قاسم نے دراز کے دہانے کی طرف اشادہ کر کے ا

"کون...؟"

"وہی رات والا بھوت۔"

فریدی دراز کے باہر دیکھنے لگا لیکن برف باری کی زیادتی کی وجہ سے دراز کے دہانے پر سفید رنگ

ایک پرده ساہلتا نظر آ رہا تھا اور اس پار کی کسی چیز کی دھنڈلی سی جھلک بھی نہیں دکھائی دیتی تھی۔

"کہاں دیکھا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"یہاں... بالکل دراز سے لگ کر نکلا تھا۔" قاسم نے کہا۔

"تمہیں دھوکا ہوا ہو گا۔"

"دھوکا... نہیں اللہ قسم۔"

"تو اس نری طرح چینخ کی کیا ضرورت تھی۔" حمید نے کہا۔

"حید بھائی... بھوت تھا۔"

"ختم کر دے کارباتیں۔" فریدی نے کہا۔ "حید تم اس سرے پر ٹھہرداور قاسم تم اپنی جا رہو گے۔"

"اور آپ...! قاسم بولا۔"

"ابھی بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور پھر غار میں اتر گیا۔ حمید اور قاسم دراز کے دادا دہنوں میں کھڑے رہے۔

برف باری تھئے کے آثار نہیں تھے۔ کبھی فضا میں چھائی ہوئی سفید دھنڈا ہٹ بھلی ہو اور کبھی گھری۔ دراز کے دہانے پر برف کے دودوٹ اونچے ڈھیر ہو گئے تھے اور ان کی اوچانی

اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔

"یار اس بیچے کو لوٹری کے پنجے سے رہائی دلوانی چاہئے۔" حمید نے قاسم کو خاطب کیا۔

"کیوں... پڑا رہنے دو۔" قاسم بڑا بولیا۔

حید کچھ کہنے والا تھا کہ فریدی غار سے باہر آگیا۔ اس کے چہرے پر جھلماہٹ کے آثار تھے۔

حید اسے چند لمحے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"کیا بات ہے؟"

"ان برخواردار کی بدولت۔" فریدی قاسم کی طرف دیکھ کر رہا گیا۔

"میا مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔" قاسم گڑ بڑا کر بولا۔

"پچھے نہیں تم یہیں ٹھہرداور اپنے وظیفے بلند آواز میں پڑھتے رہنا۔" فریدی نے کہا۔ پھر اس

نے حید کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

غار میں پہنچ کر اس نے اس پھر کی طرف اشادہ کیا جس پر حید نے غائب ہو جانے والوں کی

رانفلیں دیکھی تھیں۔ اب رانفلیں وہاں نہیں تھیں۔

"ہم بمشکل تمام دویا تین منٹ دراز میں ٹھہرے ہوں گے۔" فریدی نے کہا۔ "اور اتنی ہی دیر

میں نہ صرف رانفلیں بلکہ وہ شب خوابی کا الیادہ بھی غائب ہو گیا۔"

حید کچھ نہ بولا۔ دراصل اس وقت اس کا ذہن کام ہی نہیں کر رہا تھا۔ انتہائی گرم کپڑوں اور

قیچی پوستیں کے باوجود بھی سردی کے مارے اس کا براحال تھا۔ اس پر اس اطلاع کا کوئی خاص اثر

نہ ہوا۔ اس کے ذہن میں غار کی نیم تاریک فضा اور الاؤ میں جلنے والے پرندے کی چراندھ کا ایک

نیم خوابیدہ سا احساس موجود تھا اور بس۔

"لیا تم بھی بھوتوں کے متعلق سوچنے لگے۔" فریدی اسے خاموش دیکھ کر بولا۔

"اوں... ہاں... میں پچھے نہیں سوچ رہا ہوں۔"

فریدی کے ہونٹوں پر ایک بلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے جھک کر الاؤ سے ایک

جلتی ہوئی لکڑی اٹھائی اور آہستہ سے بولا۔ "مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ غار کے دوسرا دہانے کا

مجھے خیال نہیں رہ گیا تھا۔ اب سے ڈیڑھ سال قبل میں نے اپنی تین راتیں اسی غار میں گزاری تھیں۔"

وہ جلتی لکڑی اٹھائے کشادہ غار میں ایک طرف بڑھ رہا تھا۔ حید کا دل تو نہیں چاہتا تھا کہ

لیکن وہ مجبور اساتھ دیتا رہا۔ آگے چل کر ایک نگہ ساموڑھا اور پھر اس کے آگے راستہ تھا۔ حمید جھنجھلا کر اٹھا۔ بھلا وہ دوسرا دہانہ کہاں ہے۔

فریدی اس کی طرف ٹڑا۔

”ضروری نہیں کہ آپ کی یادداشت ہمیشہ اچھی ثابت ہوتی رہے۔“ حمید نے جلے بھنے میں کہا۔

”کیوں.... کیا ہوا؟“

”ئے! میرا موڈ بہت خراب ہے۔“ حمید بھنا کر بولا۔ ”محضے اس پر مجبور نہ کیجئے کہ می ہو کر گرتی ہوئی برف میں ناپنے لگوں۔“

”آخر کچھ کہو بھی تو۔“

”کیا وہ دوسرا دہانہ صرف آپ ہی کو دکھائی دے رہا ہے۔“ حمید جھنجھلا ہٹ میں جنپڑاں ”اوہ.... یہ بات ہے۔ اچھا ادھر آؤ۔“

فریدی غار کے انہائی سرے سے پینچھے لگا کر اسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

دفعہ حمید کا دل بڑے زور سے دھڑکا۔ قاسم نے بھی ابھی وہ بھوت دیکھا تھا تو کیا فریدی کسی بھوت کا سایہ ہو گیا ہے یا اس بھوت ہی نے فریدی کی شکل اختیار کر لی ہے۔

حمدید بڑی تیزی سے یہ سب کچھ سوچتا چلا گیا۔ سردی کی شدت سے مضمحل ہوتا ہوا سب کچھ سوچ سکتا ہے۔ اسی حالت میں حمید خود پر بھی بھوت سوار ہو جانے کا شہہر کر سکتا ہے۔ پھری پھری آنکھوں سے فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے ذہن کی پرالگندگی نے دھنڈی، میں فریدی کے سر پر سینگ بھی اگادی یے۔

جلتی ہوئی لکڑی بجھنے لگی تھی۔ حمید کو فریدی کا چہرہ حد درج بھی انک نظر آنے لگا اور پھر وہ جنی مار کر بھاگا۔

فریدی اس کے چہرے کی بدلتی ہوئی حالت کو بغور دیکھتا رہا تھا۔ وہ بھی اس کے پیچے، قاسم نے حمید کو اس طرح غار سے نکلنے دیکھا تو اس کے بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

”بھاگو....!“ حمید گھٹنی گھٹنی سی آواز میں چینا۔

قاسم نے بھی جنی مار کر دراز کے باہر چھلاگ لگا دی اور پھر فریدی نے ان دونوں کو

کے زرات کی دھنڈ میں غائب ہوتے دیکھا۔

پہلے تو وہ سمجھا تھا کہ حمید پر شاکندر شرارت کا بھوت سوار ہے لیکن اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا۔ برف اتنی تیزی سے گر رہی تھی کہ دس قدم دور کی بھی کوئی چیز نہیں دکھائی دیتی تھی۔ وہ چند لمحے کھڑا انتظار کرتا رہا۔ پھر اس نے ان دونوں کے نام لے لے کر چینا شروع کر دیا۔... گھر جواب ندارد۔

”میا جمات ہے۔“ وہ دانت پیس کر بڑا بڑا۔ برف باری کی رفتار لحظہ بہ لحظہ تیز ہوتی جا رہی تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دراز کا دہانہ تھوڑی ہی دیر بعد برف سے ڈھک جائے گا۔ فریدی نے کسی نہ کسی طرح خارش زدہ لوٹڑی کے پیروں سے بیٹھ کھولا اور وہ خون کرتی ہوئی غار میں گھس گئی۔

پھر وہ بیٹھ کی مدد سے دراز کے دہانے پر اکٹھا ہوتی ہوئی برف ہٹانے لگا۔ حمید اور قاسم کا بہت کہیں پتہ نہ تھا۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ اگر حمید کا وہ فعل محض مذاق تھا تو اسے زیادہ دیر سکتے ہوں۔ برق را رہا رہنا چاہئے تھا۔ آخر وہ کیا سمجھ کر اس طرح بھاگا وہ یہ بات سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ حمید یک بیک اتنا خوفزدہ ہو گیا تھا۔

وہ بیٹھ سے برف ہٹانا تارہا.... رہ رہ کوہ حمید اور قاسم کو آوازیں بھی دیتا جا رہا تھا۔ پھر اچانک خاموش ہو گیا۔ اس طرح چھتے رہنا بھی جماعت ہی تھی۔ برف ہٹاتے ہٹاتے تھک گیا تو بیٹھ ایک طرف ڈال کر بیٹھ گیا لیکن اس طرح کہ دراز کے دونوں طرف نظریں رہ سکیں۔ وہ مطمئن نہیں تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ کچھ پر اسرار نامعلوم آدمی اس کے قریب ہی کہیں موجود ہیں اور کسی وقت بھی اس پر حملہ کر سکتے ہیں۔ غار میں پائے جانے والے اجنبیوں کا اس طرح بھاگنا ان کی نیت کے قور کی کھلی ہوئی دلیل تھی۔ لیکن ان کا مقصد کیا تھا۔ اگر وہ گروہی ہی کی پارٹی کے آدمی تھے تو انہوں نے خود کو مشتبہ بنانے کی کوشش کیوں کی۔ اگر وہ سکون اور اطمینان سے غار ہی میں بیٹھ رہتے تو فریدی ان کا کیا لیتا اور پھر یہ بات قانونا جرم بھی نہیں تھی۔ بہر حال ان کے اس طرح بھاگ جانے پر وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ شب خوابی کا الیادہ اسی لڑکی کا نہ رہا ہو جسے فرار و سے الگیا گیا تھا اور پھر وہ لوگ اپنی جان پر کھیل کر اس لبادے کو وہاں سے اٹھا بھی تو لے گئے تھے۔

پھر ایک خیال اور بھی آیا۔... وہ یہ کہ کہیں وہ لوگ اسے پیچانے نہ ہوں۔ اگر یہ بات تھی تو

رنج رفتہ اس پر غشی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ اچانک سفیدی پر تاریکی کے غلاف چڑھ گئے۔ پہنچ نہیں اسے کس وقت ہوش آیا۔ چاروں طرف تاریکی تھی۔ ایسا گھنا اندھیرا جس میں روشنی کا ہلاکا سادھبہ بھی نہیں تھا۔ ہوش آتے ہی سب سے پہلے اسے اس بات کا احساس ہوا کہ اس کا جسم ہمارا زمین پر نہیں ہے۔ اس نے اٹھنا چاہا لیکن جسم کو جبکش نہ دے سکا۔ آہستہ آہستہ اس کا ذہن صاف ہو تا جادہ تھا۔

چند لمحوں کے بعد اس نے کسی آدمی کی آواز سنی جو شہد کی کمھیوں کی طرح بجنھنھا رہا تھا۔ آواز قریب ہی سے آرہی تھی۔ حمید اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔ لیکن بے سود.... آواز لمحے بے لمحہ بلند ہوتی جا رہی تھی اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ آواز کسی پھوٹ کر رونے والے کی آواز میں تبدیل ہو جائے گی۔

”یامیں.... قاسم....!“ حمید حلق پھاڑ کر چینا۔
”غوغ.... غوغ.... غون.... غمید بھائی۔“

”میں اس وقت سُغلی کر رہا ہوں۔ بھوت نے مجھے بوتل میں بند کر دیا ہے۔“ قاسم نے کہا اور بلند آواز میں بڑپڑا نے لگا۔ ”لوٹک لوٹا.... جھوٹک جھوٹا.... ہلدی کی گانٹھے.... کٹاری کی آنکھ.... اندر بند ہوں کٹار باند ہوں.... باند ہو جچکل پچٹک بھیروں.... بھیروں.... بھیروں۔“

”چپ رہو۔“ حمید نے اسے ڈانتا۔

”ارے ارے.... گڑ بڑنہ کرو۔“ قاسم نے ہنک لگائی۔

”کواس بند کرو۔ فریدی صاحب کہاں ہیں۔“

”پتہ نہیں.... لوٹک لوٹا.... جھوٹک جھوٹا.... ہلدی کی.... گل.... گانٹھ....!“

قاسم بڑپڑا رہا تھا اور حمید اپنی پوستین کے نیچے ریوالور کا ہو لشر تلاش کرنے لگا۔ لیکن وہ کارتوں کی پیٹی سیست غائب تھا۔ رائفل کے متعلق تو خیر اس نے پہلے ہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ اس کے پاس نہیں ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ چلتے وقت اس نے گھڑی بھی نہیں لگائی تھی کہ اس کے اندھیرے میں چکنے والے ہندسوں سے وقت ہی کا اندازہ لگا سکتا۔

وفٹاٹے سے سگار لاٹریا رہ آیا۔ لیکن اندر وہی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے اسے ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں اسے بھی نہ نکال لیا گیا ہو۔ اس اندھیرے میں وہ امید کی آخری کرن تھی۔ آخر جی کڑا

وہ خود بھی خطرے میں تھا۔ اس نے ہو لشر سے ریوالور نکال لیا۔ حقیقتاً وہ بڑے خطرے میں تھا، سوچ رہا تھا کہ اگر ان کی تعداد دو سے زیادہ ہوئی تو جان بچانا مشکل ہو جائے گا۔ اسے اس وقت بڑا آسانی سے گھیر کر مارا جاسکتا تھا اس کے لئے صرف تین ہی آدمی کافی ہوتے۔ وہ تو غار کے درمیں کے دونوں دہانے سنبھال لیتے اور ایک دوسری طرف سے غار کے دہانے پر آ جاتا۔

غار کے دوسرے دہانے کے متعلق حمید کو دراصل غلط فہمی ہوئی تھی اگر وہ فریدی کو بلانے پر اس کے قریب چلا جاتا تو اس دوسرے دہانے کو بہ آسانی دیکھ لیتا۔ وہ دراصل اوپر کو طرف تھا۔ ایک نیک راستہ جو ایک ڈھلان کی شکل میں دس گیارہ فٹ اوپر کی طرف چلا گیا تھا۔ قصور اس کا نہیں بلکہ اس کے تھکے ہوئے ذہن کا تھا۔ پچھلی رات شاند تین بجے سونا نصیرہ ہوا تھا اور پھر سردی کی شدت! اوپر کھٹے ہوئے ذہن نے داہمے کو تقویت دی اور وہ فریدی ہی اب بھوت سمجھ بیٹھا۔ پھر اس طرح بے تھاشا بھاگا کہ برف باری کی پرواہ کئے بغیر دراڑ سے نکل گیا اس نے قاسم کو بھی بھاگتے دیکھا تھا۔ لیکن آگے چل کر گرد و پیش کے اڑتے ہوئے سفید ذرا نے اسے قریب گرد کر دیا۔ اب نہ وہ اس دراڑ ہی کی طرف جا سکتا تھا اور نہ آگے ہی بڑے سکتا تھا کیونکہ اب اس کے ذہن کی وہ نیم غنوہ سی کیفیت ختم ہو گئی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں جو کسی گڑھے ہی میں نہ گر پڑے۔ اس نے بولکلا کر تھوڑی سی جگہ میں چکر کاٹنے شروع کر دیئے۔ اسے کسی آدمی کی پہنچ پر چھینی سنائی دے رہی تھیں۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ چھینے والا کون ہے۔ اگر ایک بار بھی وہ چھینیں اس کے کان پڑ جاتیں تو وہ آواز کی طرف چل پڑے اور پھر اسی دراڑ نیک پیچ جاتا کیونکہ وہ درحقیقت فریدی تھا جس کی آواز اس کے کافوں تک نہیں پہنچتا۔ قسم کی چیز بن کر پیچ رہی تھی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس وقت نہ اسے فریدی کا خیال تھا اور نہ قاسم کا۔ بس وہ ایک محدود سی جگہ میں چکر لگا رہا تھا۔

اچانک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے برف کا ایک بہت بڑا ڈھیر اس پر آ رہا ہو۔ وہ زمین پر گزپڑا لیکن برف کا وہ ڈھیر جو اس پر مسلط ہو گیا تھا۔ انتہائی قوت صرف کرنے کے باوجود بھی اس مسلط ہی رہا۔ یہ عجیب بات تھی کہ نیچے دبا ہوا برف کا بستر بڑا ملائم تھا۔ لیکن اوپر کا ڈھیر جبی ہوا برف کی طرح سخت تھا۔ پھر اس نے ایسا محسوس کیا جیسے وہ اوپر کی طرف اٹھ رہا ہو۔ دیکھتے وہ خود اس ڈھیر پر مسلط ہو گیا۔ لیکن اس جدوجہد میں اس کے توہی جواب دے چکے تھے

کر کے اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ سگار لائٹر موجود تھا۔
جیسے ہی اس نے سگار لائٹر جالیا قاسم کے منہ سے خوفزدہ سی آوازیں نکلنے لگیں۔ لیکن،
کہاں؟ حمید آنکھیں پھاڑے چاروں طرف گھورتا رہا۔ لیکن قاسم کہیں نہ دکھائی دیا۔ البتہ اس
آوازوہ صاف سن رہا تھا۔
شائد اب قاسم نے سفلی اور علوی دونوں فتح کے عمل ایک ساتھ شروع کر دیئے تھے۔
یہ ایک کافی کشاور نے غار تھا لیکن چاروں طرف سے بند۔ کہیں بھی کوئی رخنہ نظر نہیں آ
تھا۔ حمید کا دام گھٹنے لگا۔
”ارے! ہو ہو ہو۔“ قاسم کی آواز غار میں گونج رہی تھی۔

شممن شکاری

برف باری ختم ہو جانے کے بعد فریدی، قاسم اور حمید کو بڑی دیر تک تلاش کرتا رہا۔ لیکن
نہ ملے۔ تشویش لختہ بہ لختہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ دونوں کسی گڑھے
گر کر برٹ میں دفن نہ ہو گئے ہوں۔
وہ کب تک انہیں تلاش کرتا۔۔۔ آخر تک ہار کر فزارو کی طرف لوٹنا پڑتا۔ وہ یہ بھی
رہا تھا ممکن ہے وہ دونوں فزارو ہی پہنچ گئے ہوں لیکن یہ خیال محض ایک دل بہلانے والا خال
رہا۔ اسی خیال کے ساتھ اسے یہ بھی سوچنا پڑتا تھا کہ اگر حمید فزارو پہنچ گیا ہوتا تو کچھ آدمیوں
اپنے ساتھ لے کر اس کی تلاش میں واپسی ضرور آتا۔

بہر حال فزارو پہنچ کر فریدی کو یقین آگیا کہ وہ دونوں یقیناً برف ہی میں کہیں دب کر رہے
ہیں۔ اس نے یہ گھر نصرت کو فون کیا وہ آفس ہی میں موجود تھا۔ فریدی فون پر اُسے وضاحت
ساتھ کچھ نہ بتا سکا۔ ویسے اس نے اس سے جلد سے جلد فزارو پہنچ جانے کی استدعا کی تھی۔
فریدی نے اپنے بچھلی رات کے کارناموں کے متعلق نواب رشید الزماں وغیرہ کو کچھ نہ
 بتایا تھا لیکن اب بتانا ہی پڑا۔ حمید اور قاسم کا انجام سن کر وہ سب نائلے میں آگئے۔ شہزاد
 چہرے سے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پھوٹ پھوٹ کر دوڑا شروع کر دے گی۔

”میاں تم نے بڑی غلطی کی۔“ نواب رشید الزماں بولے۔ ”آخر ایسی صورت میں دہاں
جانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔“
”مجھے یقین ہے کہ وہ بھوت نہیں تھے۔“ فریدی نے کہا۔
”چلو بھی سکی لیکن ہم سے بھی تو تذکرہ کرنا چاہئے تھا۔“
غزالہ نے بھی کچھ کہنا چاہا لیکن پھر رک گئی۔
”سبھی میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔“ فریدی بولا۔
”چلو انہیں تلاش کریں۔“ کرٹل شمشاد نے کہا۔
”میں آپ کو نہیں جانے دوں گی۔“ اس کی لڑکی فرزانہ نے سہی ہوئی آواز میں کہا۔
”مجھے یہ گھر نصرت کا انتظار ہے۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”میراڑ ہن اس وقت کام نہیں
کر رہا ہے پتہ نہیں حمید کو کیا ہو گیا تھا اور وہ اس طرح کیوں بجا گا تھا۔“
”فریدی صاحب۔“ کرٹل شمشاد نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ ”آپ لوگ یقیناً کسی
شیطانی چکر میں پڑ گئے ہیں۔ آپ کا جوانی کا خون ہے اور ابھی آپ پیڑا سے بھی نکرا سکتے ہیں۔ میں
بھی آپ ہی کی طرح بد ارواح کا قائل نہیں تھا۔ لیکن 1944ء میں لیبیا کے مجاز پر مجھے قائل ہی
ہو جاتا پڑا۔“
”ہو سکتا ہے۔“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ وہ بہت زیادہ بے چین نظر آ رہا تھا اس کے
لئے یہ خیال انتہائی تکلیف دہ تھا کہ وہ اب حمید کو کبھی نہ دیکھ سکے گا۔ لیکن پھر بھی رہ رہ کر دروازے
کی طرف اس انداز سے دیکھ لیتا تھا، جیسے اسے توقع ہو کہ ابھی حمید اپنے مخصوص لمحے میں کوئی نیا
شووشہ چھوڑتا ہوا کمرے نیں داخل ہو گا وہ ٹھوڑے دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔
”اب آپ لوگ براہ کرم بیباں سے کہیں اور چلنے کی تیاری کیجئے۔“ فریدی نے کہا۔
”بیباں چلیں۔“ نواب رشید الزماں نے پوچھا۔
”میسٹر نصرت کہیں نہ کہیں انتظام کریں گے۔“ فریدی نے کہا اور پھر یہ یک اس طرح
چونکہ پڑا جیسے کوئی بات یاد آگئی ہو۔ اس کی نظریں فرزانہ کے چہرے پر جم گئیں اور فرزانہ آنکھیں
چھانے لگی۔
”آپ صبح غسل خانے لگی تھیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”لیکن کس نے لگایا۔“
 ”یہ تم ختم مہ فرزانہ ہی بتائیں گی۔“ فریدی نے کہا۔
 ”محبے نہیں معلوم۔“ فرزانہ بولی۔
 ”جب یہ انجشن غسل خانے ہی میں دیا گیا تھا۔“
 ”آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“ نواب شید الزماں بڑھ رائے۔
 ”کسی کو ہماری آمدگاریں گذری ہے۔“ فریدی بولا۔
 ”کے....!“ زاہد کریم چونک کر بولا۔
 ”یہ میں نہیں جانتا۔“ فریدی نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ آپ لوگ واپس ہی جائیے۔“
 ”یہ ناممکن ہے۔“ فرزانہ نے کہا۔ ”جب تک حید صاحب وغیرہ نہیں مل جاتے سب یہیں
 یام کریں گے۔“
 ”محبے تو قع نہیں کہ وہ دونوں زندہ ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”وہ معمولی برف باری نہیں تھی
 بلکہ برف کا طوفان تھا.... اچھا....!“
 فریدی کھڑا ہو گیا۔ ”معاف کیجئے گا۔“ میں اس وقت زیادہ گفتگو کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔
 وہ لوگ خاموشی سے اُس کی خلک دیکھتے رہے کوئی کچھ بولا نہیں۔
 فریدی ڈائینگ ہال میں چلا آیا۔ وہ بے چینی سے میحر نصرت کا انتظار کر رہا تھا۔ تین نجگے
 تھے۔ اس کی خواہش تھی کہ رات ہونے سے قبل ایک بار اور سیٹل گھٹائی کھنگال ڈالی جائے۔
 اس نے ان تینوں شکاریوں کو بھی دیکھا، جو ایک میز پر کافی پی رہے تھے۔
 بھاری چہرے والے نے فریدی کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے آہستہ سے سر ہلایا۔
 ”معاف کیجئے گا۔ میں محل ہوں۔“ فریدی نے ان کے قریب پہنچ کر کہا۔ ”میا آپ ہمیں
 ہمارے ساتھیوں کو ڈھونڈھنے میں مددے سکتے ہیں۔“
 ”آپ کے ساتھیوں کو کیا ہوا۔“ بھاری چہرے والے نے جبرت سے کہا۔
 ”وہ دونوں غائب ہو گئے..... سیٹل گھٹائی میں.....“ فریدی نے کہا اور پچھلی رات سے اب
 تک کے سارے واقعات دہرا دیئے۔ لیکن اس نے شب خوابی کے اس لبادہ کا تذکرہ نہیں کیا جو
 اُسے غار میں ملا تھا۔

”کیوں؟ جی ہاں...!“
 ”ہاں اندر ہیرا ہاگا۔“
 ”تھا تو.... لیکن آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔“
 ”پانچ بجے سے سات بجے تک آپ کہاں تھیں۔“
 ”شام غسل خانے سے واپس آکر میں پھر سو گئی تھی۔“
 ”یہ آپ کو اچھی طرح یاد ہے کہ آپ غسلخانے گئی تھیں۔“
 ”جی ہاں۔“
 ”اس سلسلے میں کوئی خاص بات بھی آپ کو یاد ہے۔“
 ”خاص بات۔“ فرزانہ کچھ سوچنے لگی۔ پھر دغتیاں نے اپنے دائیں بازو کو ہاتھ سے دبا کر
 سامنہ بنایا۔
 ”کوئی تکلیف....!“ فریدی نے پوچھا۔
 ”پتہ نہیں کس چیز نے کاٹ لیا ہے۔“ فرزانہ نے آسمیں سیٹ لی۔
 بازور پر ایک ابھرا ہوا چھوتا سانشان تھا۔ فرزانہ نے اُسے ہولے سے دبایا اور ”سی
 کرنے لگی۔
 فریدی نے اٹھ کر اُسے دیکھا اور پھر اپنی کرسی پر آبیٹھا۔
 ”انجشن کا نشان۔“ وہ آہستہ سے بڑھ لیا۔
 ”کیا؟“ کرٹل شمشاد نے چونک کر کہا۔
 ”انجشن کا نشان۔“ فریدی نے دوہرایا۔ پھر کرٹل کو مخاطب کر کے پوچھا۔ ”ڈاکٹرنے
 انجشن دیا تھا۔“
 ”پنڈلی میں۔“
 ”آپ کو اچھی طرح یاد ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔
 اب فرزانہ اپنی پنڈلیاں بھی مٹانے لگی تھی۔
 ”جی ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے۔“
 ”تو پھر ان کی وہ کیفیت اسی انجشن کا نتیجہ تھی، جو بازود پر لگایا گیا ہے۔“

برف کے بھوت

81

بلد نمبر 11

”ہو سکتا ہے۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا اور پھر انھتہ ہوا بولا۔ ”بہر حال رات ہونے سے قبل ہمیں ایک بار اور وہاں دیکھ لینا چاہئے۔“

پھر ایک گھنٹے کے اندر اندر سیل گھانی میں نیکم گذھ پولیس فورس کے نوجوان ہمیں گئے ایک ایک چپہ چھان مارا گیا۔ شونگلو قوم کے مزدوروں نے برف سے بھرے ہوئے گڑھے کھنکال ڈالے۔ مگر قاسم اور حمید کا سارا غنہ نہ مارا۔ اس پر مجبور نصرت تو کافی اداس ہو گیا تاکہ لیکن فریدی کے ذہن کے تاریک گوشوں میں امید کی کرنیں دوبارہ ریگ آئی تھیں۔

رات ہوتے ہوتے وہ سیل گھانی سے لوٹ آئے۔

اب فریدی نے گروہی کے متعلق معلومات بھی پہنچانی شروع کیں۔ مجبور نصرت نے بتایا کہ ”مشتبہ ضرور ہے لیکن پولیس کے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔ مجبور نصرت ہی سے اسے گروہی کی جائے قیام بھی معلوم ہو گئی۔ اسکے معمولات کے متعلق بھی کچھ باقی معلوم ہوئیں۔

فریدی نے یہی چاہا تھا کہ اسی وقت اپنے سامنے ہمیں کوئی دوسرا جگہ منتقل کر دے لیکن مجبور

نصرت نے مزدوری ظاہر کی اور یہ معاملہ دوسرے دن پر مل گیا۔

مجبور نصرت کی رواگی کے بعد فریدی اپنے کمرے میں آیا اور پھر جب آدھ گھنٹے بعد وہ کمرے سے نکل رہا تھا تو غزالہ سے مذ بھیڑ ہو گئی۔ غزالہ فریدی کے کمرے میں ایک اجنبی کو دیکھ کر نکلنگی۔ فریدی کے چہرے پر گھنی ڈاڑھی اور چڑھی ہوئی موچھیں تھیں۔ وضع قطع سے وہ اب بھی شکاری ہی معلوم ہو رہا تھا۔ راکفل اُس کے کاندھے پر لٹک رہی تھی۔

”ڈر گئیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”ارے آپ.... یہ کیا؟“

”میں ذرا بہر جا رہا ہوں۔“

”میں آپ نہیں! آپ نہیں جا سکتے۔“ غزالہ نے کہا۔ ”جو ہوا سو ہوا۔ اب ہم واپس جائیں گے کل ہی۔“

”صرف آپ لوگ۔“ فریدی نے کہا۔ ”جب تک ان کی لاشیں نہ مل جائیں میں انہیں مردہ بکھٹ کے لئے تیار نہیں۔“

”تو اس طرح کہاں جا رہے ہیں۔ شکل کیوں تبدیل کی ہے۔“

80

”وہی ہوا جس کا خندش تھا۔“ بھاری چہرے والا آہستہ سے بڑا بڑا۔

”یعنی...!“

”کیا اب بھی یہ بتانے کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ وہ دونوں گروہی کے ساتھی تھے۔“ ”ٹھیک ہے کہا۔

”لیکن وہ بھوت۔“ فریدی بولا۔

”میں نے آج تک نہیں دیکھے۔“ شکاری کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”حالانکہ میں نے شکار زیارت ہی کو کھیلا ہے۔ البتہ بیرون کے نشانات اکثر دیکھے ہیں۔“

”ھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر شکاری ہی بولا۔“ مجھے افسوس ہے کہ آپ کے دوسرا صائم ہو گئے۔ میرے سینے پر تو ایک دو نہیں اٹھا رہا داغ ہیں۔“

”لیکن وہ دونوں آدمی تو ہمیں دیکھ کر بہت زیادہ سہم گئے تھے۔“ فریدی نے کہا۔

”اوہ.... آپ ان کے مل میں گھس تو گئے تھے۔“ شکاری بولا۔ ”میں دس سال سے جھا رہا ہوں لیکن مجھے حضرت ہی رہ گئی کہ ان کی کوئی کسین گاہ مجھے مل سکتی۔“

”برف باری کے اوقات میں آپ لوگ کہاں پناہ لیتے ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”ہمیں ایک اچھا سا غار مل گیا ہے۔“ بھاری چہرے والے نے کہا اور پھر قاسم اور جم موت پر اظہار افسوس کرنے لگا اور اس کے انداز گفتگو سے معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے ان کی کا سو فیصدی یقین ہو۔

سلاسلے تین بجے کے قریب مجبور نصرت آگیا۔ فریدی نے اسے بھی سارے واقعات بتا دیا۔

مجبور نصرت تحریرانہ انداز میں سب کچھ سن تارہ۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ”سیل گھانی مخدوش جگہ ہے۔“ مجھے افسوس ہے کہ میں نے پہلے ہی آپ کو اسکے متعلق کیوں نہیں بتا دیا تھا۔

”میں جانتا ہوں۔“ فریدی بولا۔ ”اور میں نے شکار کا ارادہ تو قطعی ترک کر دیا تھا لیکن بھوتوں کے مٹکے نے مجھے الجھالیا۔“

”چھوڑیے! آپ بھی کہاں کی بات لے بیٹھے۔“ یہ بھی شکاریوں ہی کی حرکت ہے۔ غا کوئی ایسی پارٹی ہے جو دوسرا پارٹیوں کو سیل گھانی میں شکار کیلئے سے باز رکھنا چاہتی ہے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے لیکن ہم نے ان پر لا تعداد فائر کئے تھے۔“ فریدی نے کہا۔

”تو بتا کر جائیے... کہاں جا رہے ہیں۔“
”مجھے افسوس ہے۔“

آدمی کا برا آمد ہوتا ہے اُس نے داخل ہوتے نہ دیکھا ہو یقیناً ایک حیرت انگیز بات تھی۔ فریدی نے ہوٹل سے نکل کر شہر کی راہ لی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ مجھر اُس کے متعلق ہر ایک سے پوچھتا پھر رہا ہو گا۔ وہ دراصل اس وقت گروہی کی میلائش میں لکھا تھا۔ مجھر نظر سے اس کا طبقہ ”آخ ر آپ اتنے ضدی کیوں ہیں۔“ غزالہ چھپھلا گئی۔

”میں خود بھی اکثر یہی سوچتا ہوں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اچھا آپ تمہرہ بند کر دیجھے گا۔“ بھی اسے معلوم ہو گیا تھا اور ودیہ بھی جانتا تھا کہ گروہی اس وقت شہر کے ایک ایسے ہوٹل میں فریدی تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا دوسری راہ پر ایسی میں مڑ گیا۔ سامنے سے شہزاد آرہی تھی اور ملے گا جس میں بار بھی ہے وہ اب یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اُسے وہاں شکاریوں کی وضع میں نہ جانا۔ اس نے شاید فریدی کو دیکھ لیا تھا۔ غزالہ کے قریب آکر اس نے پوچھا۔ ”یہ کون تھا۔“

”ایک پاگل تھا۔... خبیث تھا۔... آدمی نہیں تھا۔“ غزالہ پیر خیچ کر بولی۔ اس بیچاری نے سرزی شباب پر تھی۔ اون کے استرد والے لائگ بوٹ بختنے لوہے کی طرح پتندیوں سے سینکڑوں پر اپنے ہوائی قلعوں میں فریدی کو دلیپ کمار بنا کر دیکھا تھا مگر یہ اپنے گوشہ و پوست پکی معلوم ہو رہے تھے۔ مگر فریدی کے ذہن میں صرف ایک بات تھی۔ حمید کی بازیابی۔... اُسے میں ہمیشہ شخص خدا ثابت ہوا تھا۔ اس وقت بھی اسے موقع تھی کہ وہ اپنے لمحے میں نبے اختیاری اور موسم کی اذیت کا احساس نہیں تھا۔

پیار کا انداز پیدا کر کے اس کی جادہ حیات کو متحرک کر سکے گی۔

”میں نہیں سمجھی۔“ شہزاد نے کہا۔

”اس کرے میں کون رہتا ہے۔“

”فریدی صاحب۔“ شہزاد نے تحریر انداز میں پوچھا۔

”حید صاحب نے کوئی شرارت فرمائی ہے۔“ غزالہ ہونٹ سکوڑ کر بولی۔ ”خواہ مخواہ سب کو وہاں سے فریدی اُس ہوٹل میں آیا جہاں پر گروہی سے ملاقات ہو جانے کی موقع تھی اور پھر اُسے گروہی کو بیچاں لیتے میں دشواری نہ ہوئی۔ گروہی ان آدمیوں میں سے نہیں تھا جو اپنی خصیت کے اعتبار سے کسی بھیز میں ضفر ہو کر رہ جاتے ہیں۔ مجھر نظر سے اس کی خاص نشانی شہزاد کو غزالہ کا جلد اتنا گراں نہیں گزرا جتنا کہ لہجہ ناگوار معلوم ہوا۔ اُسے بہر حال حید سے انسیت تھی اور یہ انسیت نی نہیں تھی۔ سالہاں سال سے وہ دونوں ایک دوسرے سے بے تکلف تھے لیکن چونکہ دونوں تعلیم یافتہ اور سمجھدار تھے اس نے انہیں عشق کاروگ نہیں لگا تھا۔ شہزاد صرف ہونٹ پیبا کر رہ گئی۔ وہ غزالہ کی جھلائیت کی وجہ بھی جانتی تھی اگر کوئی اور موقع ہوتا تو وہ اس پر طنز کئے بغیر نہ مانتی لیکن آج وہ خود بہت زیادہ پریشان تھی۔

غزالہ نے فریدی کا کمرہ مقتول کیا اور اپنے کرے کی طرف چلی گئی۔

فریدی نے ڈائینگ ہال سے گذرتے وقت حسوس کیا کہ مجھر اُسے تحریر آمیز انداز میں گھوڑا ہے اور اب حقیقت اُسے اپنی جلد بازی پر افسوس ہونے لگا۔ ظاہر ہے کہ ہوٹل میں واردات اُسی ہو چکی تھی۔ اس کی نظریں خلاء میں نہ جانے کس چیز پر جمی ہوئی تھیں اور اس کا بیان شانہ رہ رہا کرتی تھیں۔

”اُس وقت میز پر تھا تھا اور اس کے سامنے شامیں کی دو خانی بُتلیں پڑی تھیں اور تیری اُوچی ہو چکی تھی۔ اس کی نظریں خلاء میں نہ جانے کس چیز پر جمی ہوئی تھیں اور اس کا بیان شانہ رہ رہا کرتی تھیں۔“

رہ کر ایک خاص انداز میں جبٹش کرنے لگتا تھا اور اسی کے ساتھ ہی اس کی موچیں سمشنے اور گتی تھیں۔

فریدی قریب ہی ایک میز پر دونوں ہاتھ میک کر کھڑا ہو گیا اور چند ہیائی ہوئی آنکھوں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کوئی دھقان پہلی بار شہر آیا ہو۔ ایک دیٹر لپک کر اس کے قریب آیا۔

”میں برف ہو گیا ہوں۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”مجھے کافی چاہئے... گرم کھولتی ہوئی دیٹر اسے بینٹھنے کا اشارہ کرتا ہوا چلا گیا۔ فریدی کو بینٹھے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ دفعہ اگر نے اس کی طرف دیکھا اور ٹھیک اسی وقت فریدی کی میز کے قریب سے گزرنے والے کچھ لوٹ میں سے ایک نے اس کی مصنوعی ڈاڑھی پکڑ کر کھینچ لی۔ فریدی یہ بھی نہ دیکھ سکا کہ وہ کون تھا پھر پانچ یا چھ آدمیوں کی وہ پارٹی قبیلے لکاتی ہوئی ایک دروازے میں داخل ہو گئی۔ گروئی ہونٹ تھیں آمیز انداز میں ذرا سے کھلے اور پھر بند ہو گئے۔ اس نے اتنی سختی سے دانت پر جائے کہ جڑوں کے مسلس اُبھر آئے۔

فریدی کے ہونٹوں پر صرف موچیں رہ گئی تھیں۔

گروئی اپنی جگہ سے اٹھ کر فریدی کے قریب آیا اور اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر قہ آمیز انداز میں آہستہ سے بولا۔ ”کیوں دوست... کون ہوتا۔“

”فرشتہ...!“ فریدی بڑے معصومانہ انداز میں مسکرا یا۔

”نلتی ڈاڑھی میں۔“ گروئی نے طنزیہ لجھ میں کہا۔

”وہ ڈاڑھی نہیں گالوں کی پوستین تھی... آج بڑی ٹھنڈک ہے۔“ فریدی اپنی ہتھ ایک دوسری سے رگڑتا ہوا بولا۔

بُرے پھنسنے

نار کے بہت تھوڑے حصے میں روشنی تھی۔ سگار لا یئٹر کی روشنی ہی تھی۔

حید حیران آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ آخر قام کہاں تھا۔

قریب ہی سے آرہی تھی لیکن حید کا ذہن کچھ اس طرح چکر لیا ہوا تھا کہ وہ کتنی منت تک آواز کی سمت کا اندازہ نہ لگا سکا۔ اس دوران میں وہ لا یئٹر کو جلاتا اور بجا تارہ۔

وہ جب بھی لا یئٹر جلاتا قاسم کی آواز اچانک تیز ہو جاتی۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے لا یئٹر کا شعلہ اس کے جسم کے کسی حصے سے جال گا اور تکلیف کی وجہ سے اس کی چیز نکل جاتی ہو۔

بڑی دیر کے بعد یہ بات حید کی سمجھ میں آئی کہ آواز نیچے سے آرہی ہے۔ اس بار جیسے ہی اس نے لا یئٹر جلا یا اور قاسم کی چیز نکلی وہ آواز کی سمت چل چاہا اور پھر اس کی نظر در اس بھی چوک جاتی تو وہ ایک گڑھے میں ہوتا۔ اس نے لا یئٹر نیچے کیا۔ گڑھا کیا تھا اچھا خاصاً کو اس تھا لیکن گہرائی پانچ یا چھ فٹ سے زیادہ نہیں تھی ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اسے خاص طور پر پھر تراش کر بنایا گیا ہو۔ دہانی کا دائرہ اپنی باقاعدگی کے اعتبار سے کسی پر کار کا رہیں منت معلوم ہوا تھا۔ حید نے قاسم کو دیکھا جو اسی گڑھے کی تہہ میں اکڑوں میخاس گھنٹوں میں دینے اپنا غلی عمل دہرا رہا تھا۔ حید کو فہم آگئی۔

”اویمڈھگ...!“ حید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”یہ کیا ہو رہا ہے۔“

”ہمیں... حید بھائی۔“ قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے شانے گڑھے کے باہر نکلے ہوئے تھے۔ پھر اس نے لا یئٹر کی روشنی میں اس گڑھے کا جائزہ لیا اور ہٹنے لگا۔

”لاحوال ولا قوہ... میں سمجھا تھا شاید بوتل میں بند ہوں۔“ قاسم نے کہا اور گڑھے کے اوپر دونوں ہاتھ بھاکر بیاہر آگیا۔

”مگر... حید بھائی... ہم کہاں ہیں۔“

”فریدی صاحب کی سرماں میں۔ مگر خدارا مجھ سے یہ نہ پوچھنا کہ ان کی شادی کب اور کہاں ہوئی تھی۔“

”کیا رات ہو گئی۔“ قاسم نے جماہی لے کر کہا۔

”رات کے بچے ہم کسی غار میں بند کر دیتے گئے ہیں۔“

”تب تو رات مرنے میں نکلے گی۔“ قاسم دوسری جماہی لیتا ہوا بولا۔ ”مگر یہاں مجرم بکثرت معلوم ہوتے ہیں۔“

حید نے لا یئٹر بھا دیا وہی تو اس اندر ہیرے میں ڈوبجے کو شکنے کا سہارا تھا اگر اس کی بھی

اپرٹ ختم ہو جائی تو کیا ہوتا۔

حمدید تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ”قاسم اگر ہم اسی غار میں مر گئے تو کیا ہو گا۔“

”حمدید بھائی.... مرنے کی بات نہ کرو مجھے روتا آ جاتا ہے۔“

”تو پھر بیباں سے کس طرح نکلیں گے مجھے تو کوئی ایسا راستہ نظر نہیں آتا۔“

”لیکن ہم بیباں پہنچ کس طرح۔“ قاسم نے کہا۔ ”میں گر پڑا تھا مجھے اچھی طرح یا حمید بھائی تم بھاگے کیوں تھے۔“

”ختم کرو یہ قصہ.... کچھ سوچو۔“ حمید جلدی سے بولا۔

”میں بہت دیر سے سوچ رہا ہوں کہ کچھ سوچوں.... مگر....!“

”حمدید کچھ سوچتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ”ہم بیباں پہنچ کس طرح۔“

”حمدید بھائی مجھے عمل پڑھنے دیجئے ورنہ کوئی مصیبت آجائے گی۔“

حمدید نے پھر لاٹھر جلایا اور وہ کنارے کنارے آگے بڑھنے لگے۔ غار کا فی کشادہ تھا۔

حمدید نے محسوس کیا کہ وہ اس سے پہلے بھی آدمیوں کی قیام گاہ بنتا رہا ہے۔ اسے ایک کچھ پھٹے پرانے کپڑے دکھائی دیئے۔ حمید نے انہیں بیر سے پھیلایا۔ ان کے نیچے اسے آدھ جلی موم بتیا ملیں۔ اس نے انہیں اٹھایا اور نہایت احتیاط سے جیب میں ڈال لیا۔

اسے ایک روشن کری اور سگار لاٹھر بجھا دیا۔ موم تیوں کاملنا ایک بہت براہما راتھا۔

”حمدید بھائی۔“ قاسم نے سر گوشی کی۔ ”بھوٹ بھی موم بتیا جلاتے ہیں۔“

”قاسم! تم زندہ رہنا چاہتے ہو یا مرنا۔“ حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”گک.... کیوں....!“ قاسم اس کی سنجیدگی پر بول کلایا۔

”اگر مرنا چاہتے ہو تو دسری بات ہے.... ورنہ فی الحال بھوٹ کا خیال دل سے نکلا اس وقت ہم آدمیوں کی قید میں ہیں۔“

”آدمیوں کی قید میں؟“

”ہاں.... بھوٹ موی شعیں نہیں جلاتے ہیں۔“

”بھی تو میں بھی کہہ رہا تھا۔“ قاسم نے سر ہلا کر کہا۔ ”تب تو حمید بھائی بیٹھو۔“

قاسم بڑے اٹپینان سے پا لٹھی مار کر بیٹھ گیا۔

”کیوں؟“

”اے جب آدمیوں نے ہمیں بند کیا ہے تو کوئی نہ کوئی راستہ ضرور ہو گا۔ جب وہ دوبارہ وابس آئیں گے دیکھ لیا جائے گا۔“

”ہم نہیں ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”چھوڑو بھی حمید بھائی.... دیکھا جائے گا۔ ویسے بھوک بہت زور سے لگ رہی ہے۔“ قاسم نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔ ”نیند بھی آ رہی ہے۔“

”تو تم صرف بھوتوں سے ڈر رہے تھے۔“

”اور کیا....!“ قاسم نے کہا۔ ”میں تو دراصل بھوٹ کے خیال سے پریشان تھا اور آدمیوں میں اپنے باپ کے علاوہ اور کسی سے نہیں ڈرتا۔“

”ٹھیک ہے۔“ حمید اس کا شانہ تھکلتا ہوا بولا۔ ”آؤ انہوں باہر نکلنے کا راستہ تلاش کریں۔“

”چلو....!“ قاسم کھڑا ہو گیا۔

”ونعتا حمید نے پھوک مار کر موم تی بجھا دی۔“

”کیا ہو۔“ قاسم نے سر گوشی کی۔

”کوئی آرہا ہے.... چلو اور ہر اس طرف آ جاؤ۔“

کئی قدموں کی آوازیں غار میں گونج رہی تھیں لیکن وہ دور ہی ہوتی گئیں۔ پھر سننا چھا گیا۔

”یہ کیا تھا۔“ قاسم نے آہستہ سے پوچھا۔

”کوئی آرہا ہے.... چلو اور ہر اس طرف آ جاؤ۔“

کئی قدموں کی آوازیں غار میں گونج رہی تھیں لیکن وہ دور ہی ہوتی گئیں۔ پھر سننا چھا گیا۔

”یہ کیا تھا۔“ قاسم نے آہستہ سے پوچھا۔

”پتہ نہیں.... چپ چاپ بیٹھے رہو۔“

حمدید سوچ رہا تھا کہ وہ آوازیں غار کے باہر کی نہیں ہو سکتی تھیں کیونکہ باہر اب بھی کافی برف ہو گی۔ لیکن اگر غار کے اندر ہی کی آوازیں تھیں تو غار کتنا میا پوچڑا ہے۔

”وہ دوبارہ اٹھ بھی رہا تھا کہ اسے پھر کچھ آوازیں سنائی دیں۔“

”یہ کیا ہے۔“ قاسم نے پوچھا۔

”ضرور یہی بات ہے۔“ پہلے نے سر ہلا کر کہا اور قاسم کے منہ سے ایک لمبی سی ”ہائیں“ نکل رہی تھی۔

”ستو...!“ حمید جھلا کر بولا۔ ”ہماری رائفلس اور رویا اور ہمیں واپس دے دو۔ پھر ہمارا ہمکہ اڑا۔ نہتوں کے منہ پر تھوکنا بہادری نہیں ہے۔“

”ارے یہ حق مجھ خود کو دنیا میں محسوس کر رہے ہیں۔“ ایک مشعل بردار بولا۔

وہ چاروں بھی بظاہر نہتھے ہی تھے۔ حمید نے قاسم کو اشارہ کیا۔

”وکھٹھے... یہ سب بیکار ہے۔“ ایک بولا۔ ”یہ دنیا نہیں ہے۔ لبادگی سے کام نہیں چلے گا۔ زرافت سے چلے اور کھانا کھا لجئے کیونکہ ابھی آپ دونوں کے تابوت بھی تیار کرنے ہیں۔“

”تابوت... یعنی... لگک...!“ قاسم تھوک نگل کر بولا۔

”وفتن حمید کے چہرے پر زماہش دوڑ گئی اور اس نے بڑے میٹھے لبجھ میں کہا۔ ”چلے۔“

قاسم لاکھ احتق کی یعنی ان سے حمید کے روئے میں بے ساختہ قسم کی تبدیلی دیکھ کر بڑی حرمت ہوئی۔

پھر وہ ایک سرگ نماراستے سے گزر رہے تھے۔ دونوں مشعل بردار حمید اور قاسم کے آگے تھے اور دو آدمی اُن کے پیچھے چل رہے تھے۔ سرگ زیادہ کشادہ نہیں تھی اس لئے قاسم کو جھک کر چلانا پڑ رہا تھا۔

مشعلوں میں جلنے والا ایندھن شائد کسی چیز کی چربی میں ڈبو پا گیا تھا۔ جس کی چاندھ سے کم از کم حمید کا دم اتنے لگا تھا۔

تحوڑی دور چلنے کے بعد وہ پھر ایک کافی کشادہ غار میں پہنچ گئے۔ یہ غار سو فیصدی انسانی کارنامہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کا فرش مسطح تھا اور چاروں طرف کی چٹانوں کو اتنی خوش سیلیگنی سے تراشایا تھا کہ وہ کسی عمارت کی دیواریں معلوم ہو رہی تھیں۔ چھت میں اعلیٰ قسم کی نقاشی تھی۔ جا بجا موئی شمعیں جل رہی تھیں۔ حمید کو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے وہ فرعون کی قبر میں گھس آیا ہو۔ یہاں بظاہر کسی طرف سے بھی ہوا آنے کی گنجائش نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی شمعوں کی لوئیں قدر تھیں اور گھٹن کا احساس بھی نہیں تھا۔

قاسم آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ آخر وہ ڈری ڈری سی آواز میں بڑا لیا۔

حمدی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آوازیں دور کی تھیں ایسا معلوم ہوا تھا جیسے لکڑی کے صندوق میں کلیں جزی جاری ہیں اور یہ سلسلہ دیر تک قائم رہا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا کیا کرے۔ اچانک اسے غار کی ایک اندر وہی چٹان پر سرخ سی روشنی دکھائی دی جو رفتہ رفتہ ہو کر پھیلتی جا رہی تھی۔

اب انہوں نے قد مون کی آوازیں سنیں۔ حمید سمجھ گیا کہ کوئی روشنی لے کر آ رہا ہے چٹان پر روشنی پر رہی تھی غالباً اسی کے سامنے کوئی راستہ تھا۔

قد مون کی آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں۔ پھر چٹان کی اوٹ سے ایک بڑا سائلہ با طرف پکا۔ قاسم اور حمید اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

دوسرے لمحے چار آدمی اُن کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں انہوں نے اپنے چہرے سیاہ نقابوں سے چھپا رکھے تھے اور اُن کے جسموں پر لمبی پوستینیں تھیں وہ چاروں مسود بانہ انداز میں قاسم اور حمید کے سامنے بھیکھے۔ قاسم بولکھا کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

”معزز مہماںوں سے استدعا کی جاتی ہے کہ طعام تادول فرمائیں۔“ اُن میں سے ایک نے حمید بھی سانسی میں آگیا۔ اسے اس کی توقع نہیں تھی۔ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ آنے والیں یا تو مارڈالیں گے یا کسی اذیت میں مبتلا کریں گے۔

”آپ کون ہیں۔“ حمید نے پوچھا۔

”فرشتے۔“ چاروں نے ایک ساتھ کہا۔

”کبھی بھوت۔“ قاسم بڑا نے لگا۔ ”اور کبھی فruste۔ کہیں ہمارا دماغ تو نہیں چل گیا۔“ سننے جاتا۔“ حمید اپنا اپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ ”اس طرح کسی آدمی کو قید کر دیتا بہت برا جرم ہے۔“

”قید... قید سے کیا مطلب۔“ اُس نے تھیر آمیز آواز میں کہا۔

”مطلوب پولیس بتائے گی۔“

”پولیس... یہ کیا چیز ہے۔“ اس بار بھی اس کے لمحے میں حرمت تھی۔ اچانک اُن میں سے ایک دوسرا آدمی بولا۔ ”کہیں یہ لوگ خود کو دنیا میں تو نہیں سمجھ رہے ہیں۔“

حید بھائی کچھ نہ بولے کیونکہ انہیں بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے یہاں پا
طرف کفن میں لگائے جانے والے عطر اور کافور کی ملی جل خوشبو پھیلی ہوئی ہو۔

"آپ لوگوں کے تابوت...." "ہمراہ ہیوں میں سے ایک نے کہا۔" ایسے فرست کلار
کر دیکھ کر طبیعت خوش ہو جائے گی۔ ان کے اندر اپر گلدار گدے لگائے گئے ہیں۔"

"تو ہماری رو حیں ابھی بقیہ نہیں کی گئیں۔" حید نے بڑے بھولے پن سے پوچھا
"کیا مطلب....!" قاسم اچھل پڑا۔

چاروں پنس پڑے۔

دفعتاً قاسم کی نظر دستر خوان پر پڑی، جو ایک کونے میں بچھا ہوا تھا اور جس پر قامیں اور
جنی ہوئی تھیں۔ وہ اس قبر ستانی ماحول کو بھلا کر کسی ندی میں بچ کی طرح منہ چلانے لگا۔

"آئیے! کھانا حاضر ہے۔" ایک نے کہا۔ "فضل باتوں میں وقت بر باد کرنے سے کیا فائدہ
قبل اس کے کہ حید کچھ کہتا قاسم دستر خوان پر جم گیا۔ پھر اس نے ہانک لگائی۔

"آؤ.... آؤ حید بھائی۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" حید نے اسامنہ بنا کر بولا۔

"چلو بیٹھ جاؤ۔" ایک آدمی نے حید کی گردان میں ہاتھ دے کر دستر خوان کی طرف
دیا۔ حید پلٹ پڑا ایسے موقع پر اس کا ہاتھ کبھی غلط نہیں پڑتا تھا۔ دھکادینے والا دوسری طرز
دیوار سے جا گکرایا۔ حید دوسرے پر ٹوٹ پڑا۔

بات اب قاسم کی سمجھ میں آئی وہ شور بیاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ چاروں حید پر بل پڑے
قاسم نے ایک کی ناگ کپڑلی۔ وہ ایک ناگ پر اچھلنے لگا۔ اب اس نے اس کو بازوں سے کپڑا
سے بلند کیا اور اس کے ایک ساتھی پر قش دیا۔ دونوں بیک وقت ڈھیر ہو گئے۔

بیتے دو آدمی حید کو چھوڑ کر قاسم سے لپٹ پڑے اور پھر تھوڑی ہی دیر کی جدو جہد کے
ان کی گرد نیں بھی اس کے بازوں میں آ گئیں۔

"حید بھائی۔" قاسم چینا۔ "تم جلدی سے کھالو۔ پھر انہیں کپڑو تو میں بھی کھالوں۔"

"اے اندھا تھیں غارت کرنے" حید دانت پیس کر بولا۔ "کھانے کے بچے نکلو بھیں نے جلد

"بھوک میں چلا نہ جائے گا۔" قاسم مسکی صورت بنا کر بولا۔

اس کے دونوں شکار اس کے بازوں میں بچتے ہوئے بڑی طرح چل رہے تھے اور قاسم ادا
کی طرف سے اس طرح بے پرواہ نظر آ رہا تھا جیسے اس نے دو شریروں کو قابو میں کر لیا ہو۔

"ان دونوں کے سر لڑاڑ اور نکل چلو۔ شاش۔" حید نے گھنگھیاٹے ہوئے لجھے میں کہا۔

قاسم نے ایک کے سر پر اپنا سر دے مارا اور وہ جنخ مار کر کسی چچکلی کی طرح پٹ سے فرش پر
گزپڑا۔ پھر وہ دوسرے کے ساتھ بھی بھی بر تاؤ کرنے جا رہا تھا کہ خود اس کے منہ سے ڈری ڈری
کی چینیں نکلتے لگیں۔

دوراڑے میں برف کا بھوت کھڑا تھا۔ موی شمعوں کی روشنی میں اس کا سفید جسم براخوف
تک لگ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے اپنا ایک ہاتھ ان دونوں کی طرف بڑھایا اور اس عمارت نما غار میں
برف کے ذرات اڑانے لگے۔ قاسم کی آخری چیز دل ہلا دینے والی تھی۔ وہ ایک بہت بڑے شہیر کی
طرح حرم سے زمین پر آ رہا۔ حید دیوار سے لگا سہا کھڑا تھا۔ موی شعیں گل ہو گئیں اور برف کے
ہیں زرات حید کے چہرے سے نکراتے رہے۔ آخر اس کا بھی وہی حرث ہوا جو قاسم کا ہوا تھا۔

گرومی

گرومی فریدی کو گھورتا رہا اور فریدی سوچ رہا تھا کہ شانکر یہ ہوئی اس کا مستقل اڈہ ہے اور
یہاں کا سارا عملہ اس کے ہاتھ میں ہے ورنہ کسی دوسرے آدمی کو اس کی مصنوعی ڈاڑھی نوپنے کی
جرأت کیسے ہوتی۔

فریدی نے بڑی بے پرواہی سے چاروں طرف دیکھا اور اپنے گاؤں کے بچے بچے بال صاف
کر کے بڑھانے لگا۔ "یہ لڑکا کہاں مر گیا۔ کتنی سردی ہے۔"

اس کی موچھیں اب بھی برقرار تھیں۔

گرومی کری گھیٹ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"کون ہو تم؟" اس باراں نے سخت لجھے میں پوچھا۔

"میں نہیں بھجھ سکتا کہ تمہیں اس سے کیا سر دکار۔" فریدی جھنجلا کر بولا۔ "اپنا کا

یہی کے چہرے پر الٹ دی۔

فریدی اچھل کر کھڑا ہو گیا اور قبل اس کے کہ گروہی بھی اپنی کرسی چھوڑتا اس نے میزالتی۔ وہ کری اور میز سمیت فرش پر جا رہا۔ لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے لیکن ان کی توجہ ریدی سے زیادہ گروہی کی طرف تھی۔

فریدی کے لئے اتنا ہی موقع کافی تھا۔ وہ لوگوں کو بھیڑ میں ملتا ہوا دروازے سے باہر نکل یا۔ لیکن اس نے وہاں سے چلا جانا مناسب نہ سمجھا۔

یہ ہوٹل شہر کے ایک بھرے بہرے حصے میں تھا لیکن اس وقت وہاں قبرستان کا ساستا تھا۔ بڑکوں پر آمد و رفت زیادہ نہیں تھی۔ کبھی کبھی ایک آدھ آدمی بر فیں لڑکھڑاتے نظر آجاتے تھے۔ مقامات کی کھڑکیوں کے شیشوں تک پر دیز پروے کھنخن دیئے گئے تھے۔ چاروں طرف باری کی کراج تھا۔ ایسا معلوم ہوا رہا تھا جیسے زندگی بھی ٹھہر کر ساکت ہو گئی ہو۔

فریدی تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا ایک مکان کی پشت پر آیا اور اپنی مصنوعی موچیں اللہ لردیں۔ سر سے بال دار ٹوپی اتار کر اسے الٹ لیا۔ بال پیشانی پر بکھر کر الٹی ٹوپی سر پر منڈھالی۔ وہ لئی پوتیں۔ تو وہ ایک عام وضع کی تھی۔ نیکم گذھ کے سینکڑوں افراد کے پاس ولیں ہی پوتیں رہی ہو گی۔ اور پھر جب وہ روشنی میں آیا تو گروہی بھی اسے نہ پہچان سکا۔ فریدی کے قدم لڑکھڑا رہتے تھے۔ ایسا معلوم ہوا رہا تھا جیسے وہ بہت زیادہ پی گیا ہو۔ ہوٹل کے باہر کھڑے ہوئے لوگوں نے اسے دیکھا اور ہنسنے لگے۔ کیونکہ اس نے اپنی ٹوپی کا استرا پر کر کھا تھا۔

گروہی کی کھلکھل کتے کی طرح غریا۔ فریدی نے محسوس کیا کہ وہ اب تھا نہیں ہے۔ اس کے دو آدمی اور تھے۔ فریدی بھی ان کے قریب کھڑے ہوئے لوگوں میں مل گیا۔

”میا کدھر....؟“ گروہی کا ایک ساتھی کہہ رہا تھا۔

”میں نے نہیں دیکھا۔ آؤ چلیں۔“ گروہی نے کہا اور تینوں ایک طرف پڑھ لے گئے۔ بقیے لوگ بڑھ رہوٹل میں چلے گئے۔ فریدی وہیں دیوار سے اٹا کھڑا نہیں جاتے دیکھا رہا۔ جب وہ کافی دور نکل گئے تو وہ بھی ان کے پیچھے روانہ ہو گیا۔

اسے زیادہ دیر تک نہیں چلا پڑا۔ تقریباً دس منٹ بعد اس نے انہیں ایک بڑے مکان میں داخل ہوتے دیکھا۔

”تم بچ کر نہیں جاسکو گے۔“ گروہی کی سرخ سرخ آنکھوں سے لویں سی نکتی معلوم ہونے لگیں ”کیوں؟“ فریدی اپنی داتنی بھنوں میں تیکھے انداز میں تان کر بولا۔

گروہی جواب دینے کی بجائے اسے گھورنے لگا۔

”سنودو نہست۔“ فریدی نے اسے مخاطب کیا۔ ”اگر ڈاڑھی اکھاڑنے والا تمہارا ہی آدمی میں تمہیں حشر تک معاف نہ کروں گا۔“

”ہونہہ.....!“ پہلے گروہی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور پھر یہ مسک بتدرب تھی بھی اور بھی قبیلے میں تبدیل ہوتی گئی۔

فریدی خاموشی سے گھوڑا تارہا۔ لیکن انداز میں خوف کی بجائے شوغی تھی۔ دیٹر کافی کی ٹڑے لایا لیکن میز پر ڈاڑھی والے کونہ پا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

”کیا بات ہے؟“ گروہی نے اسے مخاطب کیا۔

”وہ ڈاڑھی والا کدھر ہوتا سالا ہڑم ہو گیا۔“ دیٹر اسامنہ بنا کر بولا۔

”چلو آئیں ہی بات ہے۔“ گروہی نے کہا۔ ”اسے یہاں رکھ دا اور میری بوتلیں بھی یہیں اٹھا گروہی کے اس رویہ پر فریدی کو اپنا پہلا خیال ترک کر دینا پڑا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ گر حیثیت یہاں ایک معزز گاہک سے زیادہ نہیں۔

”اس شرافت کا شکر یہ۔“ فریدی کافی اٹھیتا ہوا مسکرا کر بولا۔

گروہی پکھنے بولا۔ اس کی بوتلیں بھی اسی میز پر آگئیں۔ اس نے خالی بوتلوں کو بڑے اپنے سامنے رکھ لیا اور چوٹھی بوتل سے گلاس میں اٹھانے لگا۔

”تم یہ نہ سمجھتا کہ میرے فولادی بچوں سے فیکر نکل جاؤ گے۔“ گروہی شامیں ہونٹوں تک لے جاتے ہوئے رک کر بڑا بڑا۔

”اپنی خیر مناؤ۔“ فریدی نے اسی انداز میں کہا۔ ”تمہارے آدمی نے میری ڈاڑھی اچھا نہیں کیا۔“

”وہ میرا آدمی نہیں تھا۔“ گروہی چھمچلا کر بولا۔ ”میں اسے نہیں جانتا۔“

”تم جھوٹے ہو۔“ فریدی نے بڑے توہین آمیز لہجے میں کہا۔

”کیا؟“ گروہی غریا۔ وہ اسے قہر آکر نظروں سے گھوڑا تارہا پھر اس نے اپنے گلاس ک

پھر تھوڑی دیر بعد فریدی اس مکان کی چھت پر تھا۔ لیکن اسے جلد ہی اپنی حمact پر آئے گا۔ مکان میں کوئی صحن نہیں تھا اس لئے اندر داخل ہونے کے امکانات کا سوال ہی نہیں تھا۔ البتہ فریدی نے آتش دان کی چینیوں کی تعداد سے مان کے کمروں کی تعداد کا اندازہ ضرور لگایا۔ جب وہ ایک چمنی کے قریب سے گزر رہا تھا تو اسے کچھ آواز بس سنائی دیں جن میں سے اس نے گردی کی آواز صاف بیکھانی۔

اس نے رک کر اپنے کان چمنی سے لگادیے۔

”تم میں سے کون تھا جس نے اس کی ڈاڑھی اکھاری تھی؟“ گردی کی غراہست سنائی دی۔
کنی سینند تکھ دوسرا آوازنہ آئی۔

”بولو.... کیا تم بہرے ہو۔“ گردی ہی بولا۔

”کوئی نہیں.... ہم میں سے کوئی نہیں تھا۔“ کئی آوازیں بیک وقت سنائی دیں۔

”کوئی باہر تو نہیں۔“

”کوئی بھی نہیں.... سب موجود ہیں۔“

”لیکن کیوں موجود ہیں۔“ گردی حلقت چاہز کر چیخنا۔ ”تمہارا اس وقت یہاں کیا کام۔“

چند سینند خاموشی رہی پھر ایک آواز سنائی دی۔ ”سیتل گھٹائی میں پولیس کا پہرہ ہے۔“

”ہم نے سوچا.... سیتل گھٹائی۔“

”پچھے نہیں۔“ گردی نے چیخ کر بولنے والے کی بات کاٹ دی۔ ”کام نہ رکنا چاہئے۔ میں کہ

نہیں جانتا.... پلے جاؤ.... نکلو.... دنیا کے سارے گدھے میرے ہی پلے پڑے ہیں۔“

چند لمحوں کے بعد فریدی بنے بہت سے قدموں کی آوازیں سنیں۔ پھر سنانا چھا گیا۔

وہ چمنی کے قریب سے ہٹ کر چھت کے کنارے آکیا۔

یونچے کچھ لوگ مکان سے نکل رہے تھے۔ یہ تعداد میں گیارہ تھے۔ فریدی انہیں اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک کہ وہ نشیب میں نہیں اتر گئے۔

پھر وہ بھی پچک سے اتر اور ان کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ تعاقب کا مقصد محض یہ دیکھنا تھا کہ لوگ کدھر جاتے ہیں۔

لیکن وہ سیتل گھٹائی کی طرف نہیں جا رہے تھے۔ فریدی کافی دیر تک ان کے پیچھے پھر۔

متوجہ واقعہ پیش نہیں آیا۔ بن وہ بھتی کے باہر اکاڈ کا لوہریوں کو شکار کرتے رہے۔ فریدی کو تھی کہ وہ ان کے ذریعہ حمید اور قاسم کا سراغ پا سکے گا۔ وہ ان کی شکلیں بھی دیکھنا چاہتا تھا اندر ہرے میں یہ بات ناممکن تھی۔ اس کے ذہن میں ان دونوں شکاریوں کی صورتیں محفوظ رہنے سے سیتل گھٹائی کے ایک غار نیں مژہبیت ہوئی تھی اور جو آخر کار انہیں جل دے کر نکل گئے تھے۔ اگر وہ دونوں واقعی گردی ہی کی پارٹی سے تعلق رکھتے تھے تو پھر حمید اور قاسم ہما مشکل نہ ہو گا۔ فریدی کو یقین تھا کہ اس غار میں پیش آئے والے واقعات کے ذمہ دار وہی شکاری تھے۔

فریدی انہیں شکار میں مشغول چھوڑ کر پھر مکان کی طرف پلتا جہاں گروہی تھا۔ بارہ بج پہنچ درستائی میں لوہریوں کی آوازوں کے علاوہ اور کچھ نہیں سنائی دے رہا تھا۔ بھی کبھی ایک فائز کی آواز بھی فضا میں لہرا کر رہ جاتی۔

گردی کے مکان کی کھڑکیوں میں اب بھی روشنی نظر آ رہی تھی۔ اس نے اندازہ لگایا کہ ما تھا ہے۔ وہ اب بھی ایک کرے میں بیٹھا شراب پی رہا تھا اور خالی بو تلیں اس نے بڑے سے اپنے سامنے سجارت کھی تھیں۔

فریدی سوچنے لگا کہ کہیں قاسم اور حمید اسی مکان میں نہ ہوں۔ اس نے مکان کے آخری کی ایک کھڑکی کا شیشہ توڑا۔ اندر رہا تھا ڈال کر چینی گرائی اور پھر دوسرے لمحے میں وہ اندر تھا۔ یہاں سات چھوٹے چھوٹے کرے تھے، جو ایک کے علاوہ سارے خالی نظر آ رہے تھے اور کرے میں گردی اپنی خالی اور بھری بو تکوں کے ساتھ تھا۔

فریدی پورے مکان کا چکر کاٹ کر گردی کے کرے کے سامنے رک گیا۔ مکان میں اُسے انکی چینی نہ مل سکی جو قانوناً قابل گرفت ہوتی۔ فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بڑی بے باکی گردی کے کرے میں داخل ہو گیا۔ گردی کامنہ جیرت سے کھل گیا تھا۔ قمل اس کے کام جیب کی طرف جاتا، فریدی نے روپا اور نکال لیا۔

”اپسے دونوں ہاتھ میز پر رکھ لو۔“ فریدی نے کہا۔

گردی نے بے چوں و چرا قیلیں کی۔ فریدی کو اس بات پر سخت جیرت تھی کہ گردی ہو ٹھی بھی پیتا رہا تھا اور اب بھی پی رہا تھا لیکن اس کی ظاہری حالت سے ہرگز ایسا نہیں معلوم ہوتا۔

"تم کون ہو؟" اُس نے بڑے ملائم لمحے میں پوچھا۔

"وہی جس کے منہ پر تم نے شراب پھینکی تھی۔" فریدی نے کہا۔

گروہی نے میز پر زور دے کر اٹھنا چاہا۔

"تکلیف نہ گروہ۔" فریدی خنک لمحے میں بولا۔ "میں بہت پُر امن آدمی ہوں۔ لیکن جو۔" تھیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں تمہارے ساتھیوں کے متعلق کچھ نہیں جانتا لیکن دیے جانے پر خونخوار بھی ہو جاتا ہوں۔ تھیں میرے دونوں ساتھیوں کا پتہ بتانا پڑے گا۔" غرماش...! اگر وہی کچھ کہتے رک گیا۔ چند لمحے اس کی پیشانی پر گہرے تکری کی سلوٹیں پڑیں پھر وہ آہستہ سے بولا۔ "تم صرف دونوں ساتھیوں کے لئے پھر رہتے ہو۔ میں نے دس سال میں ساتھیوں کا پتہ... کیسے ساتھی۔"

"گردی میں بہت نہ آدمی ہوں۔"

"آدمی نہیں... بچے ہو۔" گروہ مسکرا کر بولا۔ "بیٹھ جاؤ۔ میرے پاس شامیں کیم۔" فریدی اسے تیز نظر دوں سے گھورتا رہا تھا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ "تو کیا دہ دونوں پیشیاں ہیں... کچھ ملاوہ گے یا سادی پیو گے۔ میں تو ہمیشہ سادی پیتا ہوں۔" تمہارے ساتھیوں میں سے نہیں تھے، جو ہمیں سیل گھائی کے ایک عار میں ملے تھے۔

"بچھے علم ہے! وہ میرے ہی آدمی تھے۔ انہوں نے تھیں غرماش کی پارٹی کا آدمی سمجھا تھا۔"

"میرے دونوں ساتھی کہاں ہیں۔" فریدی اپنا نچلا ہونٹ چبا کر بولا۔ "گروہی کا بڑھاپا بھی خطرناک ہے۔ تم اپنا! اسکے لئے وہ ہمیں دھوکا دے کر نکل گئے تھے۔" فریدی نے طنزیہ لمحے میں کہا۔ "اور اسی لئے مطلب بیان کر جاؤ۔ تم شاکد بچھے تھا سمجھ رہے ہو۔"

"جسے کچھ سمجھنے کی ضرورت نہیں۔" فریدی لاپرواٹی سے بولا۔ "اور وہ نیمری تمہاری! میں نہیں جانتا کہ تمہاری غلط فہمی کس طرح رفع ہو گی۔" گروہی آہستہ سے بڑی بڑی اور پلیے کی لڑائی ہے۔ میں تو صرف اپنے ساتھیوں کی واپسی چاہتا ہوں اور یہ بتانا پہتا ہوں کہ بُنگاں سے منہ گالی۔

"اوہ سفید بھوت۔" فریدی کے لمحے میں ظفر تھی۔ "ان کے متعلق کیا کہو گے۔" گھائی پر تمہارا اجراء نہیں ہے۔"

"مجھے ان کی ذرہ برا برپواہ نہیں سمجھے۔" گروہی میز پر گھونسہ مار کر بولا۔ "بیٹھ جاؤ تو جوان۔" گروہی کا لہجہ پھر نرم ہو گیا۔ ریو اور جیب میں رکھ لو۔ گروہی بچپن سے ان کھلونوں کا ٹھاٹق رہا ہے۔ کیا تم غرماش کے ساتھی نہیں ہو۔"

"غرماش! فریدی نے بھنویں سکوڑ کر کہا۔ "میں نہیں جانتا یہ کون ہے۔"

"تب پھر میرا تمہارا اکیا واسطہ۔"

"اگر واسطہ نہیں تھا تو تمہارے کسی ساتھی نے میری ذرا ہمی کیوں اکھاڑی۔"

"غلط ہے وہ میرا ساتھی نہیں تھا۔"

"میں نہیں جانتا۔" گروہی نے اپنے ہاتھ کو زور سے جھکا دیا اور میز پر رکھی ہوئی خالی بو تلیں اگر نہیں تھا تو تم خواہ مجھے کیوں آہٹے تھے۔" فریدی نے اسے گھورتے ہے۔"

تھا کہ وہ بہت زیادہ پی گیا ہے۔ فریدی کے داخل ہوتے ہی اس کے چہرے پر تحریر کے آثار ضرر۔ "میرے بچے! گروہی نے بوتل سے شراب اٹھیتے ہوئے کہا۔ "اب میں کچھ کچھ پیدا ہوئے تھے لیکن اب وہ بالکل پر سکون نظر آ رہا تھا۔

"عورتیں بھی ہیں۔" "ٹھیک سمجھ رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن مجھ پر کوئی فقرہ نہ چل سکے گا۔ میں اپنے ساتھیوں کو لے کر ہی جاؤں گا۔"

"تکلیف نہ گروہ۔" فریدی خنک لمحے میں بولا۔ "میں بہت پُر امن آدمی ہوں۔ لیکن جو۔" تھیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں تمہارے ساتھیوں کے متعلق کچھ نہیں جانتا لیکن دیے جانے پر خونخوار بھی ہو جاتا ہوں۔ تھیں میرے دونوں ساتھیوں کا پتہ بتانا پڑے گا۔" غرماش...! اگر وہی کچھ کہتے رک گیا۔ چند لمحے اس کی پیشانی پر گہرے تکری کی سلوٹیں پڑیں پھر وہ آہستہ سے بولا۔ "تم صرف دونوں ساتھیوں کے لئے پھر رہتے ہو۔ میں نے دس سال میں ساتھیوں کا پتہ... کیسے ساتھی۔"

"گردی میں بہت نہ آدمی ہوں۔"

"آدمی نہیں... بچے ہو۔" گروہی مسکرا کر بولا۔ "بیٹھ جاؤ۔ میرے پاس شامیں کیم۔" فریدی اسے تیز نظر دوں سے گھورتا رہا تھا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ "تو کیا دہ دونوں پیشیاں ہیں... کچھ ملاوہ گے یا سادی پیو گے۔ میں تو ہمیشہ سادی پیتا ہوں۔"

"میرے دونوں ساتھی کہاں ہیں۔"

"سنو...!" گروہی اپنا نچلا ہونٹ چبا کر بولا۔ "گروہی کا بڑھاپا بھی خطرناک ہے۔ تم اپنا! اسکے لئے وہ ہمیں دھوکا دے کر نکل گئے تھے۔" فریدی نے طنزیہ لمحے میں کہا۔ "اور اسی لئے مطلب بیان کر جاؤ۔ تم شاکد بچھے تھا سمجھ رہے ہو۔"

"مجھے کچھ سمجھنے کی ضرورت نہیں۔" فریدی لاپرواٹی سے بولا۔ "اور وہ نیمری تمہاری! میں نہیں جانتا کہ تمہاری غلط فہمی کس طرح رفع ہو گی۔" گروہی آہستہ سے بڑی بڑی اور پلیے کی لڑائی ہے۔ میں تو صرف اپنے ساتھیوں کی واپسی چاہتا ہوں اور یہ بتانا پہتا ہوں کہ بُنگاں سے منہ گالی۔

"اوہ سفید بھوت۔" فریدی کے لمحے میں ظفر تھی۔ "ان کے متعلق کیا کہو گے۔" گھائی پر تمہارا اجراء نہیں ہے۔"

"مجھے ان کی ذرہ برا برپواہ نہیں سمجھے۔" گروہی میز پر گھونسہ مار کر بولا۔ "بیٹھ جاؤ تو جوان۔" گروہی کا لہجہ پھر نرم ہو گیا۔ ریو اور جیب میں رکھ لو۔ گروہی بچپن سے ان کھلونوں کا ٹھاٹق رہا ہے۔ کیا تم غرماش کے ساتھی نہیں ہو۔"

"غرماش! فریدی نے بھنویں سکوڑ کر کہا۔ "میں نہیں جانتا یہ کون ہے۔"

فرش پر گر کر ٹوٹ گئیں۔ فریدی کی حالت میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہ ہوئی۔ بہی نعمت ہے ورنہ سیل گھانی میں لاپتہ ہو جانے والے شائد قیامت ہی میں مل سکیں۔ ”اور وہ شب خوابی کا لبادہ۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”کیا وہ فرارو سے انگواء کی ہوئی دفتار ایک نئے خیال نے فریدی کے ذہن میں سر اجھا۔ نہیں تھا۔“

”بند کرو یہ بکواس ورنہ منہ توڑوں گا۔“ گردی چیخ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں فریڈی کی انگارے بر سار ہی تھیں۔

”میشہ رہو! ورنہ میر انشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔“ فریدی نے کہا۔ ”اگر یقین نہ ہو تو دیکھ ساتھ ہی اس نے کمرے میں روشن موی شمعوں میں سے ایک پر فائز کیا۔ گولی اس کی ہو گا۔ اب میں بالکل سمجھ گیا۔ وہ ہمیں لڑا کر خود اطمینان سے سیل گھانی میں شکار کھینا چاہتا ہے۔ پڑی اور وہ بجھ گئی لیکن اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔“

”بہت اچھے۔“ گردی نے متیرانہ لمحے میں تعریف کی۔ ”واقعی تم بے مثال نشانہ باز ہو۔“ ... اچھے لڑکے میں شہارے ساتھیوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور وہ شب خوابی کا لبادہ دفتار گرمی کی آواز گلوگیر ہو گئی اس کے ہونٹ کا پنچ لگے اور آنکھیں بھر آئیں۔ ”کیا میں اب سے زندہ نہ چھوڑوں گا۔“

”کیوں؟“ ”وہ میری لڑکی کا ہے۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”میں اسے تین سال سے اپنے میں لگائے ہوں۔ ٹھہر دیں اسے لاتا ہوں۔“

”میں بھی ساتھ چل رہا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”او۔“ گردی نے لاپرواں سے کہا۔

فریدی اس کے پیچھے چلنے لگا۔ ریوال راب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ ایک کمرے میں آکر گرمی نے ایک صندوق کھولا اور پھر شب خوابی کا ایک لبادہ نکل پھوٹ کر رونے لگا تھا۔ فریدی نے ریوال اور جیب میں ڈال لیا اور اسے سہارا دے کر اسی کمرے میں فریدی کے سامنے کر دیا۔ نظر پڑتے ہی فریدی نے اسے پیچان لیا۔ حقیقتاً یہ وہی لبادہ تھا، جو اس سے پہلے تھے۔ پھر اس نے ایک گلاس لمبیز کر کے گرمی کی طرف سر کا دیا۔ سیل گھانی کے ایک غار میں دیکھا تھا۔

”اگر کوئی یہ ثابت کر دے کہ یہ لبادہ فزار و مالی لڑکی کا ہے تو میں خود کشی کر لوں گا۔“ دیکھ لیا جائے گا۔“

”غیر اس کی بھی شاخت ہو جائے گی۔“ فریدی نے کہا۔ ”مجھے صرف اپنے ساتھ طرف دیکھ کر کہا۔“ وہی سے غرض ہے۔“

”ہونہ۔“ گرمی بڑے کھر درے لمحے میں بولا۔ ”اگر لاشوں کی صورت میں، اپنی ...“

بہی نعمت ہے ورنہ سیل گھانی میں لاپتہ ہو جانے والے شائد قیامت ہی میں مل سکیں۔“ دفتار ایک نئے خیال نے فریدی کے ذہن میں سر اجھا۔ یہ غرناٹ کون ہے۔“ اس نے پوچھا۔

”غرناٹ! تم غرناٹ کو نہیں جانتے۔ کیوں کیا وہ فرارو میں مقیم نہیں ہے۔“ ”فرارو میں۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”وہ بھاری چہرے والا تو نہیں۔“

”وہی ہے وہی ہے۔“ گردی سر ہلا کر بولا ”اور مجھے یقین ہے کہ اسی نے تمہیں میرا پتہ بتایا۔“ ساتھ ہی اس نے کمرے میں روشن موی شمعوں میں سے ایک پر فائز کیا۔ گولی اس کی ہو گا۔ اب میں لڑا کر خود اطمینان سے سیل گھانی میں شکار کھینا چاہتا ہے۔ پڑی اور وہ بجھ گئی لیکن اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔“

”فریدی! کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔“ کیا تم نے اس کے کئی آدمیوں کو نہیں کارڈا۔“ ”وہ جھوٹا کے میں شہارے ساتھیوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور وہ شب خوابی کا لبادہ دفتار گرمی کی آواز گلوگیر ہو گئی اس کے ہونٹ کا پنچ لگے اور آنکھیں بھر آئیں۔“

”کیوں؟“ ”وہ میری لڑکی کا ہے۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”میں اسے تین سال سے اپنے میں لگائے ہوں۔ ٹھہر دیں اسے لاتا ہوں۔“

”میں بھی ساتھ چل رہا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”او۔“ گردی نے لاپرواں سے کہا۔

فریدی اس کے پیچھے چلنے لگا۔ ریوال راب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ ایک کمرے میں آکر گرمی نے ایک صندوق کھولا اور پھر شب خوابی کا ایک لبادہ نکل پھوٹ کر رونے لگا تھا۔ فریدی نے ریوال اور جیب میں ڈال لیا اور اسے سہارا دے کر اسی کمرے میں لایا جاں وہ اس سے پہلے تھے۔

”گرمی! مجھے افسوس ہے۔“ وہ اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ ”اب میں سب کچھ سمجھ گیا۔ خیر دیکھ لیا جائے گا۔“

”گرمی! خاموشی سے شراب پیتا رہا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اس نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔“

”تم دس سال سے یہاں شکار کھیل رہا ہوں۔“ لیکن یہ بھوت پہلی بار دکھانی دیئے ہیں۔“

میرے ایک دلیر ساتھی نے اس پر فائز بھی کئے تھے لیکن وہ خود دوسرے دن تیز قدم کے ذوب نہیں دکھ رہا ہے تو اس سے اُسے یہ سمجھنے میں مدد ملی کہ وہ کیونا اس بتلا ہو کر مر گیا۔ اب ہم ادھر جاتے ہی نہیں جدھر وہ دکھائی دیتے ہیں۔ میں نے سنا ہے اُس کے ایک اسٹرپر پر لیٹا ہوا ہے جس پر بانس کی قچیاں لکا کر کمبل ڈال دیا گیا ہے۔ اُس نے کمبل کا کہنا رسا اٹھا کر باہر کی طرف دیکھا۔ اسے کئی مسلح آدمی نظر آئے جو اس کے اسٹرپر سے کچھ دور نے بھی ان پر فائز کئے تھے۔“

ٹکر جل رہے تھے اور خود اس کا اسٹرپر شاندار چار آدمیوں کے کامنڈوں پر تھا۔

”ارے کیونا! مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔“ حمید نے ایک سریلی قدم کی نوافی آواز سنی۔

”ہمیں... ارے.... ہو۔“ اس نے قاسم کی آواز سنی۔

”آپ لوگ جنت میں جا رہے ہیں۔“ کسی نے بڑے زم لجھے میں کہا۔

”وہاں بادر پی خانہ بھی ہے یا نہیں۔“ قاسم نے غالباً اپنے پیٹ پر ہاتھ مار کر پوچھا۔

”اوہ تو کیا آپ بھوکے ہیں۔“ کسی نے پوچھا۔

”اب مر نے کے بعد کیا جھوٹ بولوں گا۔“ قاسم گیڑ گیا۔

”پلو بھئی تابوت زمین پر کر کھدو۔“ آواز آئی۔

حیرت انگلیز سفر

حمد کی آنکھ کھلی تو پھر اُسی اندر ہیرے سے واسطہ پڑا۔ لیکن اس بارہ خود اس اندر ہیرے ساتھ ہی ساتھ حرکت کر رہا تھا۔ کافی دیر تک آنکھیں چھانٹنے کے بعد یہ بات اس کی کہو آئی کہ وہ سچ قبر میں لیٹا ہوا ہے اور وہ قبر حرکت کر رہی ہے اور اس کی اوپرچالی اتنی بھی نہیں کہ وہ اٹھ کر بینے کے۔

اس نے گھبرا کر دو تین بار کلمہ پڑھا اور اپنے دنیاوی اعمال یاد کرنے کے رو دینے کا ارادہ کرنا۔

تمہارے ایک تیری بات اس کی سمجھ میں آئی یعنی وہ تبر کمبل کی تھی اور اسے کچھ کچھ روشنی انہیں پورہ میں مسلح آدمیوں کے ساتھ تین تابوت تھے۔

احساس ہو رہا تھا۔ اس نے قبر کی چھت کو انگلی سے چھو کر دیکھا۔ وہ حقیقت کمبل ہی تھا، جو اس کی تیرے تابوت پر نظر پڑتے ہی حمید کی عاقبت روشن ہو گئی۔ اس میں ایک بڑی خوبصورت پر منڈھا ہوا تھا۔

اب جو اس نے غور کیا تو اُسے بہت سے قدموں کی آوازیں بھی سنائی دیں۔

تو کیا وہ اس کا جنازہ تھا؟ اس خیال سے پھر حمید کی گھنٹھی بندھ گئی۔

مگر جنازے پر کمبل؟ وہ پھر سوچنے لگا۔ شاندار دیوں میں یہی ہوتا ہو۔

”میں زندہ ہوں... بھائی۔“ اس نے ہاٹ کیا۔ ”ارے... بھا... آ... آ... ل۔“ رنگ کی چانیں پھیلی ہوئی تھیں۔ سورج شاندار پر تھا۔

”چپ چاپ لیئے رہو۔“ کسی نے گرج کر کہا۔ ”تم مر گئے ہو۔“

”ارے حمید بھائی۔“ حمید نے قاسم کی آواز سنی جو باقاعدہ رہ رہا تھا۔ ”ہم مر گئے ہیں۔“ مدد نہیں معلوم ہوتی تھی۔ قاسم نے بڑھ بڑھ کر ہاتھ مارنے شروع کر دیے۔ اس کے سامنے اب کیا ہو گا۔ مر نے کے بعد... بھوک بھی تو خوب کھل جاتی ہے۔ مگر مر نے کے بعد بھوک ایک مسلم بھیڑ کا پچھنچنا کھاتا۔

”میں آتی۔“

حمد نے خوب اچھی طرح اپنی آنکھیں ملیں اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر احتیاطاً

خود اپنے ہی اتنے زور سے چکلی لی کہ آنکھیں نکل پڑیں۔ جب اچھی طرح اطمینان ہو گئے

”میر جمالی۔“ وہ منہ چلاتا ہوا بولا۔ ”مجھے تو موت اور زندگی میں کوئی فرق نہیں دکھائی دیتا۔“

”فرق اور فتور تو دراصل تمہاری کھوپڑی میں ہے۔“ ”حمد بھننا کر بولا۔“

اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ان لوگوں کا ردیہ اُن کے بُرا نہیں تھا۔ آخر وہ کون تھے اور کیا چاہتے تھے۔ غار میں بھی انہوں نے ان کے ساتھ خود کوئی بدسلوکی نہیں کی تھی حالانکہ وہ چاہتے تو انہیں بڑی آسانی سے مار دالتے۔ حمید نے لفکر سے اُس لڑکی کی طرف دیکھا وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ کھانا اُس کے سامنے بھی تھا۔ لیکن اُس اُسے ابھی تک ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔

”آگھر ایسے نہیں۔“ چاروں میں سے ایک نے کہا۔ ”ہمارے پاس کافی ذخیرہ ہے۔“ ”تو کیا ہم جو محمر گئے ہیں۔“ قاسم نے بڑی معمومیت سے پوچھا۔ ”جی ہاں! لیکن آپ کو کچھ دور پیدل چلانا پڑے گا۔ ہمارے آدمیوں میں اتنی سکت نہیں۔“ ”جب تو پھر بڑی جلدی بھوک لگ جائے گی۔“ قاسم نے اداں لجھے میں کہا۔ ”فکر نہ کیجئے۔ کھانے کا سامان بہت ہے۔“

”یہ کیا موقر ہے۔“ دفتار لڑکی چیخی۔ ”میں پاگل ہو جاؤں گی۔“ ”کیا یہ بیٹھ لے بیرون کے نشانات... کہیں یہ وہی لڑکی تو نہیں ہے فزارہ سے بھگایا گیا زستیں گھاٹی میں بھوتیں کی موجودگی۔“ ”جی ہاں۔“ ساتھی نے جواب دیا۔

”تو کیا مر نے کے بعد بھی آدمی پاگل ہو سکتا ہے۔“ یہ بات اُس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ رات کو اُس بھوت کی آمد پر چاروں طرف سے غار میں برف کے ذرات کہاں سے آگئے تھے۔ حمید کو اچھی طرح یاد تھا کہ وہ ذرات اُس بھوپتے نہیں۔ ”ہمراہی نے کہا اور پھر حمید سے پوچھا۔ ”کچھ اور چاہئے۔“

”جی ہاں! تھوڑی سی اثیون تاکہ میں اپنی موت سے اچھی طرح محفوظ ہو سکوں۔ ویسے کیا کے جنم میں سے نکلے تھے اور رفتہ رفتہ اُن کی مقدار اتنی بڑھ گئی تھی کہ حمید کا دم گھٹنے لگا تھا۔“ ”اگر وہ بھوت دراصل آدمی ہی تھا تو اُس کے باتحہ اخانتے ہی برف کے ذرات کس طریقہ تاکہیں گے کہ ہنالو لوکس عرض البلد پر ہے اور نیو فاؤنڈ لینڈ پر سال بھر کہر کیوں پڑتی رہتی ہے۔“ اُڑنے لگے تھے اور اگر وہ واقعی کوئی بافق الفطرت ہستی ہی تھا تو ان آدمیوں سے اُس کا کیا تعقل۔ ”میں بتا سکتا ہوں۔“ قاسم اپنی چھاتی ٹھوکلتا ہوا بولا۔ ”نیو فاؤنڈ لینڈ پر کہر نہیں بلکہ باور پر چیزیں دوڑائیں اور پھر کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اُس نے گھومنا کا دھماکا چھایا رہتا ہے۔ وہاں کے لوگ کھانے پکانے کے بہت شائق ہیں۔“

”ہمراہی کافی مہذب اور مہمان نواز تھے۔“ حمید نے ایک بات اور محسوس کی۔ ان میں سے صرف اُدھی گفتگو کر رہے تھے لیکہ خاموش تھے اور وہ لوگ جو زیادہ تر خاموش رہتے تھے۔ اکثر اپنی کسی ایسی زبان میں گفتگو کرنے لگتے تھے جو حمید کے لئے نہیں تھی۔ حمید نے اندازہ لکایا تھا کہ چاروں اردو بولنے والے تو وہی تھے جنہوں نے ان دونوں کو ایک غار سے نکال کر دوسرے۔ ”میں بھی آپ ہی کی طرح آدمی ہوں اور میری موت سیتل گھاٹی میں واقع ہوئی تھی شائد تک پہنچایا تھا۔“

”میں نے لکھیوں سے اُس لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ خوفزدہ تھی۔ چاروں آدمی بڑے مہذب۔“ ”جی ہاں! میں فزارو ہی میں تھی۔ لیکن یہ سب بکواس ہے۔ یہ لوگ نہ جانے کون ہیں اور طریقے پر اُس سے کھانا کھایا لیتے کی استدعا کر رہے تھے۔“

”قاسم بھیڑ کا گوشت نوچنے میں منہک ہو گیا تھا۔“ ”ذرا ہاتھ روک کر۔“ حمید نے اسے ذات۔ ”بچہ نہیں پھر کب ملے۔“ قاسم مایوسی سے بیوگا۔

”ہم جنت میں جا رہے ہیں حمید بھائی۔“ قاسم نے کہا۔

”چپر ہو۔“ حمید نے اسے ذات۔

”اُسیں اچھے ڈاکٹر ہو۔ اخہا کر کن چن دوں گا۔“ قاسم کھانا چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

”محے جانتے ہو یا نہیں۔“ حید کی بھنوں تن گئیں۔
”تو تم ڈانٹے کیوں ہو۔“

”چوکام کرو اپنا۔“ حید نے کہا اور پھر لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا۔
”میرے خیال سے کھانا چھوڑ دینا عقل مندی نہیں۔“
”اور کیا... بالکل حادث ہے۔“ قاسم پھر بول پڑا۔ ”اب موت تو آئے گی نہیں
تکلیف ضرور ہو گی۔“

لڑکی نے تھوڑا بہت کھالیا۔ ہر ایوں نے بھی کھانا کھایا اور وہ لوگ پھر چل پڑے۔ اب
اور حید دونوں پیدل چل رہے تھے لیکن لڑکی اسٹرپچر ہی پر تھی۔
حید ان چاروں کے برابر چل رہا تھا اُس نے انہیں مخاطب کر کے کہا۔ ”آپ لوگ،
اپھے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اب یہ مذاق ختم ہی کر دیجئے تو اچھا ہے۔“

”کیا مذاق اہم نہیں سمجھے۔“
”ہم آخر کہاں جا رہے ہیں۔“

”جنت میں۔ بڑی پر فضادا وی ہے۔ کھانے پینے کا سامان وافر۔ درختوں پر انگوروں کی؛
چھائی ہوئی... رسیل خوبانیاں۔ شہد میں ڈوبے ہوئے سیب... اور خوبصورت عورتیں...
کے علاوہ اور کیا ہو گا۔“

”لیکن ہم زردستی وہاں کیوں لے جائے جا رہے ہیں۔“
”اپھے آدمیوں کی جگہ جنت ہی ہے۔“

”اور کیا حید بھائی۔“ قاسم سر ہلا کر بولا۔ ”میں اپنے ابا جان کو تو وہاں ہرگز نہ آنے دو
اور وہ سالی... میں اسے طلاق دیتا ہوں... طلاق... طلاق... طلاق... کسی مر گھلے کا
سے شادی کر لے گی۔“

قاسم چند لمحے خاموش رہا پھر اُس نے پوچھا۔ ”جنت نہیں تو خاصی تگزی عورتیں ہوں گی
کوئی میری طرح بھی ہے۔“

”بہت جناب... بہت۔“ ایک نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ ”کئی تو بالکل آپ ہی۔
قد کی ہیں۔“

”وو... لیکن ہم کب تک وہاں پہنچیں گے۔“ قاسم ہونٹ چباتا ہوا بولا۔
”صرف دو دن لگیں گے جتاب۔“

قاسم اپنی بھوڑی اور بے ڈھنگی آواز میں گفتگو نے لگا۔

”کچھ زور سے سایے تو ہم بھی لطف انداز ہوں۔“ ایک نے کہا۔

”بھی! مجھے گانا دانا نہیں آتا۔“ قاسم نے شر میلی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔
”نہیں نہیں تم بہت اچھا گا تے ہو۔“ حید نے چھنجھلا کر کہا۔

قاسم تھوڑی دیر تک جھینپے جھینپے سے قبیلے کا تارہ پھر کان پر ہاتھ رکھ کر تان ماری۔
آن کے آجائے سے جو آجائی ہے گھر میں رونق

وہ سمجھتے ہیں کہ سرال کا حال اچھا ہے
اس کی گوئیلی اور بھاری آواز وور تک چٹاؤں میں پھیلتی چلی گئی۔ اچاک قاسم بالکل ہی بے

تر ہو گیا اور پھر شرما کر کہنے لگا۔ ”یہ نہیں دوسرا۔“

اس نے پھر کان پر ہاتھ رکھا اور قولی کے طرز میں حلق چھاڑنے لگا۔

”آہے.... اُمم کیا ہے.... آہے دا... شمشیر و سنان... آں.... آں.... آں....
دل.... آہے اول.... اول.... اول.... طاؤس ورباب.... آخر شمشیر و سنان اول طاؤس
ورباب آخر۔“

”ارے او کم بخت۔“ حید حلق چھاڑ کر چینا۔ ”میا قولی کر رہا ہے۔“

”میں کیا جاؤں! میں نے ریٹھیو ٹمبکتو سے نا تھا۔“ قاسم نہ اسامنہ بنا کر بولا اور پھر شروع
ہو گیا۔

”ہر ایسی بہت زیادہ سمجھیدہ تھے اور ان کی اس سنجیدگی سے نہ جانے کیوں حید کو خوف معلوم
ہو رہا تھا۔ حالانکہ ابھی تک وہ ان کے ساتھ نرمی ہی کا برداشت کرتے رہے تھے لیکن پھر بھی حید ان
کی طرف سے مطمئن نہیں تھا اور ہوتا بھی کیسے جبکہ اُسے ان ساری باتوں کی غرض و غایت نہیں
معلوم تھی۔ نہ جانے کون تھے اور کیا ارادہ رکھتے تھے۔“

قاسم قولی ختم کر کے تھکے ہوئے گدھوں کی طرح ہاپنے لگا۔

”حید بھائی! نہتی ہے۔“ قاسم اُس کے قریب آ کر بڑے رازدارانہ انداز میں بولا۔

کون! کیا بک رہے ہو۔

"اڑے وہی جواب بھی اپنے جنازے پر سوار ہے۔"

"قاسم! کیا تم واقعی تھی بھروسہ ہے ہو کہ تم تم رچکے ہو۔"

"اور کیا... مگر مجھے ذرہ برابر بھی افسوس نہیں ہے۔ بھلا تکلیف تھی کون کی ہے۔ جنت میں

تھکری تگڑی عورتیں... وہ دیکھو حمید بھائی پھر بنس رہی ہے۔"

"تم زندہ ہو قاسم! اگر ذرا سی بھی بہت کرو تو ہم آزاد ہو سکتے ہیں۔"

"تھے... نہ... لبِ معاف کرو۔ تمہیں یقین کیوں نہیں آتا۔ رات دیکھے چکے ہو۔ رات تم

تھیں نے مجھے در غلایا تھا۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو۔" حمید بھجنگا کر بولا۔

"پاگل ہی سہی... وہ پھر بنسی۔"

وہ چلتے رہے حتیٰ کہ شام ہو گئی۔ سورج افق میں بھکنے لگا۔ سنگی چنانوں پر شام کی سرخ سرخ

دھوپ بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ خنکی بھی پبلے سے بڑھ گئی تھی۔ لیکن حمید اب سب میں دلچسپی

لینے کے موذ میں نہیں تھا۔ پیازی راستوں کی تھکن سے وہ ٹھھال ہو چکا تھا۔ قاسم کا بھی بُر احصال

تھا۔ مگر شائد جنت کی تگڑی تگڑی عورتوں کے خیال نے اس کا جو صد ٹوٹنے نہیں دیا۔

سورج غروب ہونے کے بعد بھی وہ چلتے رہے شائد انہیں کسی خاص جگہ پر پہنچتا تھا۔

ہمراہیوں نے تیز چلانا شروع کر دیا تھا۔ حمید اور قاسم بھی ان کے ساتھ گھست رہے تھے۔

پھر انہیں اپنے کھلی گیا اور ہمراہیوں نے نارچیں نکال لیں۔

تقریباً آدھ گھنٹے چلتے رہنے کے بعد وہ ایک جگہ رک گئے۔ قلیوں نے سامان اٹارا اور پھر وہ

سب ایک غار میں اتر گئے۔ یہاں مومی شعیں روشن کر دی گئیں۔ یہ غار بھی اندر سے فن تیر کا

ایک بہترین نمونہ تھا۔ دیواروں پر اعلیٰ قسم کی نقاشی تھی اور ایک جگہ سنگی مند پر مہاتما بدھ کی

مورتی نسب تھی۔ غالباً یہ ہزاروں سال قبل بدھ درویشوں کا منہ رہا ہوگا۔

اپنے کھلی گیا اور ایسا حسوس ہوا جیسے اس کی ساری تھکن رفع ہو گئی ہو۔ مومی شمعوں کی شہنشی

روشنی، مہاتما بدھ کی پُر سکون مسکراتھ کے ساتھ اس کی روح کی گہرائیوں میں اتری جا رہی

تھی۔ وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ کسی کا قیدی ہے۔ کچھ ابھی اسے کسی نامعلوم منزل کی طرف لے

چاہے ہیں۔ معلوم نہیں وہ کون ہیں اور اس سے کیا چاہتے ہیں۔ اسے اپنے انجام کا بھی اندازہ نہیں تھا اس کی روح اب سے ہزاروں سال پبلے کی دنیا میں بھکنے لگی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس غار میں تھا ہو جیسے وہ بھی مومی شمعوں کی طرح پکھلا جا رہا ہو۔۔۔ تھا تھی۔۔۔ بلکی سرخ روشنی بدھ کا ملکوتی قبضہ... ان کے علاوہ وہاں اور کچھ نہیں تھا پھر حمید کو محسوس ہوا جیسے وہ تھیں تھے لگا رہا ہو۔ مگر بے آواز جیسے وہ رقص کر رہا ہو مگر اعضاء بے سو حرکت... وہ جیخ رہا تھا۔ وہ رقص کر رہا تھا۔ لیکن اس کی زبان کے قریب گھنٹیاں سی نجٹا ہیں۔ حمید چوک پڑا۔ اس کی ہم سفر اس کے پبلو میں کھڑی سورتی کو بڑی عقیدت سے دیکھ رہی تھی۔

حمدی نے سر ہلا دیا۔ اس کی روح اب بھی پرانی دنیا میں بھلک رہی تھی۔ اس کی ہم سفر کا چہرہ بلکی سرخ روشنی میں چک رہا تھا۔ حمید کے ذہن میں قدیم مندروں کی مشبوخ کی دیوالیوں کا تصور ابھر ا۔۔۔ اور وہ اسے اس تقدس آمیز روشنی میں کوئی مقدس کنواری معلوم ہونے لگے۔

"آپ کون ہیں۔" لڑکی نے پوچھا۔

"میں...!" حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

لڑکی اسے بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔

"آپ لوگ اتنے مطمئن کیوں ہیں۔"

"اوہ... جی باں۔" بیک وقت حمید کو ہوش آگیا۔ اس نے چاروں طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا۔ "صلحت۔"

غار میں قافلے کے سارے افراد موجود تھے لیکن وہ شب بری کے انظام میں اس طرح صدر دیکھ کر انہوں نے ان دونوں کی طرف دھیان نہیں دیا۔ پھر وہ دنیا ہی نہیں چاہتے تھے۔

"نہ جانے ہم کہاں اور کیوں لے جائے جا رہے ہیں۔" لڑکی نے کہا۔

"آپ ان لوگوں کے ہاتھوں میں کس طرح پڑی تھیں۔" حمید نے پوچھا۔

"مجھے کچھ یاد نہیں۔ میں ایک رات اپنے کمرے میں سوئی تھی۔ آکھ کھلی تو میں وہاں ہونے کی بجائے ایک غار میں تھی۔"

"غزاروں میں تین شکاری مقیم تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"مگر باں... تھے تو۔"

"آن کے متعلق آپ کا خیال ہے۔"

"اوه.... وہ بہت شریف تھے۔"

"پچھلے سال گروی نام کا کوئی عکاری فزارو میں ٹھہر ا تھا۔"

"جی ہاں.... اور وہ یقیناً اچھا آدمی نہیں تھا۔ نہ جانے کیوں اس بیزن میں ہمارے یہاں نہیں ٹھہر۔"

"کیوں وہ اچھا آدمی کیوں نہیں تھا۔"

"ہر وقت شر اب بیتار رہتا تھا۔ بھگڑا اور غصہ در تھا۔"

"ہوں....!" حمید کچھ سوچنے لگا۔

"حمد بھائی.... کھانا کھالو۔" قاسم نے اُسے آواز دی۔

"بہر حال۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ "بہتری اسی میں ہے کہ ہم لوگ چپ چاپ چلتے رہیں اور آپ کھانے چھوڑیے۔ میرے ساتھی کو دیکھنے کتاب ملتے ہے۔"

"احمق معلوم ہوتے ہیں۔ لڑکی مسکراتی۔"

پھر وہی غار

گروی کی فراہم کردہ معلومات میں اصلیت رہی ہو یا نہ رہی ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ فریدی نے جو کچھ بھی کہا اس سے ملنے کے بعد ہی کہا۔ میکم گذھ پولیس کے گذشتہ ریکارڈ میں اُسے بعض حیرت انگیز یاتمیں ملیں۔ متواتر کئی سال سے سر دیوں کے موسم میں بہترے آدمی غائب ہو جاتے تھے۔ بوڑھوں اور بچوں کے غائب ہونے کی کوئی رپورٹ بھی نہیں درج کرائی گئی تھی۔

فریدی نے اپنے ساتھیوں کو فزارو سے ہٹا دیا اور خود وہیں مقیم رہا۔ اُس کی تجویز تو یہ تھی کہ سب لوگ واپس چلے جائیں لیکن کسی نے بھی اُسے منظور نہ کیا۔ پھر اُس نے صرف عورتوں کی واپسی پر زور دیا لیکن یہ بات بھی رد کردی گئی۔

فزارو میں غرناٹ اور اس کے ساتھی اب بھی مقیم تھے۔ حالانکہ گروی نے ان کے خلاف کافی زہر اگلا تھا لیکن فریدی کے پاس ان کے خلاف کوئی واضح ثبوت نہیں تھا۔ بلکہ وہ اُن سے

بوشدار ضرور رہتا تھا۔

وہ اس بات کے امکانات پر بھی غور کرتا رہا تھا کہ ذہ حرکت تیسری پارٹی کی بھی ہو سکتی ہے۔

بات تو اُس پر واضح ہو گئی تھی کہ اس دن اُس کی مصنوعی ڈالٹھی پر رہا تھا پھیرنے والا گروی کی رٹی کا آدمی نہیں تھا کیونکہ وہ اُس کے ساتھیوں کی اور اُس کی گنگوچپ کر بھی سُن پکھا تھا۔

سینٹ گھانی سے پولیس کا پہرہ ہٹالیا گیا تھا اور یہ فریدی ہی کی ایماء پر ہوا تھا۔ آج وہ پہر کو ہی کافی برف باری ہوئی تھی اور شام تک آسان پاؤں سے ڈھکا رہا تھا۔ لیکن رات ہوتے ہی دل پھٹ گئے تھے اور برف کی سفید چادر پر بکھی بکھی چاندنی کی خشمکین نظر آنے لگتی تھی۔

فریدی شام ہی سے ایک غار میں جا گھا رہتا۔ آج اُس کے ارادے حقیقتاً خطرناک نظر آرہے تھے۔ اُس کے پاس آج را تقل کی بجائے نای گن تھی اور کاندھے پر ایک بہت بڑا جال تھہ کیا ہوا رہتا تھا۔

غار میں اندھیرا تھا اور فریدی ایک کونے میں دبکا ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اُسے غار کی دوسرے آدمی کے دائلے کی توقع تھی۔ اُس کی آنکھیں دراصل ایک سوراخ سے لگی ہوئی ہیں، جو تھیک اُس جگہ کے سامنے تھا جہاں اُسے بھوت دکھائی دیتے تھے۔ فریدی تھہ رہا اُس کے ساتھیوں نے اس مہم میں حصہ لینا چاہا تھا لیکن فریدی نے انکار کر دیا تھا۔ غزالہ توب تک اُس کی مالکت کرتی رہی تھی۔

جس غار میں فریدی اس وقت بیٹھا تھا یہ بھی اُس کی ایک پرانی دریافت تھی۔ لیکن وہ اس سے پرمطمن نہیں تھا کیونکہ دوسرے لوگ بھی اس سے واقف ہو سکتے تھے۔

ٹھیک دس بجے اس غار کے دہانے پر قدموں کی آواز سنائی دی۔ یقیناً کوئی اُسی غار میں گھسا رہا تھا۔ فریدی سوراخ چھوڑ کر ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں ہو گیا، جو غار کے آخری سرے سے موڑنا ہٹا ہوا رہا۔

آنسے والے نے نارچ روشن کی اور غار کا جائزہ لیتا رہا۔ فریدی پتھر کی اوٹ میں ہونے کی وجہ سے روشنی کی زد سے باہر رہا۔ اُس نے محسوس کیا کہ آنسے والا بھی اُسی پتھر پر بیٹھ گیا ہے جس پر بوڑھی دیر قبل وہ خود بیٹھا رہا تھا اور غالباً وہ اسی سوراخ سے جھاٹک بھی رہا تھا۔

فریدی چپ چاپ پڑا رہا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد خود اُسے اپنی ناکارگی کھلنے لگی وہ سوچ رہا تھا کہ

نکل گئی اور پھر وہ بخوبی توں پر جال ڈالنے کی حرست دل ہی میں لئے ہوئے چند لمحوں کے لئے نہیں و
حرکت ہو گیا کیونکہ گرتے وقت اس کا سر پھر سے ٹکرا گیا تھا۔
جب اُسے ہوش آیا تو اُس نے دیکھا کہ پانچ چھ سلسلے آدمی اپنے ہاتھوں میں مشعلیں اٹھائے
اُس کے گرد کھڑے ہیں لیکن ان میں فزار و کافنجر نہیں تھا۔ فریدی نے چپ چاپ پڑے ہی رہنا
مناسب سمجھا کیونکہ وہ بالکل تھا ہو چکا تھا۔

وہ کچھ دیر تک کھڑے سر گوشیاں کرتے رہے۔ پھر چار آدمیوں نے مل کر فریدی کو انھیا
مشعلیں بجھادی گئیں۔ بالکل اندر ہمرا چھا گیا اور اب فریدی کے لئے باقاعدہ طور پر آنکھیں کھلی
رکھنا قطعی آسان ہو گیا تھا۔

غار سے نکل کر وہ لوگ چنانوں کے سلسلے کے نیچے ہی نیچے پچھم کی طرف بڑھنے لگے۔ کنی
بادر فریدی کا دل چاپا کہ اُن سے الجھ پڑے اور اب حقیقتاً وہ اس پوزیشن میں تھا کہ اُن سے اکیلے ہی
پٹ سکتا تھا کیونکہ اس کا ہاتھ ایک اٹھانے والے کے ہولش میں جھوٹ رہا تھا اگر وہ چاہتا تو بہ
آسمانی اُس کے ہولش سے رویا اور نکال لیتا۔ لیکن وہ اپنی طبیعت پر جبر کر تارہ۔

کچھ دور چلنے کے بعد وہ ایک غار میں گئے اور انہوں نے پھر مشعلیں روشن کر لیں۔ فریدی
کو آنکھیں بند کر لینی پڑیں لیکن اُس کی پلکیں اب بھی ذرا سی کھلی ہوئی تھیں۔
توڑی دیر کے بعد اُس نے محسوس کیا کہ وہ ایک سرگنگ میں داخل ہو رہے ہیں۔ اُسے
سرگنگ ہی کہا جاسکتا تھا کیونکہ یہ راستہ کسی طرح سے بھی غیر مسطح نہیں تھا۔ یقیناً یہ ایک انسانی
کاروبار تھا۔

سرگنگ سے گذر کر وہ ایک مٹھ میں پہنچے۔ فریدی کو فرش پر ڈال دیا گیا اور ایک آدمی کے
علاوہ اور سب وہاں سے چلے گئے۔ ایک بار پھر فریدی کے دل میں آئی کہ کچھ نہ کچھ کرنا ہی چاہئے
لیکن اُس نے اس خواہش کو زیادہ نہ ابھرنے دیا۔ بس وہ بے حس و حرکت پڑا رہا۔ وہاں برک جانے
والا آدمی اُس کے پیروں کے پاس کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ اگر انہیں اسے
مارڈا ناہی مقصود ہوتا تو وہی ختم کر دیتے۔ آخر وہ اسے یہاں کیوں اٹھا لائے ہیں۔ دفتار اسے میکم
گٹھ پولیس آفس کے پرانے فاکل یاد آگئے جن میں اُس نے مردوں اور عورتوں کے انعامات کی
لپوڑیں دیکھی تھیں۔ گروہی کے غائب ہو جانے والے ساتھی یاد آئے جن کی لاشیں نہیں مل

آخر یہ کون ہو سکتا ہے اُس نے کچھ دیر اور انتظار کیا لیکن جب دیکھا کہ وہ ابھی تک اُسی طرح بیڑ
ہوا تھا تو اُس نے پھر کی ادث میں دیکھے رہنا مناسب نہ سمجھا۔
وہ پچکے سے اخدا اور نایا گن کی نال اُس کی پیٹھ پر رکھ دی۔
”خاموش“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”اپنے ہاتھ اوپر اخداو۔“
اس نے بے چوں وچرا تعیل کی۔ فریدی نے تاریخ نکالی اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اُس کے
منہ سے حیرت زدہ سی آواز نکل گئی۔

یہ فزار و کافنجر تھا اور اس کے چہرے پر اب بھی وہی معموم مسکراہت تھی۔
”آپ یہاں کیسے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”یہی سوں میں آپ سے بھی کر سکتا ہوں۔“ فیجرنے مسکرا کر کہا۔
فریدی کو اطمینان تھا کہ وہ اسے پہچان نہ سکے گا کیونکہ اُس نے میک اپ کر رکھا تھا اور
میک اپ معمولی نہیں بلکہ اُس کا مخصوص ترین میک اپ تھا جو ایکو نیا کے بغیر بگڑی نہیں سکتا تھا
”آپ شاکد فزار و کے فیجرنے پڑیں۔“ فریدی نے کہا۔

”اور میرے خیال نے یہ کوئی بُری بات نہیں۔“

”میں پوچھتا ہوں تمہارا یہاں کیا کام۔“ فریدی نے گرج کر پوچھا۔
”اوہ... آپ کون ہیں۔“

”میری بات کا جواب دو۔“ فریدی نے کہا۔

”اول تو آپ کی بات ہی میری سمجھ میں نہیں آئی۔“ فیجرنے سنجیدگی سے بولا۔ ”دوسری بات
یہ کہ آپ اس قسم کے سوالات کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ ویسے اخلاقاً میں آپ کو یہ بتا کا
ہوں کہ ڈیڑھ فٹ لمبے پیروں والے بھوت دیکھنے کی خواہش مجھے یہاں لائی ہے۔“

”آپ کون ہیں جناب والا۔“ اُس نے بڑی خوش اخلاقی سے پوچھا۔

”اور تمہیں یقین ہے کہ وہ میں سے دکھائی دیں گے۔“

فیجرنے کوئی جواب نہ دیا اور فریدی یہ بھی نہ محسوس کر سکا کہ دوسرے لمحے میں یقیناً اُس کا
ہاتھ اُس کے تاریخ والے ہاتھ پر پڑے گا۔
ساتھ ہی ایک بھرپور گھونسہ بھی فریدی کے جڑے پر پڑا۔ نایا گن بھی اُس کے ہاتھے

سکی تھیں اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ کہ انہی حال ہی میں قاسم اور حمید بھی اسی سیکل میں غائب ہو گئے تھے۔

”میں کہاں ہوں۔“ اس نے اپنے قریب ہی ایک نوافی آواز سنی۔

یہ بھی گویا مجذہ ہی تھا کہ آواز کی طرف فریدی کی گردن گھما کر دیکھا دا و آدی سرگ ک سرزد ہونے والے اغال سو فیصلی اخطراری ہوتے ہیں اور ان میں ارادے کو قطعی دخل ہوتا۔ اس کے قریب کھڑے ہوئے آدی نے آہستہ سے کچھ کہا جسے فریدی نہ سن سکا۔

”تم کون ہو.... میں کہاں ہوں۔“ آواز پھر آئی۔ لیکن فریدی کو اپنے کانوں پر یقین نہ کیوں نکل دہ آواز فرزانہ کی تھی۔ فریدی اس آواز کو ہزاروں میں پیچان سکتا تھا۔ کیونکہ اس سے نفرت تھی۔

اب بھی اس نے اپنی حالت میں کوئی تغیری پیدا ہونے دیا۔ فرزانہ شامکد کھڑی ہو گئی تھی۔ ”ترشیف رکھئے۔“ اس آدی نے کہا۔ ”آپ محفوظ ہیں۔ تشویش کی بات نہیں۔“

فرزانہ ہٹر چانے لگی لیکن وہ آدی خاموش رہا۔ لیکن جب فرزانہ باہر نکل جانے کے درستکے کی طرف چھپی تو اس نے بڑے پرسکون لمحے میں کہا۔

”اُدھر موت ہے۔“

فرزانہ یک بیک رک گئی۔ فریدی اب بھی چپ چاپ پڑا رہا۔ وہ اس ڈرامے کے دوسرا سین کا منتظر تھا۔

توڑی دیر بعد بقیہ لوگ پھر واپس آگئے۔ ان کے ساتھ دو عدد اسٹرپچر تھے۔ ان میں آدمیوں نے فرزان کو پکڑ لیا اور ایک نے انہیں کیسی قسم کی سختی کی تھی اور شاندہنگش سے اس لئے دیا تھا کہ وہ بے ہوش ہو جائے اور اسے ان راستوں کا علم نہ ہو سکے جن سے وہ کہیں لے جائی جانے والی تھی۔

اسے بھی فطرت کی ستم ظریفی ہی کہنا چاہئے کہ سردی کی شدت کے باوجود بھی فریدی کی

ل نیند سے بوجھل ہوتی چاہی تھیں۔ فریدی نے نیند کے خلاف ذہنی جنگ شروع کر دی۔ وہ

تھرپٹھر رہے اور فریدی جا گتارا۔ وہ اپنے ذہن میں مستوں کے نقطے مرتب کرتا جا رہا تھا۔

سچ ہوتے ہوتے فرزانہ کو ہوش آگیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتی رہتا۔

ایک ضبط کے رہا لیکن اس وقت اس پر یہ بات روشن ہو گئی کہ فرزانہ عادتاً بڑے بڑے الفاظ بولتی ہے اس کا مقصد خود نمائی ہرگز نہیں۔

آہستہ آہستہ فرزانہ کی آوازو ہتھی گئی اور پھر سکوت طاری ہو گیا۔

فریدی اور فرزانہ کو اسٹرپچروں پر ڈال کر وہ لوگ پھر چل پڑے۔

اس بارہ جس سرگ میں داخل ہوئے تھے کافی طویل معلوم ہوتی تھی۔ چار آدمیوں نے

بیٹھنے سے بھوت کی تھیں۔ فریدی اب بھی خاموش تھا لیکن اسٹرپچروں کے استعمال ہی سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ بامعلوم ہوتا ہے۔

تقریباً دو گھنٹے کے بعد وہ سرگ سے باہر نکلے۔ فریدی نے گردن گھما کر دیکھا دا و آدی سرگ ک رہانے کو بند کر رہے تھے۔ یہاں فریدی پر دو تین کمبل ڈال دیجئے گئے لیکن جیسے ہی وہ لوگ ہوئے فریدی نے منہ کھول دیا۔

بادل بالکل ہی پھٹ گئے اور نکھری ہوئی چاندنی میں پہاڑیاں نہائی تھیں۔ ستائی میں صرف وہ کی آوازیں ستائی دے رہی تھیں۔ اس سے فریدی نے اندازہ لگایا کہ شاید اس طرف بر ف نہیں ہوئی ورنہ قدموں کی آوازوں میں اتنی گونج نہ ہوتی۔

فریدی کا دل دھڑک رہا تھا۔ خوف سے نہیں بلکہ اس خیال سے کہ وہ عنقریب کسی بہت ہی رے راز سے دوچار ہونے والا ہے۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ لوگ اسے کہاں لے جائیں گے اور اس سے کیسا بر تاؤ بانگے۔ فرزانہ کے ساتھ بھی ان لوگوں نے کسی قسم کی سختی نہیں کی تھی اور شاندہنگش سے اس لئے دیا تھا کہ وہ بے ہوش ہو جائے اور اسے ان راستوں کا علم نہ ہو سکے جن سے وہ کہیں لے جائی جانے والی تھی۔

اسے بھی فطرت کی ستم ظریفی ہی کہنا چاہئے کہ سردی کی شدت کے باوجود بھی فریدی کی ل نیند سے بوجھل ہوتی چاہی تھیں۔ فریدی نے نیند کے خلاف ذہنی جنگ شروع کر دی۔ وہ تھرپٹھر رہے اور فریدی جا گتارا۔ وہ اپنے ذہن میں مستوں کے نقطے مرتب کرتا جا رہا تھا۔ سچ ہوتے ہوتے فرزانہ کو ہوش آگیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتی رہتا۔ یہی کا اسٹرپچر اس کے اسٹرپچر کے برابر ہی تھا۔ اس نے اس کی سہی ہوئی ڈھل دیکھی اور پھر لگا کہ آخر وہ کس طرح پھنس گئی کیا اسے نصرت کے مکان سے نکال کر لایا گیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو دوسرا نی ہوں تھیں بھی محفوظ نہیں۔

سچ کے ناشتے کے لئے وہ لوگ رک گئے۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ اس کے مسلسل ہمراہی نالی اطاعت شعار قسم کے غلاموں کی طرح پیش آرہے تھے۔ فرزانہ نہیں نہ ابھلا کر رہی تھی۔

لیکن ان میں سے کسی کی پیشانی پر ٹھکن بک نہیں تھی۔
”آپ ان لوگوں کے ہاتھ کس طرح لگیں۔“ فریدی نے فرزانہ سے کہا۔ ”میرا خواہ
کہ میں نے آپ کو فرار و میں دیکھا تھا۔“

”میں کچھ نہیں جانتی.... میں ایک پولیس آفیسر کے بھائی تھی.... اور ایک دو،
پولیس آفیسر کی تلاش میں فرار و آئی تھی۔ فرار سے واپسی پر بلائے آسمانی کی طرح کوئی الجو
والی چیز بھج پر گری اور پھر مجھے کچھ یاد نہیں۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد فرزانہ نے پوچھا۔ ”آخر یہ کون ہیں اور ہمیں کہا
جار ہے ہیں۔“

”پتہ نہیں۔“ فریدی نے سر ہلا دیا۔

”آپ کون ہیں۔“

”میں.... ایک ٹکاری ہوں۔ مگر یہ لوگ بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں۔“

اس سفر میں کئی بار ہمراہ یوں نے فریدی سے پیدل چلنے کی استدعا کی لیکن اس نے
منظور نہ کیا۔ اس نے اپنے گھنٹوں میں تکلیف کا بہانہ کر کے اسٹرپپر ہی پر پڑے رہنا مناسب
البتہ کسی جگہ قیام ہونے کی صورت میں وہ لنگزا لٹکرا کو تھوڑا بہت نہل ضرور لیتا تھا۔

فرزانہ نے اپنی فسیح اور میخ تقریروں سے اس کا ناطقہ بند کر کھا تھا۔ لیکن کبھی کبھی ا
روئے کا ذورہ بھی پڑ جاتا تھا۔ فریدی نے اسے اب تک نہیں بتایا تھا کہ وہ کون ہے۔ ویسے ”
تلیباں ہی دینا رہتا تھا۔“

تیرے دن وہ اسی وادی میں پہنچ گئے جہاں قاسم نے ایک فیصلہ کن جنگ کی تھی۔
فریدی کے ہمراہی بہت زیادہ سر ایسہ نظر آنے لگے تھے کوئکہ وادی کے نیش میں باہم
ویران نظر آ رہا تھا اور وہاں انہوں نے کچھ لا شیں بھی دیکھیں پھر جب وہ اس سنگی عمارت
داخل ہو گئے تو ان میں سے کئی کے منہ سے چیخیں نکلی گئیں۔ حالانکہ وہ کافی تھکے ہوئے تھے
انہوں نے قیام نہ کیا۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ وہ جلد سے جلد اس وادی سے نکل جا۔
کوشش کر رہے ہیں، انہیں عمارت میں بھی پندرہ میں لا شیں نظر آئی تھیں اور ان کی بدبوک
سے پوری عمارت میں کہیں بھی ناک نہیں دی جا رہی تھی۔

فرزانہ کے تو حواس غائب تھے۔ اس نے جو چپ چاپ سادھی تو پھر فریدی کے متوجہ
کرنے پر بھی اس کے منہ سے آواز نہ نکل سکی۔ نہاب وہ ہمراہ یوں کو برا بھلا کہہ رہی تھی اور نہ
اپنے ذیہی کو یاد کر کے روشنی تھی۔

قاسم کی درندگی

تیرے دن قائد ایک سر بزر و اوی میں داخل ہو رہا تھا اور یہاں سے شاکد پیدل چلے والوں
کی صوبوں کا خاتمہ ہو جانے کو تھا وہ ایک چھوٹے نے گاؤں میں تھوڑی دیر کے لئے تھہرے۔
یہ گاؤں تین چالیس چھوٹے چھوٹے جھوپڑوں پر مشتمل تھا۔ وسط میں پھر کی عمارت تھی۔
قاسم، حمید اور وہ لڑکی عمارت کے اندر لے جائے گئے اور یہاں بھی ان کے ساتھ کوئی بدسلوکی
نہیں کی گئی۔

دو پھر کا کھانا ان کے سامنے لگایا گیا۔ تو ایک بہت چھوٹے سے قد کا سخنہ آ کر اچھنے کو دنے
لگا۔ غالباً وہ ان کا دل بہلارہ تھا۔

قاسم بے تحاشہ تھیقہ لگا رہا تھا۔ حمید کو مسکرانے کی بھی فرصت نہیں تھی اس کا ذہن اس
عجیب و غریب سفر کی نویعت میں الجھ کر رہا گیا تھا اور ہر لحظہ اسے کسی اپاٹک حادثے کا اندریشہ
پریشان کر رہتا تھا۔

اس عمارت میں پہلے سے بھی کچھ آدمی موجود تھے اور ان کا رویہ بھی انتہائی خادمانہ تھا۔ ان
میں سے کسی نے ایک بار بھی ہمراہی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ لڑکی کا خوف بالکل رفع
ہو گیا تھا لیکن اب خوف کی جگہ گبرے قسم کے تحریرے لئی تھی۔ دستِ خوان پر وہی تینوں اکیلے
تھے۔ سامنے دو خادم دست بست کھڑے تھے۔ دستِ خوان اور خادموں کے درمیان میں بونا سخنہ
اچھل کو درہ تھا۔

”حمد بھائی.... ذرا اس چوڑے کو دیکھنا۔“ قاسم نے بونے کی طرف دیکھ کر کہا۔
دوسرے ہی لمحے میں ایک بونی کرے میں داخل ہوئی اور وہ بھی بونے ہی کی طرح اپنے
کو دو نے گئی۔

”اُنے...!“ قاسم جیت سے اپنے منہ پر باتھ رکھ کر بوا۔ ”بُونی بھی۔“
وہ چند لمحے منہ پڑائے انہیں دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”اے قربان جاؤں پاک پروردگار تیر
قدرت کے۔ اُنے کے لئے بونی بھی پیدا کر دی۔ کیوں حمید بھائی۔ ہی ہی ہی۔“

”اس خاتمے کے لوگ بھی بڑے شاہستہ معلوم ہوتے ہیں۔“ حمید نے لڑکی سے کہا۔
”میں تو اپنے بھی پاگل ہو جاؤں گا۔ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“

”وہم کا کوئی علاج ہی نہیں۔“ قاسم نے کسی طفلی کی طرح خود اعتمادی کے لیج میں کہا۔
”وہم ایکیسا ہم۔“ حمید اسے تیز نظروں سے گھورنے لگا۔

”بھی وہم کہ ہم لوگ دوسرا دنیا میں نہیں ہیں۔“ قاسم نے کہا۔ ”آپ لوگوں کو زندگی
مبارک رہتے ہیں تو سو فیصدی مر پکا ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ نے بونے کے لئے بونی پیدا کی ہے
میرا کچھ نہ کچھ انتظام ضرور کر دیا ہو گا۔“

لڑکی نے دوسرا طرف منہ پھیر لیا اور حمید قاسم کو کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگا۔
”لیا میں خاطر کہہ رہا ہوں.... حمید بھائی۔“

”بکواس بند کرو۔“

”ہمیں... پھر توہین کی۔“ قاسم گزر کر کھڑا ہو گیا۔ حمید اس کا شانہ تھکنے لگا۔
دو پہر کاملاً ختم کر چکنے کے بعد بھی وہ ہیں بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر بعد انہیں ایک خاد
اپنے ساتھ ایک بڑے کمرے میں لے گیا جہاں بستر پبلے ہی سے موجود تھے۔ دونوں کی تھکنے کے
بعد انہیں پکلی بارگہ ہی نیند آئی تھی۔ وہ چار بجے تک مردوں کی طرح پڑے رہے پھر ایک بیجا
انگیز شور نے حمید کو ہگا دیا۔ پہلے تو وہ کچھ نہ سمجھا اسے صرف سور کا احساس ہو رہا تھا۔ پھر جیسے
جیسے ذہن نیند کے اثرات سے پھکن کا پاتا گیا شور کی نوعیت سمجھی میں آتی گئی۔

یہ پہلے درپے فارکوں کی آوازیں تھیں اور ان میں آدمیوں کی چینیں بھی شامل تھیں۔ مید
اچھیں کر کھڑا ہو گیا۔ لڑکی بھی اٹھ چکھی تھی لیکن قاسم اس طرح مچل مچل کروٹیں بدلتا رہا
جیسے پھر کوں کی زیادتی اس کی نیند میں خلل انداز ہو رہی ہو۔

”قاسم...!“ حمید نے اسے چھجوڑا۔

”اوں ہوں.... ڈاپ.... ڈاپ.... کباب....!“ وہ منہ چلاتا ہوا دوسرا کروٹ ہو گیا۔

پھر حمید نے اُسے اس طرح چھجوڑا کہ اٹھنا ہی پڑا۔ وہ چند لمحے آنکھیں مل مل کر طرح
طرح کے منہ باتا رہا پھر جماہی لے کر اچانک اچھل پڑا۔ شائد شور کی آواز اُس کے ذہن میں
ساف ہوئی تھی۔

”ہمیں! حمید بھائی یہ کیا ہو رہا ہے۔“ وہ آنکھیں چھاڑ کر آہستہ سے بولا۔

”پچھے نہیں! لیکن یہ منہ سمجھ بیٹھنا کہ اب موٹ نہ آئے گی۔“ حمید نے کہا۔

دوسرالح اُن کے لئے انتہائی تشویش تاک تھا کیونکہ ایک گولی سننا تھی ہوئی سیدھی دروازے
کے سامنے سے گزدی تھی۔ اب سور و غل عمارت کے نچلے حصے میں ہو رہا تھا اور کچھ اس قسم کی
وخت تاک چینیں سنائی دینے لگی تھیں جیسے لوگ گولیاں کھا کھا کر دیسیر ہو رہے ہوں۔

وخت اُنہاں کو ایکیں رائفلیں سیدھی بکھنے ہوئے کمرے میں گھس آئے۔ دونوں نے بیک وقت بیچ
کر کچھ کہا اور رائفلوں کی نالیں اُن کی طرف تان لیں۔ اُن دونوں کے پھرے بڑے خوف تاک
تھے۔ انہوں نے بھیڑ کی کھال کا باس پہن رکھا تھا اور اُن کے سروں پر سیاہ ٹوبیاں تھیں جن کے
بال اتنے لبے تھے کہ اُن کی آنکھوں تک لٹک آئے تھے۔

”قاسم! باتھ اخدا دو۔“ حمید نے اپنے باتھ اخھاتے ہوئے کہا۔

”نہیں اخھاتا۔“ قاسم نے چھجنگلا کر کہا وہ بھی طرح طرح کی غصیلی شکلیں باکرا نہیں گھور
رہا تھا۔

لڑکی ڈر کر حمید سے لپٹ گئی تھی۔

ان میں سے ایک نے پھر بیچ کر کچھ کہا۔ الفاظ حمید کی سمجھ میں نہیں آئے۔
پھر اُسی وضع قطع کے کئی اور آدمی کر رہے تھے میں گھس آئے۔ ان میں سے ایک نے لڑکی کو اپنی
طرف کھینچ لیا۔ اُس کی بیچ دل ہلا دینے والی تھی۔

”قاسم خدا کے لئے۔“ حمید بڑا بڑا۔ ”کوئی حماقت نہ کرنا۔“

”حمد بھائی دیکھتے نہیں سالوں کو۔“

”دیکھ رہا ہوں۔ لیکن ہم نہیں ہیں۔ چپ چاپ دیکھو لیکن خائف نہ ہوتا۔ یہ بھوت نہیں
گیتا۔ بھوت را آغل نہیں رکھتے۔“

”اچھا... میں نہیں ڈر دیں گا۔“ قاسم نے سعادت مندان انداز میں سر بلایا۔

وہ لوگ انہیں رالشون کے کندھے سے دھکیتے ہوئے باہر نکال لائے۔

حید نے صحن میں اپنے ہم سفروں میں کئی کی لاشیں دیکھیں۔ ان میں کچھ زخمی بھی تھے، جو بیہو شی کی حالت میں بھی کراہ رہے تھے۔ برآمدے میں تخت پر ایک گرانڈیل آدمی کھڑا امر نے والوں کو حقارت آمیر نظریوں سے دیکھ رہا تھا۔ یہ شامدان و حشیوں کا سردار تھا۔ حید نے کچھ ہم سفروں کو رسیوں سے جذرا بھی دیکھا۔ ان میں وہ چاروں بھی تھے جو ارادو بولتے تھے۔ انہوں نے بڑی ندامست آمیر نظریوں سے حید کی طرف دیکھا۔

”یہ جانور ہمارے دشمن ہیں۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔

لڑکی کو دیکھ کر وحشیوں کا سردار ہونٹ چاٹنے لگا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا جس کے جواب میں انہوں نے قبیلے لگائے اور لاشوں کو روشنہ ہوئے تخت کے قریب آگئے۔ پھر سردار حید اور قاسم کو گھورنے لگا۔

انتنے میں دو آدمی بونی عورت کو پکڑ لائے۔ اس کا قد تین فٹ سے زیادہ نہ رہا ہو گا۔ اس نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر اچھال دیا۔ پھر اسے ہاتھوں پر روک کر اپنے ایک ساتھی کی طرف اچھال دیا۔ اس نے بھی ہاتھوں پر روک کر تیسرے کی طرف اچھال دیا۔ بونی کے منہ سے ذری ذری چینیں نکل رہی تھیں اور وہ لوگ بے تحاشہ قبیلے لگا رہے تھے۔

”یہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔“ حید نے ایک ہمراہی سے پوچھا۔

”یہ ہمارے دشمن ہیں۔ یہ ہمیں قیدی بنانا کرنا پنے علاقے میں لے جائیں گے۔“

”تمہارے اور آدمی کہاں ہیں۔“

”یہاں سے میں میل کے قابلے پر دوسرا یہ چوکی ہے۔“

دفتہ حید نے لڑکی کی جیخ سنی۔

وحشیوں کا سردار اس کے گال چٹکیوں میں دبائے کچھ کہہ کر ہنس رہا تھا۔ بونی بدستور اچھالی جاری تھی اور اس کی چینیں بھی گونج رہی تھیں۔

پھر سردار لڑکی کو چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کے دلچسپ مشغلوں میں شریک ہو گیا۔ اس نے بونی کی ایک ناگ پکولی اور اسے گردش دینے لگا لیکن اب وہ جیخ نہیں رہی تھی۔

چکر دیتے ہوئے اس نے اسے ایک بار چھوڑ دیا اور وہ اس کے ہاتھ سے نکل کر سامنے والی

پوارے جا نکل رہی۔

اور پھر وہ منظر کم از کم حید سے تو نہ دیکھا گیا۔ اس کی کھوپڑی پاش پاش ہو گئی تھی۔ ”خدا کی قسم۔“ قاسم رسیوں میں زور کرنے لگا۔ ”میں نہیں دیکھ سکتا۔ اس شیطان کے پچھے بھی اسی طرح چاروں گا۔ چاہے میرے پر خپچے اڑ جائیں۔“

”قاسم احمق نہ ہو۔۔۔ صبر کرو۔“ حید نے کہا۔

وحشیوں نے اب ہونے کی لاش اچھانی شروع کر دی تھی۔ وہ اس مشغلوں میں اس طرح منہک تھے کہ اپنے قیدیوں کی طرف دیکھنا بھول گئے۔ قاسم رسیوں سے زور آزمائی کر رہا تھا۔ لیکن بیان ثوث گئیں۔ اس نے قریب ہی پڑی ہوئی ایک رانفل اٹھائی اور اس کی نال پکڑے ہوئے وحشیوں کے مجھے میں گھس گیا۔ سب سے پہلے اس نے رانفل کا ایک کندہ ان کے سردار ہی کے رپر پھالا دیا۔ قاسم کی قوت تو بہر حال اظہر من القسم تھی اس پر طرہ یہ کہ وہ غصے میں تھا۔ نتیجہ یہ واکہ سردار پہلی ہی چوت میں ڈھیر ہو گیا۔ قبل اسکے کہ وحشیوں کو کچھ سمجھنے کا موقع ملتا قاسم نے تین آدمیوں کو گردیا۔ اس نے رانفل کو ڈنڈے کی طرح پکڑ رکھا تھا اور اسے کسی مشاق لھو باڑ کی طرح گردش دے رہا تھا۔ وحشیوں کے سر میں نہ جانے کیاسائی کہ انہوں نے بھی وہی حرکت کرنا شروع کر دی ورنہ شاکر قاسم کی پیشانی پر پڑی ہوئی ایک ہی گولی اس کا کام تمام کر دیتی۔

وہی طلق پھاڑ پھاڑ کر جیخ رہے تھے۔

”لڑکی کیا دیکھ رہی ہو۔“ حید نے سہی ہوئی آواز میں کہا۔ ”ہمیں کھول دو۔“

لڑکی نے گھبرائی ہوئی نظریوں سے ادھر ادھر دیکھا اور ایک مردے کی کمر سے خیز کھنچ کر ان کی رسیاں کاٹنی شروع کر دیں۔ وہی چاروں طرف سے قاسم پر ٹوٹ پڑے تھے اور انہیں کسی بات کا ہوش نہیں رہ گیا تھا۔ قیدیوں میں آٹھ آدمی تھے اور ان کی رانفلیں دیہیں لان میں پڑی ہوئی تھیں۔ انہوں نے جھوٹتے ہی اپنے دشمنوں کو نشانہ پر رکھ لیا۔ جب تک وہی سنبھلے ان کے چار آدمی کام آچکے تھے۔ انہوں نے دوسرا بائزہ ماری تین اور گرے۔ قاسم نے یہ ماجرہ دیکھا تو ”میں سے زمین پر گر گیا۔“

”دونوں طرف سے پھر گولیاں چلنے لگیں۔“ حید کے ہمراہیوں نے ستونوں کی اڑالے لی تھی اور ان کے دشمن کھلی میں تھے۔ تیری بائزہ نے ان کے قدم اکھاڑ دیے لیکن بھاگ نکلنے کے

سارے راستے خود انہوں نے تی مسدود کر دیے تھے۔

اب وہ تعداد میں صرف پانچ رہ گئے تھے۔

گولیاں چلتی ریجن ایک اوزگر ادا پھر باقی چار نے بچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھ کر اپنی

پیٹک دیں اور زمین پر اونٹھے گر گئے۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ چاروں اسی جگہ بندھے کھڑے تھے۔

قاسم نے یہوش سردار کو اٹھا کر تخت پر ڈال دیا اور دونوں ہاتھوں سے رائفل کی ہل

اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے وہ اس کے انتقام کے انتظار میں ہو۔

”یہ کیا کر رہے ہو۔“ حمید نے کہا۔

”اپنی قسم پوری کروں گا۔“ قاسم ہامپتا ہوا بولا۔ ”جیسے ہی اٹھے گا بس ایک ہی ہاتھ میں

کھوپڑی کے چار ٹکڑے کروں گا۔“

”یہ نہ سمجھتے تو بہتر ہے۔“ ایک ہمراہی نے کہا۔ ”اے قیدی بنا کر لے چلتا ہی زیادہ بہتر ہو

”ہر گز نہیں۔“ قاسم نے کہا اور جھک کر سرداز کے سر سے نوپی اتاری۔

”انہیں سمجھائیے۔“ ہمراہی نے حمید سے کہا۔ ”اے زندہ لے جانا ہمارے لئے زیادہ مفید ہو

حمید نے قاسم کو سمجھانا چاہا لیکن وہ پھیل گیا۔

”کیا آپ انہیں کسی تدبیر سے باز رکھ سکتی ہیں۔“ ہمراہی نے لڑکی سے پوچھا۔

”ہو سکتا ہے۔“ لڑکی نے بڑی برقی سے کہا۔ ”لیکن اس صورت میں جب ہمیں اس

کا مقصد بتا دیا جائے۔“

”محترمہ! ہم فی الحال اس سے مغذور ہیں۔“

”تب ادھر بھی مجبوری ہی ہے۔“ لڑکی نے کہا۔

”ہر گز نہ مانوں گا۔“ قاسم غصیلی آواز میں بولا۔ ”مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔ غصب!

ان درندوں نے اسی نسخی کی جان کو تمثاش بنا کر مار ڈالا۔ ہر گز نہیں۔ ہر گز نہیں۔۔۔ میں اس

سر کا گوداٹاک کے راستے بہاؤں گا۔“

قاسم نے اب اس کے ہوش میں آئے کا انتظار کرنا مناسب نہ سمجھ کر ایک کمزہ اس کے

پر جھاڑ دیا اور وہ ایک ذرع کے ہوئے مرغ کی طرح ترپنے لگا۔ پھر اٹھ کر بھاگا لیکن اس کی آگ

نمیں قاسم نے پھر ایک ہاتھ مار دیا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی لاش کو پہچانا بھی ناممکنات میں سے ہو گیا۔ نہ تاک کا پتہ تھا اور وہ ہانے کا صرف اس کے دہانے کے بڑے بڑے دانت باہر لکھے ہوئے تھے۔

اس کے چاروں ساتھی اس طرح کا نپ رہے تھے جیسے انہیں سردی لگ کر بخار آگیا ہو۔ ری نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا تھا۔

”قاسم تم نے بہت برا کیا۔“ حمید نے کہا۔

”چلو چلو! انہیں تو ابھی ایک ہاتھ جھاڑ دوں گا پر اٹھا، ہو کر رہ جاؤ گے۔“ قاسم بولا۔

اُس پر سچ چیخ خون سوار ہو گیا تھا۔ اُس نے ہمراہیوں سے پوچھا۔ ”ان چاروں کے لئے کیا کہتے وہ جلدی کرو۔ بھوک کے مارے میرادم نکلا جا رہا ہے۔“

”جتاب والا۔“ ایک نے کہا۔ ”ہم یہی درخواست کریں گے کہ انہیں قیدی بنا کر لے جلایا جائے۔“

”تم لوگ واقعی بڑے بے حیا معلوم ہوتے ہو۔“ قاسم مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔

”آپ بہت تھک گئے ہیں.... اب تھوڑا آرام کر لیجھ۔“

”آرام کر لوں.... اور کھانا.... الا قسم پیارے دم نکلا جا رہا ہے۔“

”آپ چلنے تو اپنے کمرے میں۔“ ہمراہی نے گرگزدا کر کہا۔ ”کھانا بھی آجائے گا۔“

پھر حمید اسے کسی نہ کسی طرح بہلا پھسلا کر کمرے کی طرف لے گیا۔

قاسم بڑی دیر میں شہنشاہ ہوا۔

”اب کیا خیال ہے تمہارا۔“ حمید نے پوچھا۔ ”مر گئے ہو یا نہ ہو۔“

”یہ سب سالے بھی چار سو میں معلوم ہوتے ہیں۔“ قاسم نے کہا۔ ”آج رات کو انہیں

بھی شہنشاہ اور نکل چلو۔“

”کہاں نکل چلیں.... کہاں.... بھکتے پھریں گے۔“ حمید بولا۔ ”مجھے تو ایسا معلوم ہو رہا ہے

میکے یہ، ہماری زندگی کا آخری سفر ہے۔“

”تو کیا ہم واقعی مر جائیں گے۔“ قاسم نے غناک لبھ میں پوچھا۔

”ذکر ہو! کیا ہوتا ہے۔ ویسے اب کچھ گز بڑھنے کرنا۔ چپ چاپ دیکھتے جاؤ۔“

قاسم اس انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا جیسے حمید کی بات اس کی سمجھ میں نہ آئی ہو۔

مل گئے

فریدی کے ہمراہ بڑی تیزی سے راستے طے کر رہے تھے۔ شاند انہیں اپنی حکمناہ احساس نہیں تھا۔

آخر آپ لوگ اتنے خوفزدہ کیوں ہیں۔“ فریدی نے ان میں سے اس آدمی سے پوچھا اردو بول اور سمجھ لیتا تھا۔

”ہمارے دشمن ہماری گھات میں ہیں۔“

فریدی نے اب اسٹرپچر پر لدرے رہنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ پکھہ دیر قبل دیکھی ہوئی لاٹ اب بھی اس کے ذہن میں چکر لگاری تھیں۔ ہمراہیوں سے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ وہ خطرے میں یہ ”لیکم گذھ میں آپ لوگوں کا کہاں قیام تھا۔“ فریدی نے ہمراہی سے پوچھا۔

”پورے ٹیکم گذھ میں۔“ ہمراہی نے مسکرا کر کہا لیکن اس کی مسکراہٹ میں زندگی نہیں تو چاروں طرف ہر ہی بھری پہاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ یہ حصہ گذھ سے کم بلند ہے ورنہ یہاں اس موسم میں بزری کا نام بھی نہ ہونا چاہئے تھا۔ سردی ضرور لیکن اتنی زیادہ نہیں جتنی ٹیکم گذھ میں ہوتی تھی۔

دن ڈھلتے ڈھلتے وہ لوگ منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ یہ ایک گاؤں تھا اور یہاں ایک بڑی سی کی عمارت تھی جس کے سامنے مسلسل آدمیوں کا ایک دستہ پھرہ دے رہا تھا۔

فریدی کے ہمسفروں میں سے ایک نے اپنی جیب سے پیلے رنگ کی ایک جھنڈی نکالی اسے اپنی رائفل کی نال پر لگا کر تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا مسلسل محافظ دستے کے قریب پہنچ گیا۔ پھر فرزانہ کا اسٹرپچر بڑے ادب و احترام کے ساتھ عمارت کے اندر پہنچا دیا گیا۔ فریدی ساتھ بھی کوئی بد سلوکی نہ کی گئی۔

انہیں ایک کمرے میں پہنچایا گیا۔

فرزانہ کے لئے یہ لمحہ حیرتوں کا لمحہ تھا۔ فریدی البتہ بہت پر سکون تھا۔ کمرے میں قامِ حمید ایک لڑکی کے ساتھ موجود تھے۔ قاسم سورہا تھا حمید اور وہ لڑکی بیدار تھے۔

”ارے آپ....!“ حمید فرزانہ کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

آپ یہاں۔“ فرزانہ تقریباً چیخ پڑی۔

ہر حید نے فریدی کی طرف دیکھا اور اسے اجنبیوں میں سے سمجھ کر پھر فرزانہ کی طرف و گیا۔

آپ یہاں کیسے پہنچیں۔“

گردش تقدیر۔“ فرزانہ نے فریدی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”میری ہی طرح آپ بھی ہے۔“

اوہ....!“ حید نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔

بغنا قاسم نے سوتے سوتے چیخ ناری اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”اپنی سرخ سرخ آنکھیں پھاڑے بڑیا رہا تھا۔“ وہ بھاگا۔ سر پکل دو.... یوں.... یوں.... اور پچاڑ.... گردن تکل گئی.... ہاتھ تکل گئے.... سر پکل دو۔“

حید اس پر ٹوٹ پڑا اور بڑی جدوجہد کے بعد اسے دوبارہ لٹانے میں کامیاب ہو سکا۔

انہیں کیا ہوا۔“ فرزانہ نے پوچھا۔

”بڑا تیر بخار ہو گیا ہے۔ کسی کو پیچانہ نہیں۔“ حید بولا۔

”یا ان لوگوں میں کوئی ڈاکٹر نہیں ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”می نہیں.... لیکن وہ لوگ اسے کوئی دوادے رہے ہیں۔“

”مکوم انجرات دماغ کی طرف مائل پرواز ہیں۔“ فرزانہ نے تشویشاً ک لجھ میں کہا۔

”بلکہ معدے میں دماغ کی طرف ان کا انتقال زمانی و مکانی ہو رہا ہے۔“ حید جل کر بولا اور نامپاہنگی کی طرح نہ روک سکا۔

فرزانہ اس طرف مزکر بولی۔ ”یہ دونوں حضرات ہمارے ساتھ کے ہیں۔“

”بڑی خوش ہوئی لیکن....“ فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا کیونکہ ہمراہیوں میں سے ایک اگرے میں داخل ہو رہا تھا۔

”آپ لوگوں کا کہاں بھی یہیں بیچ دیا جائے یا الگ کھائیں گے۔“ اس نے پوچھا۔

”کھانا....!“ قاسم نعرہ مار کر کھڑا ہو گیا۔ ”کہاں ہے کھانا۔“

حید وغیرہ بھونچکر رہ گئے۔ کونکہ وہ تو بھی جانتے تھے کہ قاسم بیویش پڑا ہے۔

”کہاں ہے کھاتا۔“ اُس نے اپنے کپڑے پوچھا۔ پھر اُس نے دروازے کی طرف بھاگ کی کمرتے لپٹ گیا۔ لیکن وہ بھلا حمید کے بُس کا تھا۔ کھانے کے متعلق پوچھنے والا بھی بُوکا

”آپ ہٹ جائیے۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔

اُس نے قاسم کے دونوں ہاتھ پکڑنے والے قاسم حلق پھاڑ کر جیخ رہا تھا۔ لیکن پھر وہ جبش نہ کر سکا۔ حمید حیرت سے اُس اجنبی کو دیکھ رہا تھا۔

”آئیے۔“ فریدی نے حمید کو اشارہ کیا۔

اُن دونوں نے اُسے پھر پلٹک پر دال دیا۔

”ارے غصب خدا کا۔... یہ کیا شتم ہے۔ بھوکوں مار ڈالا۔“ قاسم جیتا رہا۔

”ارے قاسم صاحب۔“ فرزانہ بولی۔ آپ کے لئے مقاطعہ جوئی ہی مناسب ہے

”ارے.... ہائیں۔“ قاسم آنکھیں پھاڑ کر اُسے دیکھنے لگا۔ پھر دونوں ہاتھوں

مل کر دوبارہ اُس کے چہرے پر انظریں جمادیں۔

”حید بھائی۔“ وہ آہستہ سے بولا۔ ”میں کہاں ہوں۔“

”وہیں جہاں پہلے تھے۔“

”لیکن آپ۔“ وہ فرزانہ کی طرف دیکھا رہ گیا۔

”آپ بھی آپھنسی ہیں۔“

وہاں انہیں قیام کئے ہوئے تین دن گذر چکے تھے اور ان تین دنوں میں قاسم نے

بند کر دیا تھا اور اب اسی مسئلے پر حید قاسم کو بور کر رہا تھا۔

”میرا خیال ہے کہ شکاری نے فرزانہ سے عشق شروع کر دیا ہے۔“ حید بڑی سمجھیدی۔

”اگر ایسا ہے تو میں شکاری کو زندہ نہیں چھوڑوں گا، جو فرزانہ کے ساتھ آیا ہے

مگر جوش لجھ میں بوا۔

”سُفون قاسم اور شکاری تم سے زیادہ طاقتور معلوم ہوتا ہے۔“

”مجھ سے زیادہ.... ہونہہ.... ابھی میں اس کی گردان توڑ سکتا ہوں۔“ قاسم نے

منہیں بھیجنے لیں۔

”اوہو.... تو کیا آپ مجھ سے زیادہ طاقتور ہیں۔“ دروازے کے قریب سے

”قائم دونوں لپٹ پڑتے۔ شکاری دروازے میں کھڑا تھا۔

”ارے! ہی ہی ہی۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔“ قاسم ہنسنے لگا۔

وری یہ حقیقت تھی کہ قاسم اُس دن والے واقعے کے بعد سے مار پیٹ کے موقع سے لگا تھا۔ اس نے وحشیوں کے سردار کو بڑی بے دردی سے مار ڈالا تھا۔ لیکن وہ رات کو سوتے پیچھے لگتا۔ کبھی نیند ہی میں انھوں کر بھاگتا اور اس طرح گر پڑتا جیسے اس نے وحشیوں دار کو دیکھا ہو۔

”آپ کچھ خیال نہ کچھے گا۔“ حمید نے فریدی سے کہا۔ ”یہ ہرے پر مذاق آدمی ہیں۔“

اُوہ.... کوئی بات نہیں۔ میں جانتا ہوں۔“ فریدی نے کہا اور پھر اُس نے گفتگو کا رخ بدل بڑی دیر تک اس عجیب و غریب سفر کے متعلق باہم کرتے رہے۔

”میرا نیل ہے کہ ہم لوگ پاگلوں کے ہتھے چڑھ گئے ہیں۔“

”کیوں؟“ فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

اس طرح تند دے لائے تھے اور اب اتنے اخلاق سے پیش آرہے ہیں کہ ہر وقت کئی گاہ ہمارے پاس موجود رہتے ہیں۔ جیسے ہم کسی ریاست کے شاہی مہمان ہوں۔ آخر اس کا مد ہو سکتا ہے۔“

”بس دیکھنے جائیے۔“ فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

تنے میں وہ دونوں ہمسفر بھی وہاں آگئے۔

”اب تو بتا دیجھ۔“ فریدی نے بنس کر کہا۔

”اوہو! اتنی جلدی کیا ہے۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔ ”خوب گھومئے پھر یہ تمکن

بنے۔ اسکی عظیم الشان جگہ آپ کو روئے زمین پر نہ ملے گی۔“

”لیا ہم بغیر یا بندی کے باہر نکل سکتے ہیں؟“ فریدی نے پوچھا۔

”کیوں نہیں! بڑی خوشی سے۔ یہاں ہرگلی کوچے میں اس آپ کا شاندار استقبال ہو گا۔ یہ لجھ۔“

اس نے جیب سے چاندی کے تین بیج نکالے، جو عقاب کی شکل کے تھے اور ان پر کسی

از بیان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔

”یہ تھا آپ کو کہیں بھیکنے نہ دیں گے۔ آپ جب بھی محوس کریں کہ آپ راستہ بھول

گئے تو کیا آپ مجھ سے زیادہ طاقتور ہیں۔“ دروازے کے قریب سے

رہے ہیں تو کسی کو بھی بچ دکھا دیجئے گا۔ وہ آپ کو سینیں پہنچا دے گا۔
” یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔“ قاسم قہقہہ لگا کر بولا۔ ”لیکن وہ مگری مگری عورتیں کہ
” ایک دو نہیں اور جوں حاضر کردی جائیں گی۔“

” درجنوں! ہاہا۔“ قاسم نے پھر قہقہہ لگایا۔ ”یعنی بہت سی... یعنی عورتیں...
خوف نہ کھائیں گی... ہاہا۔“

” جی ہاں.... وہ آپ سے محبت کریں گی۔“

” محبت... یعنی۔“ قاسم دانتوں میں انگلی دبا کر شرم اگیا۔

” حمید کا دل چاہ رہا تھا کہ جوتا لے کر پل پڑے۔“

” وہ لڑکی کہاں ہے، جو میرے ساتھ آئی تھی؟“ فریدی نے دریافت کیا۔

” وہ بھی آرام سے ہیں۔“

” میں اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔“ فریدی بولا۔

” دیکھا حمید بھائی... میں نہ کہتا تھا۔“ قاسم نے غصیلی آواز میں کہا۔

” بہت بہتر جناب۔“ ہمسفر فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔ ” وہ سینیں پہنچا دی جا۔
لاتا ہوں۔“

” وہ چلا گیا... اور قاسم فریدی سے الچ پڑا۔“

” تم کون ہو۔ اسے اپنے ساتھ رکھنے والے۔“

” آپ بعض اوقات بہت زیادہ بد تیزی ہو جاتے ہیں۔“ فریدی گزر کر بولا۔

” دیکھو میاں شکاری میں! میں گردن تو زدیا کرتا ہوں۔“ قاسم غرا کر بولا۔

” قاسم کیا بک رہے ہو؟“ حمید بوکھلا کر بولا۔

” چپ رہو حمید بھائی۔ میرا غصہ بڑا خراب ہے۔“

” انہیں اپنا غصہ اور زیادہ خراب کرنے دیجئے آپ خواہ دخل دے رہے؟
مکرا کر بولا۔“

” ہائیں....!“ قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ” تم مجھ سے لاو گے مجھ سے۔“ قا۔
کارگنگ یک اتر گیا اور وہ آہستہ سے پھر کرسی پر ڈھیر ہو کر فریدی کو گھورنے لگا۔

” ہمیں بچے ہو بچے۔“ فریدی مکرا یا۔ قاسم کچھ کہنے جائز تھا کہ بچے سے حمید نے اس کی بات
” دی۔“

” مجھے اس حق کی زیادتیوں پر ندامت ہے۔“

” ہوئی بات نہیں۔“ فریدی مکرا کر بولا۔ ” بے وقوف آدمی معلوم ہوتا ہے۔“

” میا کہا؟“ قاسم پھر غریا۔ لیکن حمید نے اس کا شانہ تھک کر اسے خاموش کر دیا۔

فریدی کو اس بات کی خوشی تھی کہ حمید اسے اتنے قریب سے دیکھنے پر بھی نہ پہچان سکا اور یہ
حال اس کے میک اپ کی خوبی بھی اور اس کا یہ مطلب تھا کہ وہاب۔ آنکھوں کی بناوٹ بھی
بل کرنے پر قادر ہو گیا تھا۔

فریدی جب باہر جانے کے لئے تیار ہونے لگا تو حمید اور قاسم بھی اس کا ساتھ دینے پر مصروف
گئے لیکن فریدی نے ان لوگوں کو سمجھا جما کر روک دیا۔

فریدی تھوڑی دیر کمک پہلاں یوں کے نہ پیچ راستوں پر ادھر اُدھر بے مقصد گھومتا رہا اس کے
روہ دہاں سے نکل کر آبادی کی طرف چل پڑا۔ کچھ دور چلنے کے بعد فریدی اپنے سامنے ایک
بی کو آتا ہوا دیکھ کر یک بیک چونک پڑا۔ اور وہ جان بوجھ کر اُس آدمی سے کلرا گیا۔

” تم کیسا آدمی ہے۔ دیکھ کر نہیں چلتا۔“ وہ تاخو شگوار لجھ میں بولاتا۔

” جب تم اچھی طرح اردو بول سکتے ہو تو کیوں اپنی زبان خراب کر رہے ہو؟“ فریدی نے
کھرا کر کہا۔

” ایں.... کیا مطلب۔“ وہ آدمی فریدی کو گھورنے لگا۔

” مطلب و طلب کچھ نہیں جانتے۔ یہ بتاؤ کہ تم فزارو ہو ٹھل سے کب یہاں آئے۔“

” کیا....؟“ وہ آدمی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کو دیکھنے لگا۔

” آپ مجھے اس طرح کیوں گھور رہے ہیں؟“ فریدی مکرا یا۔

” میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔“

” اس کی کوشش نہ کرو۔ یہ بتاؤ تم رہتے کہاں ہو۔“

” تھی... جی میں....!“

” مگر او نہیں میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔“

”نم جھوٹ بولتے ہو۔“ غوث پھر چلایا۔

”بھی دیکھو اب مذاق نہ کرو کیا تم دوسال تک جھریالی جیل میں میرے ساتھ نہیں رہے کیا
سے قبل تین بار جیل نہیں جا چکے ہو کیا تمہارا نام غوث نہیں ہے۔“

”اچھا بس کرو میرے بھائی اب یہ بتا دو کہ تم کون ہو؟“ غوث گزگزار کر بولا۔

”میں تمہارا ساتھی قامت خال ہوں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”غلط میرا کوئی ساتھی اس نام کا نہیں ہے۔“ غوث کے لہجے میں پھر جلاہٹ تھی۔

”تو پھر نہ ہو گا۔“ فریدی بڑی سادگی سے بولا اور پھر جانے کے لئے مڑ گیا۔

”ارے بھائی۔“ غوث بڑے خوش مانہ لہجے میں بولا۔ ”میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں
مجھے صرف یہ بتا دو کہ تم کون ہو اور یہاں کس طرح سے آئے۔“

”بس طرح سے تم لائے گئے ہو۔“

”لیکن تم مجھے کیسے جانتے ہو؟“

”میں تمہیں اس وقت سے جانتا ہوں جب تم پرانی کوٹھی والی گلی میں بکھری شراب بنایا کرتے
تھے۔“

”میں پا گل ہو جاؤں گا۔“ غوث نے اپنے بال کھینچ لئے۔

”اس کی ضرورت نہیں۔“ فریدی مسکرایا۔ ”میں تمہیں صرف اس شرط پر سب کچھ بتا سکتا
ہوں کہ تم مجھے سے دوستی کرلو۔“

”منظور.....!“ غوث نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔

”اچھا بس میرے ساتھ آؤ۔“ فریدی غوث کو لئے ہوئے پہاڑی کے ایک غیر آباد حصہ کی
طرف چلا گیا۔

کافی در بعد جب فریدی وہاں سے لوٹا تو وہ بالکل تمہارا اور اس کی سانس بڑی طرح پھول
کی تھی۔ وہ جلدی جلدی قدم بڑھاتا ہوا اپنی قیام گاہ کی طرف جا رہا تھا۔

اس طرح سے فریدی کئی آدمیوں سے ملا لیکن اس کی خرمید وغیرہ کو نہیں ہوئی۔ وہ روزانہ
شام کو گھونٹنے کے بہانے نکل جاتا اور کئی گھنٹے کے بعد واپس لوٹتا اور پھر ایک دن فریدی اچاک
غائب ہو گی۔

”میں اس وقت بہت جلدی میں ہوں۔“ اُس آدمی کے لہجے میں گھبراہٹ تھی۔

”یہاں سے واپس جانا چاہتے ہو؟“ فریدی نے سوال کیا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“

”سب کچھ ہو سکتا ہے کل مجھ سے یہیں پر ملتا۔“

فریدی یہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا اور وہ آدمی اپنی جگہ پر کھڑا اسے دیکھتا ہے۔

ٹھوڑی دور چلنے کے بعد فریدی کو پھر ایک جانی پہچانی صورت نظر پڑی۔ وہ غوث تھا۔

کوئی فروش اور کمی دفعہ کا مزایافت۔ وہ ایک قبانی کے ساتھ بڑے رازدارانہ طریقے سے

کر رہا تھا۔ فریدی اسے دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ ”یہ غوث بھی یہاں آگیا۔“ وہ اپنے دل میں بڑا

ایک چھوٹے سے نیلے کے پیچھے چھپ کر اس کی گفتگو سننے لگا۔

جب وہ اپنی بات ختم کر کے جانے کے لئے مڑے اور غوث تمہارہ گیا تب فریدی نے

سے اُس کے کندھے پر ہاتھ روک دیا۔

”کون؟“ غوث یک دم اچھل پڑا۔

”آپ کا پرانا دوست....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”میں آپ کو نہیں جانتا۔“ غوث اپنا نچلا ہونٹ سکوڑ کر بڑی بے اعتنائی سے بولا۔

”ٹھیک ہے۔ کوئی کی زیادتی دماغ پر زیادہ اثر کرتی ہے۔ خاص کر اس وقت جب“

”کرنے کے لئے اپنے کوبالک آزاد پاتا ہے۔“

”آخر تم کون ہو اور اس بکواس سے تمہارا کیا مطلب ہے۔“ غوث کے لہجے میں استغتاب

”ہاں اب تم مجھے کیوں پہچاننے لگے۔ یار کوئی کی آمدی میں اب میں تم سے حصہ نہ مانگا“

”اطمینان رکھو۔“

”تم پا گل ہو۔“ غوث بگزگیا۔

”دیکھو بلا وجہ غصہ دکھانے سے کوئی فائدہ نہیں یہ بتاؤ کہ کیسی کٹ رہی ہے۔ جگہ“

”بہت اچھی تجویز کی ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”مگر تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو۔“

”اس لئے کہ تم میرے پرانے ساتھی ہو۔“

فریدی کی واپسی

عبور ہے اور ہماری طرف کے لوگ ان پہاڑی گھاؤں کو نہیں دیکھ سکتے، جو شام کے اشوك زانے کی چیز۔ پہاڑوں کے اندر ہی اندر ایک میل بھی سرگ ہے، جو ان گھاؤں سے مغرب رف چلی آئی ہے۔ اُسی کے ذریعے ان لوگوں نے کافی فائدہ اٹھایا ہے۔ اور وہ برف کے ت..... وہ شام کے اسی سال کی ایجاد ہیں۔“

”برف کے بھوٹ.....!“ قاسم اچھل پڑا۔

”جید بڑی تینکی نظروں سے فریدی کو گھور رہا تھا۔

”اور آپ جانتے ہیں کہ میں سرجت حمید ہوں ڈیوبٹ نہیں ہوں۔“

”تی میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ فریدی شپش گیا۔

”مطلب؟“ حمید جلا کر بولا۔ ”آخر اس میں کون ہی مصلحت تھی۔“

”اُن حمید بھائی..... ذرا بڑھ کے زندگانے جانے پائے۔“ قاسم کھڑا ہو گیا۔

”بیٹھو....!“ حمید اُس کو گھور کر بولا۔ پھر فریدی سے کہنے لگا۔ ”آپ شکل تبدیل کر سکتے

لیکن آپ اس وقت کم از کم حمید کی نظروں سے نہیں چھپ سکتے۔ جب آپ اپنا کار نامہ بیان

رہے ہوں۔ سمجھے جتاب! آواز بدل دینے سے گفتگو کا خصوص انداز نہیں بدلا کرتا۔“

”قاسم اور فرزانہ حرمت سے حمید کی طرف تکنے لگے۔

”فریدی صاحب سے ملتے۔“ حمید نے فرزانہ سے کہا۔

”لیا....?“ فرزانہ چھپنی۔

”ہاں....!“ قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

”مجنہدا فرق عادات۔“ فرزانہ سینے پر ہاتھ رکھے اور آنکھیں پھاڑے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”الصلائے عالم میں فریدی صاحب جیسے عجوبہ کی مثال ملٹی دشوار ہے.... بول الجب.... بول الجب۔“

فریدی ہٹنے لگا۔

”آخر یہ لوگ ہمیں کیوں پکڑ لائے۔“

”میں نے کہا تاکہ ہم قربانی کے بکرے ہیں۔ بہر حال کل صبح تک کچھ نہ کچھ ہو کر رہے

گا۔ میں نے سوچا تھا کہ آج تمہیں اپنے ساتھ رکھوں گا لیکن....“ فریدی سوچنے لگا۔

”اچھا تھا رو..... میں تمہیں ہوڑی دیر بعد بتاؤں گا۔“ فریدی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

چھ دن بعد ایک شام کو جب فریدی واپس آیا تو اُس کے چہرے پر بڑی تازگی نظر آری۔ ”بھی حمید صاحب۔“ اُس نے ہس کر کہا۔ ”واقعی یہ جگہ عجوبہ روزگار ہے۔“

”کیوں کیا دیکھا آپ نے اور آپ تھے کہاں؟“

”یوں ہی ذرا شکار۔ ہاں میرے مشاہدات تو سننے۔“ فریدی نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”یہاں کے باشندے حد درج کاہل ہیں۔ اُن کی کاہلی کا یہ عالم ہے کہ ہر کام کا اختصار و ریا کر کے اُس پر عمل کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ تفریحات بھی اس سے نہیں بچتیں۔“

”وہ کس طرح۔“

”مثال کے طور پر انہوں نے شکار کی جگہ ثیبل ہٹنگ سا کو دی ہے۔“ فریدی ہس کر ا

”میر پر بیٹھی ہوئی مکھیوں کو ایرگن سے شکار کرتے ہیں۔“

”حمدہ ہنس پڑ۔ فرزانہ بھی ہٹنے لگی۔ البتہ قاسم منہ ہچلائے رہا۔

”یہاں کے باشندے ایک دوسرے کو دیکھ کر اس طرح بورتے ہیں جیسے روپڑیں گے

اُن کا سلام ہے۔ سڑکوں پر چلنے والے چار چھ قدم چلتے ہیں اور پھر رک کر سوچنے لگتے ہیں

عورتیں آپس میں گفتگو کرتی ہیں تو ایسا جان پڑتا ہے جیسے میں کر رہی ہوں۔ ہر شخص پیزار بیزا

نظر آتا ہے۔ ہر عورت اپنے ساتھ ایک بکار کھتی ہے اور کبھی کبھی یہ بکرے مردوں سے

پڑتے ہیں۔ تدرست تین بکار کھنے والی عورت کو خطاب ملتا ہے اور حمید صاحب ہم لو

قربانی کے بکرے ہیں۔“

”اور اس کا مقصد....!“ حمید نے پوچھا۔

”مقصد بے حد خطرناک ہے۔“ میں نے ساری معلومات فراہم کر لیں۔ ساری دنیا

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ٹیکم گذھ کے آگے بخراور غیر آباد علاقے ہیں۔ لیکن یہ غلط ہے۔ جی

آپ دیکھ رہے ہیں۔ کسی نے کبھی اس طرف آنے کی رسمت ہی نہیں گوارا کی۔ یہاں تک کہ

ادھر سے ہوائی جہاز بھی نہیں گزرتے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ٹیکم گذھ کا اتری پہاڑی سا

موت کے ہر کارے

رات تاریک تھی۔

فریدی پھر میں زمین کے ناہوار راستوں سے گزرتا ہوا ایک سُنگی عمارت کے قرب
ٹھہر گیا۔

اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ ایک بھی انک سنا تا ماحول پر طاری تھا۔ اس نے اس طرف دیکھا۔ شیشے کی کھڑکیاں بند تھیں۔ لیکن ان پر روشنی کی چھوٹ پڑی تھی۔ اس دل علاقے میں ایک ایسی عمارت کا وجود فریدی کے لئے تعب خیز تھا۔ اچانک اسے ہلکی ہلکی رُکی آواز سنائی دی اور پھر ایک عجیب قسم کی زہریلی بدبو پھیل گئی۔

فریدی نے تاک پر رومال رکھ لیا۔ کسی نے اوپر کی کھڑکی کھول دی اور گہرے رگما دھواں پھیلنے لگا۔ فریدی اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ کھڑکی سے کوئی شخص جھانک رہا تھا۔ وہ جب تک کھڑا رہا فریدی نے اپنی جگہ سے جبکش تک نہیں کی۔ مگر جب دبارہ اکھڑکی بند کروئی تب وہ آہستہ آہستہ دیوار کی طرف بڑھا۔ پھر کے بڑے بڑے ٹکڑوں کو کار بنائی گئی اس پرانی عمارت کی دیواروں پر جام جا شگاف پڑنے تھے اور پھر وہ کی نوکیں باہر نکل تھیں۔ صرف انہیں کے سہارے فریدی اوپر تک پہنچ سکتا تھا۔ صدر دروازے کی طرف سے اتنا سخت تھا کہ ادھر سے جانے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔

فریدی نے اپنے پنج گڑا دیئے اور پھر وہ سہارے اوپر پڑھنے لگا۔ سکیون کی آدا نزدیک آتی جادی تھیں اور ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی تکمیل کی شدت سے کراہ رہا ہو۔ فریدی کھڑکی کے نزدیک پہنچ گیا تھا۔ اچک کروہ کمرے کے بغل والی کھلی چھت پر آئنے میں کھڑکی پھر کھلی۔

”کون ہے؟“ ایک بھاری بھر کم آواز فضا کے ساتھ کوچیرتی ہوئی گوئی۔ کھڑکی کھول کر اپنا آدھا آدھا ہزار بہر نکالے ایک آدمی چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ فریدی دیوار سے اس طرح چک گیا کہ اس پر نگاہ نہ پڑسکے اور تھوڑی دیر بعد جب کھڑکی ہو گئی تو وہ پھر چھت سے کردن کی طرف بڑھا۔

پت کی طرف ایک محراب تھی اور اندر کمی کمرے تھے۔ راہداری سے گزرتے ہوئے اس کمرے کے سامنے رک گیا جہاں سے روشنی نکل رہی تھی۔

روازہ اندر سے بھڑا ہوا تھا۔ فریدی نے بلکے سے دھکایا اور اندر داخل ہو گیا۔

یہ بڑا سیع کرہ تھا جسے لیبارٹری کی شکل دی گئی تھی۔ فاسنورس کی تیز بوسے کمرہ بسا ہوا میں آرام کریں پر ایک آدمی پڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں اور وہ ایک نکل چھت کی دیکھ رہا تھا۔

زیری کے اندر داخل ہونے پر بھی اس کے اندر کوئی حرکت نہ ہوئی۔ اسی طرح اس کی چھت کی طرف نکلی رہی۔

فریدی نے اس کے قریب پہنچ کر تھوں کو جھنجورا۔

”یا کرتے ہو.... ارے.... پیچھے سے ایک آواز سنائی دی۔ فریدی نے گھوم کر دیکھا۔

”اوہ.... تم ہو۔“ آنے والے نے کہا۔ ”کیے آئے۔“

فریدی کے چہرے پر معنوی مکراہٹ پھیل گئی جیسے وہ بہت ڈر گیا ہو۔ آدمی اسے اب تک بھاگ۔

”یا یہ مر گیا۔“ فریدی کے منہ سے نکلا۔

”ہاں.... مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟“

”اس لئے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میرا بھی حشر ایسا ہی نہ ہو۔“

اس نے بڑے زور کا قہقہہ لگایا۔

”پیٹھ جاؤ...!“ اس نے فریدی سے کہا۔

فریدی پیٹھ گیا۔

”در اصل میں تمہاری جرأت اور بہادری سے بہت خوش ہوں۔ ورنہ حشر تو تمہارا بھی یہی

بکلا تھا۔ اب دیکھو...“ تم ادھر سے دیوار کے سہارے چڑھ کر آئے۔۔۔ پھر چھت پر کھڑے

ہے۔ آدم بکھر رہے تھے کہ تمہیں کوئی نہیں دیکھ رہا ہے۔ بگرات اسی نہیں تھی اور اگر میں چلتا تو

میں اسی وقت ختم کر دیا۔ مگر اس کی کوئی ضرورت نہیں محسوس کی گئی۔“

”آخر اس طرح لوگوں کے لائے جانے کا مقصد کیا ہے؟ ہم واپس جانا چاہتے ہیں۔“
”کیا تمہیں کوئی تکلیف ہے۔“ اُس آدمی کے لباس میں زمی آگئی۔
”نہیں تکلیف تو کوئی اپنی خاص نہیں.... لیکن....!“

”تم شائد بھول رہے ہو کہ یہاں سے جانے کے بعد تمہارا چانسی پا جانا یقینی ہے
گذھ میں فرار میں نہیں تھا۔“
”ہاں....!“

”تم نے فرار کے مخبر کو اپنی تامی گن سے دھمکایا۔ جانتے ہو اس سے قتل عمد کا جرم ہے
ہاں....!“

”پھر.... تم پر مقدمہ چل گا اور تمہیں چنانی ہو جائے گی۔“
”ہوں....!“ فریدی نے کہا۔
”پچھ پڑھ لکھے ہو۔“

”ہاں....!“
”کیا ہاں، ہوں کے جا رہے ہو۔ کیا اسی لئے میرے پاس آئے تھے۔“
”ڈاکٹر سڈلر....!“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ ان:
بھیاںک سرنخی جھلک اٹھی۔ یہ آدمی کون تھا۔“

ڈاکٹر ایک لمحے کے لئے بھوچ کارہ گیا۔.... وہ فریدی کو بڑی حیرت سے دیکھنے لگا۔
”تم.... تم کون ہو..... یہ نام تمہیں کس نے بتایا۔“
فریدی بے اختیار ہنسنے لگا۔ وہ اٹھ کر میرے قریب آگیا۔
”تم ابھی تو مجھے بچوں کی طرح پڑھا رہے تھے اور اب یکاکی صرف اپنا نام سن کر گھبرا۔
”کون ہو تم؟“ ڈاکٹر سڈلر گر جا۔ وہ فریدی کی طرف چھپتا۔

”اوہ! ڈاکٹر! اذرا صبر سے کام لو۔ تمہیں کم از کم آج کی رات خون سے پر ہیز کرنا ہے
کی بو تمہارے تجریبے اور سالہا سال کی محنت کو غارت کر دے گی۔“
ڈاکٹر سڈلر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔
”تم جانتے ہو! تم یہاں سے بیچ کر نہیں جاسکتے۔“ ڈاکٹر نے پر سکون لجھ میں کہا۔

”اب اگر بتا رہے ہو تو یہ میری معلومات میں ایک اضافہ ہو گا۔“
ڈاکٹر سڈلر بے بی کے عالم میں کھڑا تھا۔ فریدی کے ہاتھ میں نہ تو پسول تھا اور نہ راکٹ۔
مگر پھر ہمیں وہ اتنا مطمئن تھا جیسے ڈاکٹر بالکل بے بس ہو۔

باہر شور و غل کی آواز آرہی تھی۔ ڈاکٹر یک بیک چونکا۔
”پیارے! اس طرح نہ گھبراو۔.... باہر کوئی بھوت نہیں ہے۔“ فریدی کے لباس میں طنز
جلک رہا تھا۔ ”میرے کچھ ساتھی ہیں۔ انہیں میں ہدایت دے آیا ہوں۔ وہ آرہے ہوں گے۔“
”تم.... کہیں.... وحشی۔“ ڈاکٹر نے دانت پیٹتے ہوئے آگے بڑھنا چاہا۔
”ویکھو یہ بُری بات ہے۔ میں بالکل نہتا ہوں۔ تمہیں اس طرح آگے نہ بڑھنا چاہئے۔“
فریدی نے ہنستے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر سڈلر غصہ سے بے قابو ہو رہا تھا۔ اُس نے شستے کی ایک ٹکلی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔
”چیزیں! یہ کیا کرتے ہو۔ کھڑے رہو۔ یہ تو تم اچھی طرح سمجھ رہے ہو کہ میرے پاس کیا
ہے؟ اس چھوٹی سی شیشی میں بھرے ہوئے مادے کے یہ ذرات جنہیں تم نے اتنی محنت سے بنایا
ہے؟ میری الگیوں کی ذرا سی جنیش سے بکھر جائیں گے پھر اس کی تیاری میں تمہیں ایک مت لگ
جائے گی۔ تم مر کر بھی اسے تیار نہ کر پاؤ گے! اس لئے! میرے پیارے ڈاکٹر سڈلر! جہاں کھڑے
ہو یہیں کھڑے رہو۔ ورنہ میں اس شیشی کو توڑا دلوں گا۔“

فریدی پُر سکون لجھ میں کہتا رہا۔ باہر شور کی آوازیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا
جیسے وہ لوگ دروازہ توڑ رہے ہوں۔

”ویکھو! میرے ساتھی آگے۔ ان میں ایک تو وہ ہے جس نے تمہارے دشمن قیطاری قبیلہ
کے سردار کا سر توڑا لالا تھا۔ دوسرا میرا ساتھی ہے لیکن تمہیں یہ سن کر تجب ہو گا کہ تمہارے
اکثر وہ ساتھی بھی جو میرے ساتھ ہیں جنہیں تم ان غواہ کر لائے تھے اور پھر جن کو ڈراؤ دھماکا کر
پُلیس کے خوف سے تم نے اپنے قابو میں کر رکھا تھا۔“

”آخر تم کون ہو؟ اور اس سب بکواس سے تمہارا کیا مطلب ہے؟“
”میں کون ہوں؟ تم نہیں جانتے؟ ڈاکٹر میرا نام سن کر تمہیں بخدا آجائے گا۔ تم کا پنچ لگو گے۔“
باہر شور بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ حید اور قاسم اور ان کے ساتھی چھاک توڑ کر شائد اندر داخل

ہوچکے تھے۔

اچانک ڈاکٹر سڈلر نے ایک زور کی تجھے ماری اور چکرا کر گرفتار۔

فریدی اس وقت بہت بچھا سنبھالا لینے کے بعد بھی اپنے کو قابو میں نہ رکھ سکا۔ اس ہوا کہ شائد ڈاکٹر نے آخری وقت قریب دیکھ کر خود کشی کر لی ہے۔ فریدی اس کے باہم سرخ دیکھ چکا تھا۔ اس نے شیشی پر سے اپنے ہاتھ ٹھانے اور ڈاکٹر کی طرف بڑھا۔ ڈاکٹر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند نہیں۔

فریدی اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

قاسم کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ باہر گولیاں اب تک چل رہی تھیں۔ اتنا فریدی کو اپنے پیار میں کوئی چیز چھپتی ہوئی محسوس ہوئی۔ بے خیال میں وہ اچھلا اور دوسرا ڈاکٹر سڈلر کی مکمل گرفت میں تھا۔ ڈاکٹر نے اسے کرسی سے باندھ دیا تھا درد کے مارے فرا سارا جسم پھٹا جا رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے سارے جسم میں سویاں شیر رہی ہوں۔

ڈاکٹر سڈلر اس کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

”کہو صاحب زادے۔“ اس نے قہقہہ لگایا۔ ”اب خیریت کا خط لکھتے رہنا۔ ڈاکٹر سڈلر لڑنا آسان کام نہیں ہے۔“

”تم بھی نہیں سکو گے۔“ فریدی نہ سکون لے جھی میں بولا۔

”ابے جا مخترے! تو نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے؟“ ڈاکٹر سڈلر خواتی سے بولا۔ اچانک اور میز پر ہاتھ رکھ کر اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے کوئی پروفیسر کلاس روم میں لاکوں کے سا پیچھو گردیتا ہے۔

”مسٹر! ام کیا کرنے آئے تھے یہاں۔ پتہ نہیں تھا رہی ہست کیسے پڑی۔ خیر! تم معمول آہوں حماقت کر بیٹھے۔ اب نتیجہ بھکتنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ بلا وجہ تم نے اپنی موت کو دعوت ورنہ میرا تمہارا کیا مقابلہ؟“ وہ نہ جوش لے جھی میں بولا۔ ”میری ایجاد پر دنیا کا پاٹ اٹھے گی۔ دنیا کا ملک مجھے خریدنا چاہے گا اور جانتے ہو اس وقت میری قیمت کیا ہو گی؟ پانچ ملین ڈالر! کبھی اسے دارلوں کا نام خوب میں بھی سناء ہے؟ نہیں سناؤ گا مجھے یقین ہے۔“ وہ آپ ہی آپ پھر بڑا لگا۔ ”باہر یہ لوگ اتنا شور کیوں کر رہے ہیں یہ کہنٹ را جیل بالا وجہ ساری میگزین خالی کئے جا

ہے اسے دو! دو منٹ سے زیادہ ان کو مرنے میں دیر نہیں لگے گی۔“

اپکی تجھے فضایں امہری۔

”اُوہ! غصب ہو گیا۔ راجیل شائد زخمی ہو گیا۔ اُسی کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ اے مشر! گھومت اجھ سے سن لوتا کہ تمہیں حرست نہ رہ جائے کہ مرنے سے پہلے کسی باو قار آدمی سے سبقہ نہیں چڑا۔ مگر تھہرو.... مجھے راجیل کے مرنے کا افسوس کرنے دو۔ بڑا وقار آدمی تھا۔ مگر قابو انعام... میں نے اپنی آنکھوں سے اُسے گلا گھوٹنٹے دیکھا ہے۔ مجھے خون بہانے میں ذرا بھی ہر، نہیں آتا۔ مگر اس سور کو پتہ نہیں کون سی لت تھی۔ اب یہی دیکھے! میں اگر چاہوں تو مجھ کی

ٹرخ تمہیں مسل کر رکھ دوں.... مگر نہ.... مجھے جان لیتے ہوئے رحم آتا ہے۔ ایک یادو کو لانے سے کیا۔ گلا گھوٹ دیا۔ گولی مار دی! چھرا بھوک دیا۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ میری ایجاد و یکھوا لوگوں نے بھم بنائے جن کے پھٹنے سے درجہ حرارت بڑھ جائے گا اور میں جو ایجاد کر رہا ہوں اسی سے درجہ حرارت نفط انجمن پر پہنچ جائے گا۔ ہر چیز جم جائے گی۔ چلتے ہوئے آدمیوں کا خون بند ہو جائے گا۔ ان کی رت گیس پھٹ جائیں گی۔ مرنے میں صرف چند سینٹ لگیں گے۔

بس آج کی رات اور! میرا تجربہ قریب تکمیل ہو چکا ہے۔ میں دو روز بعد یہاں سے چلا جاؤں گا۔ پھر یہ حسین وادی و حشی قابکیوں کے قبضہ میں آجائے گی۔ اس کا حسن بگز جائے گا۔ اسے بڑی محنت سے میں نے تیار کیا تھا۔ مگر افسوس....!“

ڈاکٹر سڈلر نے ایک شندھی سانس بھری اور فریدی کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔

”بیلو! مشر.... مگر بھی مکاری کی حد نہیں ہوتی۔ تم تو ایسا منہ بمار ہے ہو جیسے مرنے کا الاؤہ کر رہے ہو؟ یہ کیا بد تیزی ہے! میں نے تمہیں صرف نیم یہو شی کا ہلکا سا نجکشن دیا تھا۔“

ڈاکٹر سڈلر ہٹھ پہنچنے ہوئے بولا۔

کوئی اپنے اب بھی شور ہو زہا تھا۔ وہ لوگ شائد ڈاکٹر کے آدمیوں کو ختم کر کے پیڑھیاں طے کر رہے تھے۔

اس نے میں وسل کی آواز سنائی دی۔

”پوپو!“ ڈاکٹر سڈلر بڑا بڑا۔ ”یہ کہتے کہاں سے آگئے۔ انہیں راستے کا پتہ کیسے چلا۔

خود کی نئے غداری کی.... مگر....! وہ آپ ہی آپ رک گیا۔

کوئی بواب نہیں آیا۔ شاید پولیس کے ہتھے چڑھے گے۔
نیچے ہنگامہ اور تیز ہو گیا تھا۔ لو ہے کے جنگلے دار دروازوں پر پولیس زور آزمائی کر رہی تھی۔
چاروں طرف بوٹوں کی کھڑک ٹھراہٹ اور سینہوں کی آواز گونج رہی تھی۔
”تم سمجھ رہے ہو گے کہ میں پاگل ہوں، جو اتنا وقت خراب کر رہا ہوں۔ مجھے انتظار ہے اور انتظار کا وقت باقی ہی میں کتنا ہے۔“

بے چینی سے ٹلتے ہوئے اس نے گھڑی دیکھی۔
چھپن کی آواز ہوئی اور کھڑک کی ایک شیشہ ٹوٹ کر گر پڑا۔
”ارے غصب ہو گیا۔ یہ لوگ چھٹ پر آگئے۔“
ڈاکٹر سڈلر کے منہ سے نکلا۔ اُس نے شیشہ کی ایک پتلی سی ٹکلی اٹھائی اور اسے اپرٹ لیپ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”لو میاں! اب یہ بظاہر بیکار کی چیز کار آمد ہو جائے۔ پانچ منٹ بعد یہ پہنچے گی اور اس میں سے ایک باریک دھوئیں کی دھار نکلے گی اور وہ تم سب لوگوں کے لئے کافی ہو گی۔“
لو تیز سے بھڑک رہی تھی۔ ڈاکٹر سڈلر اسے اپرٹ لیپ کے قریب لے گیا۔
”سب تیار ہے۔“ پچھے سے کسی نے کہا۔
ڈاکٹر سڈلر نے گھوم کر دیکھا۔

”اچھا...!“ ڈاکٹر کے لہجے میں خوشی جھلک رہی تھی۔
آنے والا جیسے ہی مڑا ایسے ہی ڈاکٹر کے منہ سے ایک بھیاں چیز نکلی وہ لا کھڑا کر گر پڑا۔
تابرو توڑ کئی گولیاں کھڑکیوں کے شیشے توڑتی ہوئی گزرنگیں۔

ہوا یہ کہ فریدی اب تک بڑی خاموشی سے ڈاکٹر سڈلر کی بات سن رہا تھا۔ اس سے پہلے جب ڈاکٹر کی نظر پہنچی تھی وہ اپنی کرسی کھسکا کر میز کے قریب ہوتا گیا تھا۔ دوبارہ جب ڈاکٹر واپس آیا تو داکل کے بالکل قریب تھا۔ جیسے ہی ڈاکٹر مڑا، فریدی کرسی سیست اس پر گر پڑا۔
ڈاکٹر اس غیر متوقع حملہ کے لئے تیار نہیں تھا۔ سنبھلتے سنبھلتے وہ گر پڑا اس کے ہاتھ سے شیشے کی ٹکلی کر پڑی تھی۔ اُس نے اٹھنا چاہا مگر اُس کے اٹھنے سے قبل ہی فریدی نے اپنے جسم سے پھر اُس کو دھکا دیا۔

”کیا ان کے دل سے بہوت کا خوف نکل گیا۔ یہ تو بہت نہ اہوا... خیر دوستو آواز اُب اس کمرے میں دو لاشیں ملیں گی۔ ایک اُس نوجوان کی اور دوسرے میرے تجویز کے ڈاکٹر سڈلر تو جاتا ہے۔ تم اب اُس کی گرد بھی نہ پاسکو گے۔“ وہ مسکراتے ہوئے ایک کم طرف بڑھا۔

”ماستر! دنیا کا ہر آدمی ہائیر سکول یا شدید قسم کی جنی خواہشات کا شکار ہوتا ہے۔ یہ میرے ساتھ بھی ہے۔ اب دیکھ لو کہ ایسے وقت میں بھی بغیر عورت کے نہیں بھاگ سکتا ڈاکٹر سڈلر نے کہا۔ اُس نے درازے سے کچھ کانڈاتاں نکالے اور انہیں جلانے لگا۔“
”اب یہ فارمولہ کسی کو نہ معلوم ہو سکے گا۔“ اُس نے پھر کہا اور شیشی اٹھا کر جیب میں رکھتی عورتیں! اور کتنے مرد لایا! افسوس کہ اب سب مر جائیں گے۔ مریں مجھے کیا؟ ایک دن تو مرتے ہی! آج ہی مر جائیں۔ کیا فائدہ ان کے پہنچ سے، انہیں تو میں نے الٹے کیا تھا۔ میں نہ بارتا تو قیطاری مار ڈالتے۔ پولیس پکڑ لیتی۔“

ڈاکٹر سڈلر بڑھاتے ہوئے دوسرے کمرے میں گیا اور ذرا ہی دیر بعد نکل آیا۔ فریدی خاموش کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے اپنے ہونٹ بھینچ رکھے تھے۔ رہ رہ کر آنکھیں چمک اٹھتیں۔ وہ اس طرح ڈاکٹر سڈلر کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے کسی بات کا منتظر ہو نیچے کا شور بھیاںک ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر سڈلر نے اپنے خونخوار کتے چھوڑ دیے تھے۔ یہ لوگ فریدی کے اکسانے پر اس جنم سے چھکارا حاصل کرنے کے لئے آخری جدوجہد تھے۔ وہاں کتوں کو دیکھ کر گھبرا لٹھے۔ ان کے قدم اکھڑ رہے تھے۔ مگر ڈاکٹر کے ساتھی؟ تھوڑے رہ گئے تھے۔

ڈاکٹر سڈلر بہت جھلایا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ فریدی کی جگہ اگر کوئی دوسرہ ہوتا تو شاپچان بھی نہ پاتا! سیل گھانی میں جو بہوت دیکھے گئے تھے ان میں اور ڈاکٹر میں کوئی فرز فریدی کو دیکھ کر اُس نے ایک قہقهہ لگایا۔

”تمہارے ساتھی بڑے بد تیز معلوم ہوتے ہیں۔ انہیں اتنا بھی خیال نہیں کہ ایک داں سفر کی تیاری کر رہا ہے...“ وہ ہنسا اور اچاک اُس کی آواز میں سخت پیدا ہو گئی۔ ”بیکم ہ بھی کچھ گڑبڑ ہے۔ ابھی میں نے والریس سے فرار و میں فیجر اور غرماش سے بات کرنی!

آگے بڑھ رہا تھا۔

”فریدی صاحب اندا کے لئے“ حمید چلایا اس کی آواز ہمراً تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح دوڑا۔ ”دیکھ رہے ہو.... خدا کی قسم.... یہ آدمی کام نہیں ہے.... فریدی صاحب۔“ حمید پھر چلایا۔ ”وٹ آئیے...“ وہ دوڑنے لگا۔

مگر فریدی نے کوئی دھیان نہیں دیا۔ وہ تیزی سے ایک طرف کو دیکھا۔ ڈاکٹر سڈلر بھاگ رہا تھا۔ اُس نے اپنے فرار کے راستے خود ہی مسدود کر دیتے تھے۔

فریدی اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ ایک گنگوڑے کے پاس آ کر وہ رکا۔ چاروں طرف شعلے ہڑک رہے تھے۔ فریدی کونہ پا کر اُس نے اطمینان کی سانس لی۔ پنجوں کے مل اُس نے اترنا چاہا۔ ایک آہنی ہاتھ اس کی گردن پر ڈال۔ ڈاکٹر سڈلر کمر مڑا۔ سامنے فریدی کھڑا تھا۔

”تمہیں اب بھی شہید ہے کہ تم زندہ بچ سکو گے؟“ دانت پیتے ہوئے وہ فریدی کی طرف بڑھا۔ ”ڈاکٹر.... فریدی اپنے شکار کو زندہ پکڑنا بھی جانتا ہے۔“

”فریدی.... تم.... تم ہندوستانی کتے۔“ ڈاکٹر پھٹی پھٹی نگاہوں سے گھورتا ہوا بولا اور پھر بے چاشہ وہ فریدی پر ٹوٹ پڑا۔ فریدی ذرا سا ہٹا۔ پھر اُس نے تان کر ایک گھونسہ ڈاکٹر کی ناک پر جمادیا۔ پھر دوسرا پھر نکلا۔ پھر چوچھا۔

ڈاکٹر سڈلر لڑکھڑایا اور پھر تیور اک گر پڑا۔ اُس کا سارا منہ خون سے تر تھا۔

فریدی کنی جگہ سے نری طرح جل گیا تھا۔ جا بجا خراشیں آگئی تھیں۔ گنگوڑے پر کھڑے ہو کر وہ چلایا۔

پیچ لوگ اُگ بجھانے کے سلسلے میں بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ فریدی کی آواز سن کر وہ نہ پھر گھٹے۔ منوں میں رسیوں کے ذریعہ ڈاکٹر سڈلر اور فریدی پیچے اتار لئے گئے۔

فریدی کو دیکھ کر حمید کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ مگر وہ منہ پھلا کر بیٹھ گیا۔

”خوار کھینچنے تشریف لائے تھے! بڑے بالوں والی لوڑیوں کا شکار! ہو نہہ!“ حمید بڑباٹنے لگا۔

ڈاکٹر کا ساتھی، جو اُسے اطلاع دینے آیا تھا۔ یہ دیکھتے ہی پلٹ پر اُن بے چاشہ اُس نے فریدی پر کرسی کھینچ ماری۔ فریدی غالباً اس کے لئے تیار تھا اور اس میں وہ ہٹا پوری کری ڈاکٹر سڈلر کے اوپر پڑی۔

چھنجلا کر اُس نے لو ہے کا ایک موٹا ساروں اخایا۔

اسنے میں دو آدمی کھڑکیوں کے راستے نے اندر کو دیا۔

”حید بھائی.... دیکھتے ہو سا لے کو۔“ کہتے ہوئے قاسم ڈاکٹر کے ساتھی پر ٹوٹ پڑا۔

حمدی نے جلدی جلدی فریدی کی رسیاں کھول دیں۔ اُس کی آنکھوں میں جیسے خون اڑا یا تھا۔ ڈاکٹر سڈلر خاموش پڑا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ بازی ہار گیا ہے لیکن اب بھی امید تھی۔ حید کو فریدی کی طرف متوجہ پا کر اور قاسم کو اپنے ساتھی سے لڑتا ہوا دیکھ کر ڈاکٹر سڈلر نے موقع کی غنیمت جانا۔ پچکے چپکے وہ سر کتا ہوا دروازے کے قریب آیا اور پھر جلدی سے اٹھ کر بھاگا۔

حمدی نے دیکھ لیا ہے اختیار اُس نے کنی گولیاں خالی کر دیں۔

اور پھر یا کیک دہشت کے مارے اُس کے ہاتھ سے پستول چھوٹ کر گر پڑا۔ سیٹل گھائی والا بھوت اُس کے سامنے تھا۔ وہ گولیاں بر سار ہاتھا اور گولیاں اس پر اثر نہیں کر رہی تھیں۔

فریدی چھوٹتے ہی ڈاکٹر کی سمت میں دوڑا۔ پہلے کمرے کو پار کرتے ہی اُسے شعلے دکھائی دیئے۔ ڈاکٹر نے بھاگتے ہوئے آگ لگادی تھی۔

”حید.... پیچے اتر جاؤ۔“ فریدی وہیں سے چلایا۔

آگ بڑی تیزی سے پھیل رہی تھی۔ لکڑی کے تختے ٹوٹ رہے تھے اور بڑے بڑے پتھروں کے گلکوے ہوا میں اڑ رہے تھے۔

حمدی اور قاسم پولیس کے ہمراہ عمارت خالی کر چکے تھے۔ ڈاکٹر سڈلر کے سب ہی ساتھی یا ان مارے گئے یا گرفتار کے جا چکے تھے۔ آگ بجھانے کا کام تیزی سے جاری تھا۔ مگر ایسا لگتا تھا جیسے ساری عمارت جلا کر ہی آگ دم لے گی۔

مگر اس ہنگامے میں فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید چاروں طرف اُسے ڈھونڈ رہا تھا۔ گھبرا کر وہ مسخر نظر سے پوچھتا اور پھر ڈھونڈنے لگتا۔

اچانک آگ کے شعلوں میں فریدی اُسے دکھائی دیا۔ وہ جلتی ہوئی ایک شہنیر کے ہمارے

دیکھا گیا تھا۔ میرے حافظہ میں یہ چیز محفوظ تھی۔ اسی زمانہ میں ان غواہ کی وارداتیں ہوئے۔ بھنے بد قسمتی سے یہ سمجھا گیا کہ لوگ دراصل برف باری اور شکار کی وجہ سے مر رہے ہیں۔ میں نے اپنی سمجھ کے مطابق تاویل کی اور ڈاکٹر سڈلر کا مقصد بھی بھی ہی تھا۔ اُس نے خوب فائدہ اشوك اعظم کے زمانے کی گچھاؤں اور سرگوں کے ذریعہ وہ پہاڑیوں کے اس پار پہنچ گیا۔ اُس نے اپنی لیبارٹری قائم کی۔ لیکن جلد ہی ایک خطرہ اُس کے سامنے آگیا۔ وہاں پر یعنی قیادی قبیلہ کے لوگ اُس کے دشمن ہو گئے اور اُس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ڈاکٹر نے اُس قبیلہ کی عورتوں کو پکڑ دیا تھا۔ اُسے اپنے زہر لیلے، مہلک اور تباہ کن آلات کے تجربے کے مردوں کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ ان کی طرف سے خطرہ دیکھ کر اُس نے بلیک میلنگ ریع کی... اُس نے ایسے لوگوں کو اپنے گرد اکٹھا کرنا شروع کیا، جو جرائم پیش تھے اور پھر انہیں ذریعہ اُس نے ان غواہ کی وارداتیں شروع کر دیں، جو مرد یہاں سے جاتے تھے اُن میں سے اکثر کے تجربے کا شکار ہو جاتے تھے اور پیشتر قیطاریوں سے ٹانے کے لئے رکھے جاتے تھے۔

گروہی کی لڑکی غائب ہونے کے بعد لوگوں کا دھیان جب سیٹ گھائی کی طرف گیا اور خود میں بھی اس نکست پر جھنجھلا کر مخفیمان کار دایبوں پر اتر آیا تو ڈاکٹر سڈلر نے بھوت کا ناٹک رچا۔ لوگوں کو توهات میں پھنسا کر خوف زدہ کرنا چاہا۔

میں جب یہاں آیا ہوں اور میرے سامنے فرزانہ کی بیہو شی اور پاگل پن کا واقعہ گذر رہے، پہنچ سے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اس کے پیچھے کوئی بہت زبردست دماغ ہے وہ انجشن اس قسم کا اکہ اس کے بارے میں اپنے یورپ کے قیام کے درمیان میں نے سنا تھا۔ معاً میراڑ، ہن ڈاکٹر مارکی طرف گیا۔ میں نے واقعات کی کڑیاں ملانی شروع کر دیں۔ پرانے ریکارڈو یکھے۔ واقعات مانو یعنیت پر غور کیا اور میرا شک یقین میں بدل گیا۔ یہاں تک کہ ایک رات مجھے بھی ایک عام نکالی بکھر کر پکڑا گیا۔ غرماش اور فزار و کافیر ڈاکٹر سڈلر کے خفیہ اجنب کا کام کر رہے تھے۔ لیکن کے آدمیوں کے ذریعہ میں اور مجھ سے پہلے حید اور قاسم ڈاکٹر سڈلر کی لیبارٹری تک پہنچے۔ میں نے ایک چھوٹی موٹی سی ریاست قائم کر رکھی تھی۔ اگرچہ سرگ کے ذریعہ مجھے لے جلا دیا اور اس بات کی پوری کوشش کی گئی تھی کہ رازداری سے کام لیا جائے کہ پھر بھی میں اپنے ذہن میں مستوں کے ذریعے رستوں کے نقشے مرتب کرتا گیا۔ وہاں پہنچنے کے بعد مجھے کئی مجرم

امن کا دشمن

دوسرے ہی دن سب لوگ ٹیکم گڈھ لوٹ آئے۔ غرماش اور اُس کے دو ساتھی اور فزار و کافیر پہلے ہی حرast میں لے لیا گیا تھا۔ ڈاکٹر سڈلر تو پولیس کی حرast میں تھا ہی۔ تمام واقعات اس طرح اچانک اور ڈرامائی طور پر پیش آئے تھے کہ ہر شخص جرمانہ خصوصاً ڈاکٹر سڈلر کی خصیت اور اُس کے بھوت کاراز بھی لوگوں کیلئے ایک معہد سے کم نہ تھا۔ میجر نصرت کے یہاں فریدی کی دعوت تھی۔ حید اُس روز بہت چہک رہا تھا۔ بغل:

”حید بھائی... وہ مجھے گھور رہی ہے۔“

”تم بھی گھورنا شروع کر دو۔“

”جی....!“ قاسم نے کہا اور باقاعدہ طور پر آنکھیں نکال کر فرزانہ کو گھورنے لگا۔ ”آن کا وہ سامان تو آپ نے دیکھ ہی لیا ہو۔ جس کے ذریعہ وہ بھوتوں کا ہبڑو پ بھرتے تھے سفید فر کا وہ لباس، جورات کو برف کی طرح سفید نظر آتا تھا۔ دیکھ فٹ لمبے مصنوعی پنجھے تھے جو توں کی طرح پہنچتے تھے اور لباس کے نیچے پہنچنے کے بلٹ پروف سا اور سب سے زیادہ جیرت اور مشین جس سے وہ برف کے ذرات منتشر کرتے تھے۔ اس کا ایک ریڈ کا پاپ برف میں ڈال جاتا تھا اور دوسرا سر امصنوعی بھوت کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ مشین پٹنے ہی برف کے ذرات پا میں کھینچنے لگتے تھے اور ہاتھ والا سر انہیں بڑے فورس کے ساتھ منتشر کر تارہتا تھا۔“

فریدی میجر نصرت کو سمجھا رہا تھا۔ حید بھی آسکر پیٹھ گیا تھا۔

”لیکن مقصود.... آخر اس سے انہیں فائدہ کیا ہوا۔“

”حید صاحب! یہی تو اصل کہانی ہے۔ ڈاکٹر سڈلر پر جنگ کے بعد اس کی حکومت غداری، بغاوت اور سازش کے الزام میں مقدمہ چلایا تھا۔ لیکن کسی نہ کسی طرح وہ نکل جائے کامیاب ہوا۔ اس کے دو سال بعد اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی کہ ٹیکم گڈھ کے نزدیک ایک

ایسے دھکائی دیئے جنہیں میں جانتا تھا۔ خفیہ طور پر میں معلومات حاصل کرتا رہا۔ ڈا ساتھیوں میں سے کئی ایسے تھے جو وہاں سے نکل جانا چاہتے تھے۔ انہوں نے سارا رازِ غوث نے اس سلسلے میں سب سے زیادہ مدد اور اسی شام کو وہاں سے روانہ ہو گیا۔ قیطاریوں کے وہاں سے چلا جائے گا۔ وقت کم تھا۔ میں اسی شام کو وہاں سے روانہ ہو گیا۔ قیطاریوں کے یقین دلانے کے بعد کہ انہیں ڈاکٹر سڈلر کی جیڑہ دستیوں سے نجات مل جائے گی۔ مجھے ابھی بڑی مدد ملی اور جو راستہ چھپ دن میں طے ہوتا تھا وہ صرف ڈھائی دن میں طے ہو گیا۔ پہنچ کر سب سے پہلے غرہاش اور فزارو کے میجر کو حرast میں لیا گیا۔ پھر میجر نصرت کو دے کر میں واپس لوٹ آیا۔ میں نے ایک ایک گھڑی کا صاحب لگایا تھا۔ میجر نصرت گو کو کہا چلے اور اسی رات کو پہنچے جب انہیں پہنچنا چاہتے تھے۔ مگر پھر بھی انہیں ایک گھنٹہ کی دیر ہو اتنی پریشانی اٹھانی پڑی۔ ”فریدی رک گیا اور اس نے ایک گہرا کش لیا۔

”مگر آپ نہیں کیوں گئے تھے۔“ حمید نے پوچھا۔

”اس کے کمرے میں پستول لے کر جانابے کا رکھا۔ پھر میرا مقصد اسے زندہ گرفتار کرنے کے وہ کوئی معمولی مجرم نہیں ہے۔ اس نے ساری دنیا کو تباہی کے غار میں دھکلنے بنایا تھا اور اگر وہ اپنی ایجاد میں کامیاب ہو گیا ہوتا تو کسی جنگ باز ملک کے ہاتھ اُسے فر کر کے امن کے لئے ایک مستقل خطرہ بن جاتا۔“ فریدی نے کہا۔

”فریدی صاحب اپھر وہ ٹکڑی ٹکڑی عورتوں کا لالج اور اتنی خاطر کیوں کرتے تھے؟“

”یہ نہیں جانتے کہ قربانی کے بکروں کی قربانی سے پہلے خوب خاطر کی جاتی ہے۔“

”نہ کہا۔ سب لوگ ہٹنے لگے۔ قاسم پہلے تو پاگلوں کی طرف سب کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر آپ ہٹنے لگا۔“

”واپسی پر قاسم راستے بھر چکتا رہا۔“

”آپ تو جانتے ہی میں فریدی صاحب۔“ ایک دن اس نے شرما کر کہا۔

”کیا جانتا ہوں۔“

”وہی... یعنی کہ... حمید بھائی نے جو ایک بار مجھ سے کہا تھا۔“

”ہمیں کہا تھا۔“

”بھی کہ تم وہ کرلو۔“

”ہمیں کرلو۔“

”بھی تو کہا تھا کہ اُن سے وہ کرلو.... تو وہ ہو گیا۔.... انہیں بھی اور مجھے بھی۔“

”ہمیا ہو گیا؟ کچھ تو بتاؤ۔“ فریدی بھی تفریخ کے موڑ میں تھا۔

”اُجی وہی.... ہی ہی ہی۔“ قاسم دانتوں تلے الگی دباتے ہوئے نظریں جھکا کر آہستہ سے ”عشق۔“

”عشق....!“ فریدی نے حیرت سے کہا۔ ”انتا بڑا ذمیل ڈول لے کر عشق کرتے ہوئے لشرم نہ آئے گی۔“

”لشرم تو آتی ہے۔“ قاسم نے بڑی مخصوصیت سے کہا۔

”اور میں نے سنائے کہ تمہاری شادی بھی ہو چکی ہے۔“

”تو تو چکلی ہے.... مگر....!“

”مگر کیا؟“

”وہ مجھ سے ڈرتی ہے۔ مجھے دیکھتے ہی چینی مار کر بیہوش ہو جاتی ہے۔ ارے لا حول.... چینی مار کر۔“

”تم نے یقیناً کسی موقع پر اُسے ڈرایا ہو گا۔“

”اُجی نہیں.... لا حول ولا.... میں تو اس سے شروع ہی نے بھی مذاق کرتا رہا ہوں۔“

”اچھا.... ذرا بتانا تو.... میں بھی دیکھوں کہ تمہارے بھی مذاق کا کیا معیار ہے۔“

”میں کبھی کسی سے بھی مذاق نہیں کرتا۔ بہت سنجیدہ آدمی ہوں۔“ قاسم نے کہا۔ ”مگر سے دوستوں نے مجھے سمجھا دیا تھا کہ پہلے بھی مذاق کرنا۔ تو جناب میں نے جاتے ہی مذاق ہی قل میں مسکری کے دونوں پائے پکڑ کر.... اُسے مسکری سمیت سر سے اوچا اٹھالیا۔ بس صبر نہ جانے کیا۔ سمجھی کہ چینی مار کر بیہوش ہو گئی۔ الا قسم میں نہ رہا تھا کوئی غصے میں تھوڑا ہی مایا تھا۔“

”فریدی ہٹنے لگا اور قاسم پھر بولا۔“ میں نے اُسے تین طلاقوں زبانی دے دی ہیں اگر زیادہ تاؤ لیا گا تو لکھ کر بھی دے دوں گا۔ تو پھر آپ کیا کہتے ہیں۔“

”کس کے لئے۔“

”یہی کہ اگر وہ ہو جائے تو کیا حرج ہے۔“

”کیا ہو جائے....!“

”ہی ہی.... شش.... شادی۔“

”فرزانہ سے۔“ فریدی نے گزر کر پوچھا۔

”جی ہاں۔“

”کیوں بکتے ہو.... اس کے بڑے بڑے الفاظ ہضم کر سکو گے۔“

”میں لغات کا مطالعہ شروع کر دوں گا۔ آپ وہ کروادیجھے۔“

”وہ کر قل کی بیٹی ہے۔“

”تو میں کسی بھٹکارے کی اولاد نہیں ہوں۔“ قاسم گزر کر بولا۔ ”اگر کر قل صاحب کر دیں گے تو میں سوبار انکار کر دوں گا۔ کیا سمجھتے ہیں وہ اپنے کوت میں کسی اور سے وہ کروں ہاں.... ایسے ایسے کر قل میری جیب میں رکھ رہتے ہیں.... ہاں۔“

قاسم بڑی تارہ اور سورج غروب ہو گیا۔

تمام شد

(مکمل ناول)

پر ہوں سنایا

جاسوسی دنیا نمبر 34

پیش رس

”پر ہول سنٹا“ میں ابن صفحی نے ایک نیا تجربہ کیا ہے۔

مجرم ذہن کس طرح اپنے حالات پر پرداہ ذات ہے؟ وقت آنے پر کتنا بے رحم، سفاک اور درندہ صفت ثابت ہو سکتا ہے؟ اس کا اندازہ اس کہا کے دو بھائیک کرداروں سے ہو سکے گا۔ اس کہانی کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ لوگ جو سوسائٹی کے ایک اہم رکن سمجھے جاتے ہیں، جن کا عزت و وقار کی داستانیں زبان زد ہوتی ہیں وہ اگر جرام پر اتر آئیں تو کتنے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔

”پر ہول سنٹا“ ہمیں ابن صفحی کے ان گذشتہ کارناموں کی بیساختی یا دلاتا ہے جن میں ”فریدی اور لیونارڈ“، ”مصنوعی ناک“، ”موت کی آندھی“ اور ”نیلی روشنی“ خاصی شہرت رکھتے ہیں۔

”پر ہول سنٹا“ پڑھ کر آپ یہ محسوس کریں گے کہ ابن صفحی کا یہ شاہکار اپنے ان سابقہ کارناموں کو کہیں پیچھے چھوڑ گیا ہے۔ اب تک انہوں نے جتنے بھی کارنامے پیش کیہیں ”پر ہول سنٹا“ تحریر و استعجاب، اسرار، سراغرسانی روئنگے کھڑے کر دینے والے واقعات کے اعتبار سے سب سے بازی لے گیا ہے۔ فریدی نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں وہ اپنی جگہ پر اٹلیں لیکن حید بھی اس بار بہت آگے رہا ہے۔

پبلشر

خطبی اجنبی

بر جنت حمید حقہ پر رہا تھا۔ عادتاً یا ضرور تباہیں بلکہ شرار تھا۔ مقصد فریدی کو تاؤ دلا کر بند رے سے باہر نکالنا تھا۔ حقہ ایک نوکر کا تھا جسے حمید نے فریدی کے بندرووازے کے قریب رکھ بخش لگانے شروع کر دیئے تھے۔

فریدی کے کمرے کا دروازہ ایک جھٹکی کے ساتھ کھلا۔ فریدی چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر آگے بڑھ کر اس نے اس کے دونوں کان پکڑ لئے، حمید کے باوجود بھی نہایت پُر سکون انداز میں حقہ پیتا رہا۔

بہر حال حقہ کے تھے اس وقت اس کے منہ سے نکلی جب فریدی نے فرشی پر ٹھوکر رسید روی۔ حقہ پھسلتا ہوا صحن میں جا گرا۔

حمید ذرہ برابر پرواہ کئے بغیر فریدی کے کمرے میں جا گھسا اور پھر اس نے پچوں کی طرح فلکاری لگا کر اپنا انگوٹھا چومنا شروع کر دیا۔ فریدی بھی اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں گھسا تھا۔

”آپ بھی چوئے تا۔“ حمید نے اپنے منہ سے انگوٹھا نکال کر کہا اور پھر چومنے لگا اور ساتھ یا وہ شرات آمیز نظروں سے سینما کی اس چھوٹی میٹین کو دیکھ رہا تھا جو فریدی نے ایک اوپنے انہوں پر فٹ کر رکھی تھی۔

”ہم بھی چھیننا دیکھیں گے۔“ حمید نے پچوں کی طرح تلاکر کہا۔ ” محلیدی چھاہپ... ہم بھی چھیننا دیکھیں گے۔“

”اچھا تو تم شاندیہ سمجھ رہے ہو کہ میں نے یہ اپنی دلچسپی کے لئے نکالی ہے۔“ فریدی ایک نکلی سکریٹ کے ساتھ بولا۔

”میں حضور امیں سمجھتا ہوں کہ ابھی آپ بوڑھے نہیں ہوئے۔“ حمید نے منہ سے انگوٹھا نکال کر کہا۔ ”ویسے اس کام کے لئے کمرہ بند کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔“

”بکومت۔“ فریدی جھنگلا کر بولا۔ ”تم حق کیون پیر ہے تھے؟“
”ہاتھی کی دم تو نہیں چوس رہا تھا۔“ حمید نے بھی اسی انداز میں کہا۔
”ہزار بار سمجھادیا کہ موقع محل دیکھا کرو۔“

”اوہ! تو کیا حقہ آپ کے موقع محل میں خارج ہو رہا تھا۔“ حمید ہاتھ نچا کر بولا۔ ”خوب اب ہم حقہ بھی نہ پہنچیں۔ بھی بھار تھوڑی سی منہ کامزہ بدلنے کے لئے پی لو تو صیریہ اور حقہ بھی نہ پہنچنے دیا جائے گا۔“ سنا آپ نے! کان کھول کر سننے احتقان بیجا جائے گا۔ میرے باپ سب حقہ پہنچنے آئے ہیں۔ آپ شخصی آزادی پر حملہ کر رہے ہیں۔“ ”گلاغونٹ کرماداں گا۔“

”مکر نہیں۔“ حمید لاپرواں سے بولا۔ ”قاتل کا سراغ مجھے آسانی سے مل جائے گا۔“ ”نکل جاؤ۔“ فریدی نے اُسے دروازے کی طرف دھکیتے ہوئے کہا۔ ”ایک ریل دیکھ کر جاؤ گا۔“ حمید بولا۔ ”کہنے تو پاس پڑوس کے بچوں کو پھسلا کر لے آن سے کم از کم دودوپیسے توصول ہی ہو جائیں گے۔“ فریدی کوئی جواب دینے کی بجائے مشین پر فلم کی ریل چڑھانے لگا۔ پھر سامنے ولی دیواں نے عکس ڈال کر دیکھا اور مشین بند کر دی۔

حمد اوث پٹانگ باتیں کرتا رہا لیکن شاتند فریدی نے کان ندھرنے کا تھیہ کر لیا تھا۔ اس اسے دھکے دے کر کمرے سے نکلا اور کمرے کو مقفل کرنے کے بعد اس کی گردان پکڑے ہو۔ لا بھری یہی میں آیا۔ ”سنو...! وہ اُسے جھنجور کر بولا۔“ بھی یہاں ایک نیم پاگل آدمی آئے گا اور تم اپنی زبانا کو قابو میں رکھو گے! سمجھ۔“

”تو گردن چھوڑیے نا۔“ حمید جھنگلا کر اس کی گرفت سے نکل گیا۔ چند لمحے نہ اسامنہ بنا۔ اسے گھورتا ہلپھر جھلا کر بولا۔ ”کیا میں گدھا ہوں۔“ اس کے بعد وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن فریدی نے بڑے پر غلوص انداز میں سرہا۔ اس کے اوھوں سے جملے کی تائید کر دی۔

”آپ رپیچھے نچائیے۔“ حمید چیخنا رہا۔ ”ڈگڈگی بجائیے! مجھے کیا... اور اگر آپ یہاں کا

نیا بھی کو مدعا کر رہے ہیں تو مجھ سے مطلب! میری زبان فال تو نہیں ہے، جو آپ کے لگھایا نہ کے سلسلے میں تکلیف اٹھائے۔ آخر آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں۔“ ”اوو...!“ فریدی نے سخیگی سے کہا۔

”مجھے جملہ پورا کرنے دیجئے۔“ حمید گردن جھنک کر بولا۔

بات کچھ اور بڑھتی لیکن ایک نوکرنے یہ سلسلہ ختم کر دیا۔ اسکے ہاتھ میں ایک ملاقلہ کارڈ تھا۔ ”اوہ ٹھیک ہے۔“ فریدی کارڈ پر ایک اپنی سی نظر ڈال کر بولا۔ ”انہیں شہادت۔“ فریدی اپنے کمرے میں چلا گیا اور حمید نے ڈرائیکٹ روٹ کی راہی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ملاقلہ انہوں نکلتا ہے۔ وہ زینگ کارڈ پر اس کا نام بھی نہیں پڑھ پایا تھا۔

ڈرائیکٹ روٹ میں ایک پستہ قدر لیکن بھاری بھر کم آدمی نظر آیا جس کی پشت دروازے کی اونچی اور وہ شاند دیوار سے لگی ہوئی ایک پینٹنگ دیکھ رہا تھا۔ حمید کی آہن سن کر اچاک ہار آدمی عمر تھا لیکن خدو خال پہکانہ تھے۔ چہرہ بھرا ہوا اور ڈاٹھی موجود ہی موجودوں سے بے نیاز تھا۔ خداوں کی جلد کی ملکی سی نیلاہٹ کہہ رہی تھی کہ وہ روزانہ شیو کرنے کا عادی ہے۔ آنکھوں میں مظاہنہ شو خی کی ہلکی سی جھلک تھی جو اس کی کشادہ پیشانی کے نہ وقار نشیب و فراز کی موجودگی میں کسی شتر کی شتر گرگی کی طرح لکھتی تھی۔ عبرچالیں اور بچاں کے درمیان میں رہی ہو گی۔ وہ پانچالک کی پتلون اور ہلکی نارنجی رنگ کی ریشمی قمیض میں ملبوس تھا۔

حمد کو دیکھ کر اس طرح چونک کر خوش آمدید کہنے والے انداز میں مسکرا یا جیسے حمید اس کا پالاشنا ہو۔ لیکن پھر سنبھل گیا اور اس کے چہرے پر فوری خجالت کے آثار نظر آنے لگے۔

”میرے ساتھ ایک صاحب اور تھے۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔ ”وہ چند لمحے کیلئے باہر گئے ہیں۔“

”تشریف ہے کھٹے۔“ حمید نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ ہیا۔

”میں یہ پینٹنگ دیکھ رہا تھا۔“ اس نے خواب ناک آواز میں کہا۔ حمید وہ تصویر دیکھنے لگا جس کی طرف اجنبی کا اشارہ تھا۔ یہ کسی استوانی خطے کی تصویر تھی جس میں ربر کے اونچے اونچے درخت تھے اور پیش مظہر میں کچھ سیاہ قام آدمی اپنے کانڈھوں پر بر اکٹھا کرنے کے برتن اٹھائے چڑھنے لگے تھے۔

”ہم نہیں۔“ اجنبی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں نے ان آدمیوں /

اور درختوں کو قریب سے دیکھا ہو۔ نہبہ یے! مجھے سوچنے دیجئے۔

دفعہ حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھوں کی طفلاں شاخی یک عاجب ہو گئی۔ کی جگہ ایسی سنجیدگی نے لے لی۔ ہو جو عموماً سانحہ یا ستر سال کے تجربات کا نتیجہ ہوتی کشادہ پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں اور چہرے پر بے چینی کے آثار پیدا ہو گئے۔ یہ کیفیت شاید منٹ تک رہی پھر وہ گردن جھٹک کر بولا۔ ”اوہہ! ہو گا کچھ! آخر میں پچھے یاد کرنے کی کوئی کرو رہا ہوں۔“

اس نے یہ جملہ اس انداز میں کہا تھا جیسے خود کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہو۔ پھر اس نے سے کہا۔ ”ایسا بھی تو ہوتا ہے۔ کم از کم میرے ساتھ اکثر ایسا ہوا ہے۔ میں جو خواب بھی ہوں اس کے متعلق خواب تھی میں سوچنے لگتا ہوں کہ یہ خواب تو میں پہلے بھی کچھی دیکھی ہوں۔ غالباً آپ بھی...!“ اس کا جملہ پورا نہیں ہوا تھا کہ فریدی آگیا۔

”اوہ... اپنے صاحب۔“ اجنبی مصافحہ کرنے کے لئے فریدی کی طرف بڑھتا ہوا

”آپ یہاں کہاں۔“

”میں بھیں رہتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

”لیکن ناصر میاں نے تو مجھ سے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ آپ کے یہاں آ رہے ہیں۔ وہ گئے ہیں ابھی آ جائیں گے۔“

”نہ بتایا ہو گا۔ ناصر میرے گھرے دوستوں میں سے ہیں۔“

”وہ تو میں جانتا ہوں۔“ اجنبی نے کہا اور پھر اس تصویر کی طرف دیکھنے لگا۔

فریدی اسے ٹوٹنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور اجنبی پر اچانک اتنی محیت طاری تھی جیسے اسے ہاں اپنے علاوہ دوسرے آدمیوں کی موجودگی کا احساس نہ ہو۔

”کیا آپ کو کچھ یاد آ رہا ہے۔“ فریدی نے اس کے کانٹے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

وہ چوک کر فریدی کی طرف مڑا اور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

”مجھے کیا یاد آ رہا ہے؟“ اس نے آہستہ سے کہا پھر اپنی پیشانی رکھتا ہوا بولا۔ ”میں نہیں سکتا کہ مجھے کیا یاد آ رہا ہے.... لیکن یہ درخت.... اور یہ سیاہ قام آؤی.... میں شاکن ا نہیں؟ ہوں۔ نہ جانے کیوں... نہ جانے کیوں... کیا آپ بتا سکیں گے کہ یہ کہاں کا منتظر ہے۔“

”جنوبی امریکہ.... آ میز نہیں۔“ فریدی نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

میدان دونوں کو حرمت سے دیکھ رہا تھا۔ اجنبی نے ماہی سانہ انداز میں سر ہلا کر اپنی جیسیں بنی اور سگریٹ کا پیکٹ نکال کر بولا۔ ”کبھی نہیں.... میں جنوبی امریکہ کبھی نہیں گیا۔.... پھر مجھے یہ سب کیوں محسوس ہوتا ہے؟“

”آنکھ ہوتا ہے۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا۔

”آپ بھی محسوس کرتے ہیں۔“ اجنبی نے پر اشتیاق لبھ میں پوچھا۔

”ہاں ہاں کیوں نہیں بھی محسوس کرتے ہیں۔ آئیے آپ کو اپنا گھر دکھاؤ۔“

”ضرور... ضرور۔“ اجنبی مسکرا کر بولا۔

پھر فریدی اُسے پوری عمارت میں گھما کر اس کرنے میں لایا جاں اُس نے سینما کی مشین لکر کھی تھی۔

”نامزد تو کہتے تھے کہ آپ انپکٹر ہیں۔“ اجنبی نے کہا۔ ”لیکن آپ تولارڈوں کی طرح رہتے۔“ انگلینڈ میں میرا ایک دوست لارڈ چیروم ہے۔ اس کا مکان بھی اتنا شاندار نہیں ہے۔ میرا اسی ہے کہ آپ کا عجائب خانہ ہی کم از کم چالیس ہزار پاؤ ڈنڈ کا ہو گا۔“

”ہو سکتا ہے.... یہ سرمایہ دراصل خانہ اُنی ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”اور اس کے باوجود بھی آپ انپکٹری کرتے ہیں۔“ اجنبی کے لبھ میں حرمت تھی۔

”اب میں آپ کو کچھ دلچسپ فلمیں دکھاؤں گا۔“ فریدی نے کہا۔

”اوہ! ضرور ضرور.... کیا خود آپ کی فونو گرافی ہے۔“

”نہیں! لیکن میری پسندیدہ ریلیں ہیں۔“

حمدید سوچ رہا تھا کہ آخر وہ کون ہے؟ کیا فریدی نے وہ مشین اسی کے لئے فٹ کی تھی۔ ناصر کا حوالہ اجنبی نے دیا تھا فریدی کے دوستوں میں سے تھا اور حمید بھی اُسے اچھی طرح جاتا۔ لیکن ناصر اس وقت تھا کہاں؟ اجنبی کے بیان کے مطابق وہی اُسے یہاں تک لایا تھا۔ فریدی سے تو ان کی توقع مصلحتہ خیز تھی کہ وہ اپنے کسی مہماں کو اچھل کو دووالی فلمیں دکھا کر محفوظ کرے گا۔

”دراروازہ بند کرو یا۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔

”بھر کرنے میں اندر ہمراہ ہو جانے کے بعد فریدی نے مشین کا سوچ آن کر دیا سامنے والی دیوار

پر تسویہ دل کا عکس پڑنے لگا۔

حید کی حیرت کی کوئی اجنبانہ رہی جب اس نے یہ دیکھا کہ مناظر ریز کے جنگلوں کے سیاہ فام آدمی درختوں کے تنوں سے ربراکھا کرنے کے برتن لٹکا رہے تھے۔ کہیں سور سواری کے جارہے تھے کہیں بھرے ہوئے برتن اتارے جارہے تھے۔ ریل چلتی رہی... اجنبی چینتے لگا۔

”یور و کاشی... سومٹ اٹ راؤٹ... زیبو... گینہاں... اٹ رال بون۔“

وہ پھر خاموش ہو گیا۔ یہ زبان حید کی سمجھ میں نہ آسکی۔ البتہ وہ ہندلی روشنی میں اچھتمندا ہوا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی قسم کا جوش دبانے کی کوشش کر رہا ہو۔ فریدی نے فریدی کی طرف دیکھا جس کا دھانہاتھ تو مشینے لگھا ہوا تھا لیکن آنکھیں اجنبی کے چہرے پر تھیں۔

ریل ختم ہو گئی اور حید نے کمرے میں روشنی کروی۔ اجنبی چوک کر اس طرح اپنی آنکھیں ملنے لگائیں ہوئے سوتے جا گا ہو۔ پھر اس نے چند ہیائی ہوئی آنکھوں نے فریدی اور حید کو دیکھ کر دیکھ رہا تھا۔

”آنپکٹر صاحب۔“ اس نے فریدی کو مخاطب کیا۔ ”یہ ریل بہت اچھی ہے۔ اتنی اچھی ہے۔ ... مگر شاید میں پاگل ہو گیا ہوں۔“

”کیوں کیا بات ہے۔“ فریدی نے اپنے چہرے پر تحریر کے آثار پیدا کر کے کہا۔

”میں آخر کیوں محسوس کرتا ہوں۔ آپ کہتے ہیں... دیکھنے میں پھر بھول گیا۔“ وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

فریدی کی چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر بولا۔

”آپ کہتے ہیں کہ آپ جنوبی امریکہ نہیں گئے لیکن ابھی آپ آئیں کے باشد دوں کا زبان بول رہے تھے۔“

”میں...!“ اجنبی کے لمحے میں حیرت تھی۔ ”نہیں تو... میں کیا جاتوں آئیں کا زبان۔“

”اوہ...!“ مجھے پورا جملہ یاد ہے۔ ”فریدی نے کہا۔ ”یور و کاشی... سومٹ اٹ راؤٹ...“

”گینہاں اٹ رال بون... جس کا مطلب یہ ہے کہ الگ ہوں... برتن ہٹاؤ... یہ بالکل یہ... اور غالباً زیبو اور گینہاں آدمیوں کے نام ہیں۔“

اجنبی تھیرانہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھتا ہا پھر یہ بیک اس کی طفلانہ شوٹی لوٹ آئی۔ مکرا کر بولنا۔ ”آپ مذاق کر رہے ہیں۔ مجھے تو کچھ بھی نہیں معلوم۔ نہ میں نے آج تک پہ بان سنی ہے اور نہ جنوبی امریکہ میں رہا ہوں... آپ یقین کیجئے۔“

حید کو بڑی حیرت ہوئی کیونکہ اس نے بھی اسے کسی غیر ملکی زبان میں کچھ بربادتے صاف بان تھا اس کی بے چینی بڑھ گئی۔ وہ اس پر اسرار آدمی کی شخصیت سے بڑی طرح متاثر ہو رہا۔ لے کرے میں سناتا چھا گیا تھا اور اب فریدی مشین پر کوئی دوسری ریل چڑھا رہا تھا۔ حید سوچ رہا تھا۔ آخر فریدی نے اس اجنبی سے یہ بات منوانے کی کوشش کیوں نہیں کی کہ ابھی ابھی اس کے منہ سے کسی غیر ملکی زبان کے الفاظ نکلے تھے۔ اس کے بر عکس فریدی کے انداز سے ایسا علم ہو رہا تھا جیسے اسے اس مسئلے سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔

کمرے میں پھر انداز ہیزرا ہو گیا اور دوسری ریل چلنے لگی۔ اس کا موضوع شکار تھا۔ فریدی نے کے بعد گیرے چارزیلیں اور دکھائیں، جو مختلف موضوعات پر تھیں۔

اس دوران میں کوئی خاص بات رونما نہیں ہوئی۔ اجنبی پر سکون انداز میں بینجا دیکھتا رہا۔ کبھی بھی اس کے منہ سے تھیں یا حیرت کے جملے نکل جاتے تھے اور یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ لیکن جگہ کسی دوسرے کا بھی بھی رو یہ ہو سکتا تھا۔ حید کی اکتاہٹ بڑھنے لگی۔

فریدی نے آخری ریل چڑھائی تو حید نے اطمینان کا سانس لیا۔ یہ ریل میکسیکو کے چداہوں کی زندگی سے متعلق تھا۔ ایک جگہ اچانک اجنبی اچھل کر کھرا ہو گیا۔ جس منظر پر اس کی یہ کیفیت ہوئی وہ بھی کسی غیر معمولی بات کا حامل نہیں تھا۔

دو چوالے آپس میں لڑ رہے تھے۔ لڑتے لڑتے وہ ایک چنان پر پیچنے گئے جو زمین سے بہت زیادہ اونچی تھی۔ ان میں سے ایک نے دوسرے کو چنان سے دھکیل دیا اور وہ توازن برقرار نہ رکھ سکے کیا تھا پر اچھل کر نیچے چلا آیا۔

”راشد...!“ اجنبی کی جیخ سے کرہ جنجنہا اٹھا۔ ”راشد... راشد!“

پھر اس نے دو تین جھکو لے لئے اور منہ کے ملی فرش پر گرد رکا۔

”تم نے یہ نہیں بتایا تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”نیال نہیں رہا تھا۔“

”میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ان کی یاد داشت واپس لائی جا سکتی ہے۔“ فریدی نے کہا۔
یہ تک جن مابرین نے ان کا علاج کرنے کی کوشش کی ہے انہوں نے کوئی مناسب طریقہ
رنہیں کیا۔“

”تو یہ ہوش میں کس طرح آئیں گے۔“ ناصر نے کہا۔

”اگر تمہارا یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ اس سے قبل کبھی اس طرح بیہوش نہیں ہوئے تو ہوش میں
پران کی یاد داشت واپس بھی آسکتی ہے۔ ویسے ان کا خود بخود ہوش میں آتا ہی بہتر ہو گا۔“

”ہم سب ان کے لئے پریشان ہیں۔“ ناصر نے کہا۔

حمدیکی جھنگھلائیت بڑھتی جا رہی تھی۔ لیکن اس نے تھیر کر لیا کہ فریدی سے اس کے متعلق
پوچھنے گا ظاہر ہے کہ وہ اس اجنبی سے پہلے ہی سے واقف رہا ہو گا۔ اگر واقف تھا تو اس نے
یہ اس کا تذکرہ کیوں نہیں کیا۔

حمدی چپ چاپ کرے سے نکل آیا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اس اجنبی کے متعلق کہاں سے
ات فرم، ہم کر سکے گا۔ ناصر کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ اجنبی سے اس کے قربی تعلقات
لہذا یہ موقع پر مجرم ناصر کی خوبصورت سالی زبریہ کا خیال آتا ضروری تھا اور
ملقات یہ ایک اچھی خاصی ”تقریب“ ہاتھ آئی تھی۔

حمدی نے کپڑے پہنے اور گھر سے نکل بھاگا۔ زرینہ ایک گورنمنٹ ہائی سکول میں مدرس تھی۔
حمدی نے کاراگی راستے پر لگا دی۔ دونوں ایک دوسرے سے واقف ضرور تھے لیکن یہ واقفیت
تلکھی کی حد تک نہیں تھی۔ حالانکہ حمدی نے کئی بار محسوس کیا تھا کہ زرینہ اس سے بے تکلف
چاہتی ہے لیکن بعض وجوہات کی بناء پر خود اس نے ہی اسے مناسب نہیں سمجھا۔ ان میں سے
سے خاص وجہ یہ تھی کہ وہ فریدی کے ایک دوست کی سالی تھی۔ ویسے خود اس کا ایمان اس
پر تھا کہ اگر دوست کی چودھویں پشت میں بھی کسی سالی کا وجود ہو تو وہ سو فیصدی علاں ہے۔

حمدی نے بوکھلا کر کرے میں روشنی کر دی اور اسے اٹھانے کے لئے لپکا۔
”صوفے پر ڈال دو۔“ فریدی نے اس طرح کہا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

اجنبی بیہوش ہو چکا تھا۔ سرجنت حمدی نے اسے بدقت تمام اٹھایا اور صوفے پر ڈال دیا
چوکنے آدمی وزن دار تھا اس لئے حمدی کو دانتوں پسینے آگیا۔
اب وہ فریدی کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے خود اسی کا ذہن تو ازن گز گیا ہو۔

”کیا بھیار خانہ پھیلار کھا ہے آپ نے۔“ حمدی نے کہا۔

”تم نے سنا ہو گا۔“ فریدی نے درویشانہ انداز میں انگلی اٹھا کر کہا۔ ”کہ یا جوں ماجوں کا
قرب قیامت کی دلیل ہو گا۔“

”کوئی کیس....!“

”ہو سکتا ہے کہ ایسا ہی ہو جائے۔“

”بہر حال آپ مجھے زندہ رہنے دیں گے۔“ حمدی منہ بنا کر بولا۔ ”اور اس یا جوں ماجوں
جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی ایک نوکرنے کسی دوسرے ملاقاتی کی اطلاع دی۔

”یہیں بلا الو۔“ فریدی نے نوکر سے کہا۔

حمدی دیر بعد ایک ایسا آدمی کرے میں داخل ہوا جسے حمدی اچھی طرح جانتا تھا۔ یہ فریدی
دوست مجرم ناصر تھا۔ حمدی کو یاد آگیا کہ بیہوش ہو جانے والے نے بھی ناصر کا حوالہ دیا تھا۔
مجرم ناصر نے متکرانہ انداز میں بیہوش اجنبی کی طرف دیکھ کر آہستہ سے سر ہلا کیا اور
فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

”کیا ان پر بیہوشی کے بھی دورے پڑتے ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں.... ابھی تک تو ایسا نہیں ہوا؟“

”بہر حال یہ بیہوش ہو گئے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ پھر وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”راشد کون ہے
اوہ.... تو کیا انہوں نے راشد کا نام لیا تھا۔“ میجرم ناصر نے حیرت سے کہا۔

فریدی اقرار میں سر ہلا کر جواب طلب نظروں سے ناصر کی طرف دیکھنے لگا۔

”راشد ان کا اکلو تالڑا کا ہے۔ وہ بھی انہیں کے ساتھ جزوی امریکہ میں تھا لیکن اب انہیں
اس کے متعلق بھی کچھ یاد نہیں۔“

ایک زخمی ایک لاش

حید نے اسکول کے چھانک کے سامنے سڑک کے دوسرے کنارے پر کینڈیلاں، دی۔ غالباً اسکول میں چشمی ہو گئی تھی اور طالبات باہر نکل رہی تھیں۔ وہ زرینہ کے انقلاب کیڈی ہی میں بیٹھا رہا۔

تقریباً میں منٹ بعد زرینہ چھانک میں دکھائی دی۔ وہ تھا تھی۔ شائد وہ سب کے بھوپلی تھی۔ حید کا اسٹارٹ کر کے اسے موڑنے ہی جا رہا تھا کہ اس نے قریب ہی کے ایک اسٹال سے ایک آدمی کو نکل کر زرینہ کی طرف بڑھتے دیکھا یہ بات کچھ ایسی اہم نہ تھی لیکن دوسرے واقعے نے حید کو کار موڑنے سے روک دیا۔ بک اسٹال کے برابر والے چائے گانے ایک چھوٹے قد کا چشمی جھانک رہا تھا۔ حید نے محسوس کیا کہ اس کی توجہ کامر کزوہ آدمی۔ بک اسٹال سے نکل کر زرینہ سے گفتگو کر رہا ہے۔ حید نے کیڈی کا بجن بند کر کے اپنے فلک کا گوشہ چہرے کی طرف جھکایا۔

وہ آدمی چند لمحے زرینہ سے کچھ کہتا رہا۔ حید زرینہ کے چہرے پر تحریر کے آثار دیکھا۔ پھر اس نے انہیں نیکیوں کے اڑے کی طرف جاتے دیکھا۔ پستہ قد چشمی ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ زرینہ اور اس کا ساتھی ایک نیکی میں بیٹھنے لگے اور نیکی گھوم کر حید کے قریب ہی سے گئی۔ پھر اس نے ایک دوسری نیکی میں تعاقب کرنے والے چشمی کو بھی دیکھا۔ اس کی آگے والی نیکی کا تعاقب کر رہی تھی۔

جب دوسری نیکی تقریباً چار سو گز کے فاصلے پر نکل گئی تو حید نے بھی اپنی گاڑی طرف موڑ دی۔ تیوں کاریں تھوڑے تھوڑے فاصلے سے چل رہی تھیں۔ چونکہ سڑک پر نہ کا طومنار تھا۔ اس لئے اس قسم کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا کہ کوئی کسی کا تعاقب کر رہا تھا۔ زرینہ اور اس کا ساتھی ہوٹل ڈی فرانس میں اتر گئے۔ چشمی کی نیکی بھی رک گئی تھی جا اندر ہی بیٹھا رہا۔ شائد اسے ان کے داخلے کا انتظار تھا۔

وہ دونوں اندر چلے گئے اس کے بعد چشمی بھی اپنی نیکی سے اتر۔ حید نے چشمی کی نیکی کے قریب سے گذرتے وقت محسوس کیا کہ وہ حقیقت نیکی نہیں

نیکیوں کے اڑے پر کھڑی ہونے والی ایک پرائیوریٹ کار تھی۔ اس کا ڈرائیور بھی چشمی ہی تھا۔ حید نے کار کا نمبر نوٹ کر لیا۔

ہوٹل ڈی فرانس کے ڈائیننگ ہال میں ابھی زیادہ بھیڑ نہیں ہوئی تھی۔ ہال کے وسط میں چھوٹی چھوٹی میزیں تھیں اور دونوں بازوؤں میں آئنے سامنے کیبینوں کے لئے تھے۔

حید نے ایک کیبین میں زرینہ اور اس کے ساتھی کو دیکھا۔ دونوں بیٹھ چکے تھے اور اب اس کا تھی دوبارہ اٹھ کر پر دھنچھک رہا تھا۔ برابر والے کیبین میں چشمی موجود تھا۔ بظاہر اس کے اندازے معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ یونہی بلا مقصد اس کیبین میں بیٹھ گیا ہو۔ حید ان دونوں کیبینوں کے سامنے والے کیبین میں بیٹھ گیا۔ وہ قریب ہی بیٹھنے کی کوشش ناکام خدشہ تھی کہ کہیں زرینہ کی نظر اس پر نہ پڑ جائے۔

زرینہ کا اس اجنبی کے ساتھ ہوتا تھا تھیر آمیز نہیں تھا جتنا کہ ایک غیر ملکی کا ان دونوں کا اب کرتا۔ اگر حید اس چشمی کو نہ دیکھتا تو شائد یہ سوچنے کی بھی رحمت گوارانہ کرتا کہ ان دونوں تعاقب کیا جائے۔

ویرینے چشمی کی میز پر چائے کی کشٹی رکھ دی اور شائد اسی کی ہدایت کے مطابق اس نے ان کا پر دھنچھک دیا۔ حید کی میز پر بھی کافی آگئی تھی اور وہ ہلکی ہلکی چسکیاں لیتا ہوا سوچ رہا تھا کہ آخر اس تعاقب کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ اگر وہ رومان بازی کا سلسلہ تھا۔ جب بھی اس میں کسی چشمی کا دچپی لینا تھیر نہیں تو جاذب توجہ ضرور ہو سکتا تھا۔

اور پھر یہ بات بھی ظاہر ہو گئی تھی کہ وہ دونوں اس چشمی سے واقف نہیں تھے کیونکہ حید کے قیاس کے مطابق اس دوران میں انہوں نے اس چشمی کو کئی بار دیکھا تھا اور اس سے اسی طرح بے قابل معلوم ہوئے تھے جیسے وہ ان کے لئے اجنبی ہو۔

حید کی نظریں کیبینوں کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

تقریباً پانچ یا چھ منٹ بعد چشمی اپنے کیبین سے نکلا اور سیدھا باہر چلا گیا۔

حید شش و نیج میں پڑ گیا کہ اب کیا کرے۔ وہی شہرے یا اس کا تعاقب دوبارہ شروع

آپ کا ساتھی کہاں ہے۔ ”حید نے زرینہ سے پوچھا۔

”اوہ... میں گری.... سنبھالتے.... ساتھی؟... میں نہیں جاتی۔“

حید نے اُسے گھاٹ پر لٹادیا۔

اب پارک میں بھی آدمی اکٹھا ہوتے جا رہے تھے اور انہوں نے حید اور زرینہ کے گرد بھیڑ اٹھی۔ اگر زرینہ زمین پر نہ پڑی ہوئی تو کوئی اس کی طرف دھیان بھی نہ دیتا۔

دنئے حید کی نظر ایک ایسے کانٹیل پر پڑ گئی، جو اسے اچھی طرح جانتا تھا۔ حید نے اسے بلاکر، تو ان لوگوں کو وہاں سے ہٹوایا جو اس کے گرد اکٹھا ہو رہے تھے پھر اسی کی مدد سے وہ زرینہ کو مکالیا۔

توہڑی دیر بعد زرینہ پچھلی بیٹ پر بیہوش پڑی تھی اور کار سول ہسپتال کی طرف جا رہی تھی۔

قریباً ایک گھنٹے کے بعد زرینہ کو ہوش آیا۔ وہ سول ہسپتال کے ایک بستر پر پڑی کراہ رہی

اور ڈاکٹر اس کی رخی پنڈلیوں کو دیکھ رہا تھا۔ دونوں پنڈلیوں سے جا بجا خون رس رہا تھا۔

”اندر شیش کی کر جیں معلوم ہوتی ہیں۔“ ڈاکٹر نے حید سے کہا۔ ”آپ پریش کے بغیر ان کا شامل ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی بم تھا۔“

حید نے فریدی کو فون کیا اور اُسے جلد از جلد سول ہسپتال پہنچ جانے کی تائید کی۔ زرینہ ش میں ضرور تھی لیکن اس پر ایک ہدایتی کیفیت سی طاری تھی۔ درد سے کراہتے وقت وہ بے طے سنجھ دہرانے لگتی تھی۔

فریدی نے ہسپتال پہنچنے میں دیر نہ کی۔ ... وہ سمجھا تھا کہ شائد حید ہی کو کوئی حادثہ پیش آیا ہے۔ لیکن زرینہ کو اس حال میں دیکھ کر بھی اسے کچھ کم حرمت نہ ہوئی، اس قصداً پر حید نے تعقات دہرا دیئے۔

”میک ہے تو پھر وہ اس کا ساتھی ہی رہا ہو گا۔“ فریدی نے کہا۔

”کون؟“

”تمہارے فون سے پہلے مجھے اطلاع مل تھی کہ ہوٹل ڈی فرانس میں آگ لگ جانے سے یک آدمی جل کر مر گیا۔ آگ کی وجہ ایک نئے اسرار دھاکہ تھا۔“ فریدی نے کہا۔ کچھ دیر خاموشی عین پر فریدی کی بولा۔ ”جسمیں یقین ہے کہ وہ دھاکہ اسی کین بن میں ہوا تھا جس سیل پر دونوں تھے۔“

کر دے۔ بہر حال اس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہیں پھر ہے گا۔ اسے گھر پہنچنے سے قبل ہی اس اجنبی کے متعلق معلومات فراہم کرنی تھیں۔ اس کا مقصد محض اتنا تھا کہ وہ بھی فریدی پر اپنا کار عرب ڈال سکے۔ چند لمحے کے بعد اس کا شاذ ہن اصل موضوع سے بہک گیا اور وہ زرینہ کے متعلق سوچنے لگا۔ پھر شاکر وہ چاہرے خداں پر کسی استاد کا شعر یاد کرنے کی کوشش رہا تھا کہ اچانکہ ہاں میں ایک زور دار دھاکہ ہوا۔ حید نے ایک تیز قسم کی روشنی کا جھمکا دیا۔ ساتھ ہی دو چینیں سنائی دیں اور زرینہ والے کین بن کے پردے میں آگ لگ گئی۔ کسی نکانا چاہا لیکن جلتا ہوا پرده اس سے الجھ گیا۔ اور وہ پرده سمیت باہر فرش پر گرا۔ اس بار چیز تھی۔ کئی کریساں الٹ گئیں۔ کچھ میزیں گریں اور پورا ہاں آگ آگ کے شور سے گونخ ٹھہریں۔ زرینہ کی طرف چھٹا۔ زرینہ ہوش میں تھی اور خود کو آگ سے بچانے کی کوشش کر رہی۔ حید نے جلتا ہوا پرده کھینچ کر الگ کر دیا۔ ساری کے آنجل میں آگ لگ گئی تھی۔

”بाहر نکلو۔ ... بाहر نکلو۔“ کوئی چیز رہا تھا۔ داہنے بازو کے سارے کینبنوں کو آگ نے پیٹھ میں لے لیا تھا۔ حید نے بدقت تمام ہاتھوں سے پیٹھ پیٹھ کر زرینہ کے آنجل کی آگ اور اسے کھینچتا ہوا ہجوم سے باہر نکال لے گیا۔ پورے ہوٹل میں ایتری پھیل گئی تھی۔ لوگ کپاڈ نہ میں کھڑے شور چاہ رہے تھے۔ اس میں سے کسی کو شاکر اس کا بھی ہوش نہیں تھا کہ کین بن میں دھاکہ ہوا وہاں سے ایک عورت نکلی تھی جس کے کپڑے میں آگ لگی ہوئی تھی۔ حید اُسے باہر کپاڈ نہ میں نکال لایا۔

”میں چل نہیں سکتی۔“ زرینہ لا کھڑا کر کراید۔ ”میرے پیر میں جلتی ہوئی چھریاں گھس گئی ہیں کچھ لوگ دوڑتے ہوئے ان کے پاس سے گذر گئے۔

حید اُسے پارک میں لے آیا۔

”مجھے زمین پر ڈال دیجئے۔“ زرینہ گھٹنی گھٹنی سی آواز میں بولی۔

شور بڑھتا جا رہا تھا۔ شائد آگ پھیل رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہوٹل کا کپاڈ نہ آدمیوں بھر گیا۔ ان میں کچھ بادردی کا نکیل بھی تھے۔

حید محسوس کر رہا تھا کہ زرینہ پر غشی طاری ہو رہی ہے اور وہ اب اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکتی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

حید نے کچھ سوچتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس دوران میں زرینہ پر غنڈی طاری ہو گئی تھی۔ اچانک اسے پھر ہوش آگیا اور فری

دیکھ کر اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔

”لیٹ رہو ہو....!“ فریدی آہستہ سے بولالا۔

”فریدی.... بھائی۔“ زرینہ روپڑی۔

فریدی اور حید خاموش رہے، جب زرینہ چپ ہوئی تو فریدی نے پوچھا۔

”وہ کون تھا....؟“

”میں نہیں جانتی۔“

”تو پھر تم اس کے ساتھ کیوں چلی گئی تھیں۔“

”وہ سلمان چچا کے متعلق کچھ بتانا چاہتا تھا۔“

”کیا....؟“ فریدی چوک کر بولا۔

”وہ.... ان کے پاگل بن کی وجہ بتانا چاہتا تھا۔“

”کیا بتایا....؟“ فریدی کے لمحے میں بے چینی تھی۔

”وہ صرف اتنا بتا پایا تھا کہ وہ بھی سلمان چچا کے ساتھ جنوبی امریکہ میں تھا۔ میں دھما

میرے پیروں میں چھپریاں سی لگیں.... اور پھر مجھے کچھ ٹھیک یاو نہیں۔“

”کیا وہ تمہیں پہلی بار ملا تھا۔“

”جی ہاں.... اور جب اس نے اچانک یہ کہا کہ وہ مجھے سلمان چچا کے متعلق کچھ بتانا چاہا

تو میں اس کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گئی۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اکیلان کے پاگ

کے راز سے واقف ہے اور اس نے استدعا کی تھی کہ وہ جو کچھ بتائے اس کے سلسلے میں اس کا

کہیں نہ دیا جائے اور فریدی بھائی.... وہ کچھ ڈراڈرا ساتھا۔“

”تو وہ ان کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”جی نہیں.... کچھ بھی نہیں۔“

”اچھا ب تم آرام کرو۔“ فریدی نے کہا۔ ”پولیس کو بیان دیتے وقت اس بات کا ذہل

کہ کوئی بات غلط نہ کہہ جاؤ۔ پورا واقعہ من و عن بیان کر دینا۔ میں ناصر کو فون کرتا ہوں۔“

زیدی اور حید باہر آئے۔ حید محوس کر رہا تھا کہ فریدی کسی خیال میں الجھا ہوا ہے۔

”میں نے اس چینی کی کار کا نمبر نوت کر لیا ہے۔“ حید نے کہا۔

”تمہارا اتنا ہی بتا دینا کافی ہے کہ اس کے دہانے کے بائیں گوشے پر ایک ابھر اہوا سرخ رنگ ہے۔“

”تو یا آپ اُتے جانتے ہیں۔“

”چھی طرح.... اس کا نام واگلی ہے اور وہ دوسرا جو کار چلا رہا تھا غالباً جسیں رہا ہو گا۔“

”تو آپ دونوں سے واقف ہیں۔“ حید نے حیرت سے کہا۔

”واگل کرنی داراب کا پرائیوریٹ سیکریٹری ہے اور تمہن مورڈر ایجور۔“

”کریں داراب....!“ حید چوک کر بولا۔ ”وہی.... جو ہر ماہ شہر کے اعلیٰ حکام کی دعویٰ ہے۔“

”تم ٹھیک سمجھے.... آؤ....!“ فریدی نے کہا اور بُرآمدے سے اتر کر کیڈی کی طرف روانہ یا۔

”کہاں....؟“ حید نے پوچھا۔

”چلو.... آج تفریق کا موذ ہے۔“

کیڈی روانہ ہو گئی۔ حید زرینہ کے سلمان چچا میں الجھا ہوا تھا اور غالباً یہ بات تو اس کے ذہن اضافہ ہو گئی تھی کہ زرینہ کا ”سلمان چچا“ اس اجنبی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا ہے

اور فریدی نے فلمیں دکھائی تھیں۔

”وہ سلمان کا کیا واقعہ ہے۔“ حید نے پوچھا۔

”بہت دلچسپ.... اور اب تو اور زیادہ دلچسپ ہو گیا ہے۔“

”اور دنیا کی ساری دلچسپیاں آپ نے اپنے لئے وقف کر لیں ہیں“ حید نے جھنجلا کر کہا۔

” غالباً تم اسی کے متعلق معلوم کرنے کے لئے زرینہ کے پچھے لگ گئے تھے۔“ فریدی نے کہا۔

”میر کچھ نہ بولا۔ اس نے تھیہ کر لیا کہ فریدی سے اس کے بارے میں کچھ نہ پوچھے گا۔ لیکن

لادوٹ شاہزاد فریدی ہی زیادہ بتائیں کرنے کے موذ میں تھا۔

ڈاکٹر سلمان اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔ لیکن اس کا کیس اس حیثیت سے عجیب ہے کہ وہ

سرقة اپنی جنوبی امریکہ کی رہائش کے متعلق سب کچھ بھول گیا ہے اور دوسرے معاملات: قطعی صحیح الدلایل ہے۔ حتیٰ کہ اُسے اپنے بھین کی باتیں تک یاد ہیں۔
”وہ یہاں کب سے مقیم ہے۔“

”پچھلے ایک ماہ سے۔ ناصر اس کا سماں گاہ تھا ہے۔ سلمان کا ایک بیٹا راشد بھی تھا۔ وہ اُسے بھول گیا ہے۔ تمہیں یاد ہو گا کہ آج فلم دیکھتے وقت اس نے راشد کا نام لیا تھا۔ ویسے ناصر ہے کہ راشد کے متعلق پوچھنے پر اس نے جست ظاہر کی تھی۔ پھر اس سے یہ کہا گیا کہ راشد کے بیٹے کا بھی تو نام تھا اس پر اس نے ناصر اور اُس کے گھروالوں کا مصلحتہ اڑایا اور پھر سخیدگی یہ بات کی کہ اگر وہ لاڈ لدنے ہوتا تو لوگ اس کا مذاق کیون اڑاتے۔“

”وہ یہاں کرتا کیا تھا۔“ حمید نے پوچھا۔

”براکھا کرنے والی ایک فرم کا نیجہ تھا۔“

”تب تو اس کے متعلق وہیں سے معلومات فراہم کی جاسکتی ہیں۔“

”جتنی معلومات اب تک فراہم ہو چکی ہیں ان کے علاوہ امکان نہیں۔“ فریدی نے
”فرم کے کارکنوں کا بیان ہے کہ ڈاکٹر سلمان تین سال تک مانا اوز کے پاگل خانے میں رہا
اور پھر جب اس کے بعد اس کی حالت پچھے منجل گئی تو اُسے واپس بھیج دیا گیا۔ اس کے ا
راشد کی اچانک گشادگی کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ تین سال قبل وہ ڈاکٹر سلمان ہ
سامنہ رہتا تھا۔....!“

اچانک حمید کو کچھ یاد آگیا اور اس نے فریدی کو جلد پرانہ کرنے دیا۔

”آپ نے کہا تھا کہ وہ ہوش میں آنے کے بعد تمہیک بھی ہو سکتا تھا۔“

”ہاں لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ ہوش میں آنے کے بعد بھی اس میں کوئی ذہنی تغیر نہیں
ہوا۔ بہر حال مجھے توقع ہے کہ میں اس کی یادداشت واپس لانے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔“

”لیکن یہ نیا معاملہ!“ حمید بولا۔

”ٹھیک ہے اور اب اسی لئے میں یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ وہ یادداشت کو بیٹھانا
معمولی حداثیہ کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ آخر وہ جل کر مرنے والا اس کے متعلق کیا بتانا چاہتا تھا۔“
”آپ کہتے ہیں کہ وہ دونوں چینی! کرمل داراب کے آدمی ہیں؟ میں کس طرح

وہ۔“

”یقین نہ کرنے کی وجہ۔“ فریدی اُسے گھور کر ہوا۔

”مرے ترعل داراب... اتنا معزز آدمی۔ میرا خیال ہے کہ وہ اپنے نوکروں کے تردار پر
حرف آنا پسند نہ کرے گا اور پھر آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہاں یئے سے اوپ تک سارے
م کی نہ کسی طرح اس کے احسان مند ضرور ہیں۔“

”اوہ.... فریدی کو اس کی پرواہ نہیں۔ میں تو عرصہ سے اس کے خلاف کسی بہانے کی تلاش
تھا۔“

”آخر کیوں؟“

”میا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس نے اتنی دولت جائزہ سا بل سے پیدا کی ہے۔“

”اوہ! اس طرح تو آپ کو شہر کے سارے سرمایہ داروں کی گرد نیں اتارنی پڑیں گی۔“

”وہ صورت دوسری ہے... داراب تو قانون کی آنکھوں میں دھوک جھوک رہا ہے۔“

”آخر کیا کرتا ہے؟“

”سن کر فہو گے۔“

”پھر بھی۔“

”وہ یورپ اور امریکہ کے باشندوں کو چری بنا رہا ہے۔“

”چری! میں نہیں سمجھتا۔“

”تم چری نہیں سمجھتے۔“

”تو کیا وہ یورپ اور امریکہ کے لئے چرس برآمد کرتا ہے۔“

”جباب...!“ فریدی نے کہا۔

”میں اپنی بار سن رہا ہوں۔ تو آپ اب تک کیوں سوتے رہے۔“

”میرے پاس اس کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھا اور نہ اب ہے۔ ویسے اس پر یقین ضرور ہے
کہ اس کردو کا تعلق صرف داراب سے ہے جس کے ذریعے یہ کام ہوتا ہے۔ بہر حال مجھے یہ سن

کر جلت ہو رہی ہے کہ انگریز یا امریکن چری بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کبھی کبھی مجھے

خود آپ پر بھی شہرہ ہونے لگے۔ آپ اونگٹ تو نہیں رہے ہیں۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔

پھر ان کی کارپولیس ہسپتال کے سامنے رک گئی۔

یہاں انہوں نے اس آدمی کی لاش دیکھی جو ہوٹل ڈی فرانس کی آگ کا شکار ہو گیا تھا
کا چہرہ اس طرح بگز گیا تھا کہ شاخت مشکل تھی۔ انسپکٹر جبلیش نے فریدی کو یہ اطلاع
مرنے والے کے ساتھ کوئی عورت بھی لاپتہ ہے۔

”وہ عورت....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”تمہیں سول ہسپتال میں مل جائے گی۔“

”تو کیا وہ.... وہی عورت ہے۔“ جبلیش کے لہجے میں حیرت تھی۔ ”وہاں کے انچا
فون ہوٹل ڈی فرانس کی زخمی عورت کے لئے آیا تھا۔“

”ہاں وہ وہی عورت ہے اور اس کا بیان خاصی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کا بیان من و م
جائے۔ معاملات کو دوسرا شکل دینے کی کوشش نہ کی جائے۔“

”مگر.... کو توال صاحب۔“ انسپکٹر جبلیش کے لہجے میں پچھاہٹ تھی۔

”اگر اس کے خلاف ہوا تو سمجھ لو کہ زلالہ آجائے گا۔“ فریدی نے کہا اور حمید کو باہر
اشارہ کر کے خود بھی نکل آیا۔

نئی بات

کار کے قریب پہنچ کر حمید شاند پاپ سلاگنے کے لئے رک گیا۔

”چلو جلدی کرو۔“ فریدی مضر برانہ انداز میں بولا۔

”کیوں کیا آفت آگئی۔“ حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

”زرینہ خطرے میں ہے۔“ فریدی نے کیدی اشارت کرتے ہوئے کہا۔

”آپ کی باتیں....!“ حمید کچھ کہتے رک گیا۔

”بھلا بتاؤ کہ اس وقت یہاں تھے چن کا کیا کام۔“

”کہاں....؟“

”یہیں ہسپتال میں۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں نے اسے ڈاکٹر کے کمرے میں داخل
کیا تھا۔“

یکھا تھا۔ غالباً وہ اپنے شکار کا انجام دیکھنے آیا ہے۔ زرینہ زندہ ہے ممکن ہے وہ یہ سمجھیں کہ ڈاکٹر
ملان کا راز معلوم ہو گیا ہے جو لوگ ہوٹل میں نائم بم رکھ سکتے ہیں ان کے لئے کسی ہسپتال میں
پیواردات کر بیٹھنا مشکل نہ ہو گا۔“

حید بننے لگا۔ فریدی نے اسے گھور کر دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔

”بعض اوقات آپ کی حالت کسی ایسی یوہ کی کی ہو جاتی ہے جو اپنے اکتوٹ لو کے کے لئے
بیان ہو۔ آخر آپ جبلیش سے کیوں الجھ پڑے تھے۔ آخر وہ زرینہ کا بیان غلط کیوں لکھنے لگا۔“
”تمہیں شائد اس کا علم نہیں کہ آج کل نیا ذمی۔ ایس۔ پی۔ سی۔ ریکارڈ اچھار کھنے کے لئے
لے چکا کر رہا ہے۔“

”میں جانتا ہوں۔“ حید نے کہا۔

تحوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حید نے پوچھا۔

”آپ یہاں کیوں آئے تھے۔“

”جب لئے آیا تھا وہ نہ ہو سکا۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”لاش کی شاخت مشکل ہے لیکن
ہمیں تھیں جن۔“

”دوسرے کا کیا نام بتایا تھا۔“

”وائگلی.... سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ڈاکٹر سلمان سے ان لوگوں کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔“
حید کچھ نہ بولا۔ پھر یقینہ راستہ خاموشی ہی سے طے ہوا اور وہ سول ہسپتال پہنچ گئے۔ یہاں
بھی نکل پولیس نہیں آئی تھی۔ حالانکہ ہسپتال کے انصار جن نے زرینہ کے متعلق کو توالی فون
لریا تھا۔

ناصر اور اس کے گھروالے ڈاکٹر سلمان سمیت ہسپتال میں موجود تھے۔ فریدی کو دیکھ کر ناصر
اکٹی طرف بڑھا۔

”تجھے افسوس ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ” غالباً آپ لوگ زرینہ سے مل چکے ہوں گے۔“

”ہاں ہم سب نری طرح پریشان ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ آدمی چا صاحب کے متعلق
ہم لوگوں کو کیا بتانا چاہتا تھا۔“

”ماسب تو یہی ہو گا کہ اب تم اپنے چچا کو کڑی گرفتاری میں رکھو۔ میں یہاں پر ان کی موجودگی

پند نہیں کرتا۔ انہیں گھر لے جاؤ۔ زرینہ کی دیکھ بھال ہو جائے گی۔ ”فریدی نے کہا۔
”کیا کوئی خاص بات۔“ ناصر نے گھبرائے ہوئے بجھ میں کہا۔

”بجھوں کی سی باتیں نہ کرو۔ وہ جو سلمان صاحب کے متعلق کچھ بتانا چاہتا تھا مل جم
زرینہ اس حال میں پڑی ہے۔ میں تم سے پھر باتیں کروں گا۔ بن سلمان صاحب اکیلے گمرا
ٹکنے پائیں... سمجھے۔“

”اُبھی زرینہ کا بیان نہیں ہوا۔“

”اوہ... ہو جائیگا... اگر تم یہیں ٹھہرنا چاہتے ہو تو... ان لوگوں کو گھر پہنچا کر واپس آ
”کیا زرینہ کے لئے پرانی بیٹ داروں میں انتظام نہیں ہو سکتا۔“

”ہو سکتا ہے... لیکن میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔“
ناصر اپنے گھروں کو لے کر واپس گیا۔

فریدی اور حمید جزل داروں میں آئے۔ زرینہ جاگ رہی تھی اور ہوش میں تھی۔ ذا
نہیں بتایا کہ ”جب تک پولیس بیان نہ لکھ لے گی آپ یعنی نہیں ہو گا۔“
فریدی نے فون کارسیور اٹھایا اور جب وہ کو توپی فون کرنے لگا تو حمید نے اس کے
جلہاہست محسوس کی۔

”ہیلو... لیں اسپکٹر فریدی اسپینگ۔... کون ذی۔ ایس۔ پی صاحب.... جی ہاں میں
سپتال سے بول رہا ہوں۔ ہوش ذی فرانس کے حادثے میں مرنے والے کی ساتھی یہاں
ہے۔ اس کے پیروں میں زخم ہیں۔ اُبھی تک اس کا بیان قلببند نہیں ہوا۔ اس سے پہلے
آپ یعنی کے لئے تیار نہیں۔“

پھر حمید نے فریدی کو دانت پیتے دیکھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔
شانکدوسری طرف سے کچھ کہا گیا تھا جس کے جواب میں فریدی نے کہا
”جی ہاں... میرے اس مخصوص اختیار کا تعلق وزارت داخلہ سے برداشت ہے۔
معاملے میں مناسب سمجھوں ہر وقت دخل انداز ہو سکتا ہوں۔“

پھر فریدی نے ایک جھنکے کے ساتھ ریسیور کھ دیا۔
”کیا بات ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”چکھ نہیں شائد اس کا ستارہ بھی گردش میں ہے۔ کہتا ہے کہ تم مداخلت کرنے والے کون
باشندہ اب خود ہی بیان لینے کے لئے آئے۔“

”کون؟ ذی۔ ایس۔ پی ذی۔“ حمید نے پوچھا۔

فریدی سگار سلاکا نے لگا۔ اس کے چہرے پر جلاہست کے آثار بھی تک باقی تھے۔

بیس منٹ کے اندر ہی اندر ذی۔ ایس۔ پی ذی! دو اسپکٹر ہوں اور ایک محترم کے ساتھ سول
پہنچ گیا۔

فریدی اور حمید قطعی بے تعاقانہ انداز میں کھڑے رہے اور فریدی کے رویے سے تو ایسا
ظاہر ہو رہا تھا جیسے ذی۔ ایس۔ پی ذی اس کا ما تھت ہو۔

”آپ ہمیشہ غلط طریقہ اختیار کرتے ہیں۔“ اس نے فریدی سے کہا۔

”اتاناغلٹ بھی نہیں کہ قتل کے کیسوں کو خوشی میں تبدیل کر کے ریکارڈ بناؤ۔“ فریدی
ہدی خوش اخلاقی سے بولا۔

لیکن ذی۔ ایس۔ پی ذی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ پتہ نہیں یہ غصہ تھیا خجالت تھی۔
اگر سول ہسپتال کا انچارج یہاں نہ آ جاتا تو شانکدوں کا تھا۔

ذی۔ ایس۔ پی ذی برا تلخ مزاج آدمی تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں ہاتھ پائی کی نوبت نہ
آجائے۔ شہر کی کوتولی کی تاریخ میں وہ پہلا بد تیز کو توال تھا جو اپنے ماتخوں کو مان بین کی گالیاں
دنیے سے بھی گریزنا کرتا تھا۔ چند ہی روز قبل وہ ایک سب اسپکٹر پر ہٹر لے کر جھپٹا تھا۔

بہر حال ہسپتال کے انچارج کے آجائے پر معاملہ جہاں کا تھا رہ گیا۔
کو توال اپنے آدمیوں سمیت ذاکٹر کے ساتھ جزل داروں کی طرف چلا گیا۔

”کیوں آپ نہ چلے گا۔“ حمید نے فریدی سے کہا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سگار کے لیے لبے کش لے رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے
واپسے کسی سرکش جذبے کو دبانے کی کوشش کر رہا ہو۔

”یہ دونوں برآمدے میں کھڑے تھے۔“

”کہیں بیان میں گز بڑنے پیدا کر دی جائے۔“ حمید پھر بولا۔

”ویکھا جائے گا۔“ فریدی نے لاپرواٹی سے کہا۔

”تو پھر یہاں کھڑے رہ کر جگک مارنے سے کیا فائدہ۔“
”میں وائگ لی کو دیکھ رہا ہوں۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔
”وائگ لی...!“ حمید نے چونک کر کہا۔ ”کہاں ہے؟“
”میری جیب میں۔“ فریدی جھنجلا گیا۔

”حید اس کی جیسیں ٹوٹ لے گا۔“

”حید خدا کے لئے سمجھیدہ ہو جاؤ۔“ فریدی نے کہا۔

”میں کیوں ہو جاؤں رنجیدہ! بھی میں یتیم نہیں ہوں۔“

”بکومت! آؤ... اب ہم جزل وارڈ میں مشر وائگ لی سے ملاقات کریں گے۔“
حید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فریدی کیا بک رہا ہے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد از
حرث کی انتہا رہی جب اس نے یہ دیکھا کہ وائگ لی (دہی چینی) جس کا اس نے تعاقب کیا
زرینہ کے بستر کے قریب موجود ہے۔ وہ ذی۔ ایس۔ پی سی سے کچھ کہہ رہا تھا اور ذی۔ ایس
سی کے ہونٹوں پر ایک بڑی انکسار آمیز قسم کی مسکراہٹ تھی۔ محروم زینہ کا بیان قلم بند کر رہا تو
فریدی حید کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا اور آہستہ سے بولا۔ ”غالباً وہ کرٹل داراب کی طر
سے کسی نئی دعوت کی خوشخبری لایا ہے۔“

فریدی اور حید ان سے کافی فاصلے پر کھڑے تھے۔ فریدی کی آنکھوں سے ایسا ظاہر ہو رہا
جیسے وہ کچھ اوٹگہ رہا ہو۔ لیکن حید جانتا تھا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔

اس پر ایسی کیفیت اُسی وقت ظاہری ہوتی تھی جب وہ اپنا کوئی ارادہ تبدیل کر رہا ہوتا تھا۔
اس موقع پر اس میں یہ تغیر دیکھ کر حید کو حرث ضرور ہوئی۔

بیان ختم ہونے کے بعد زرینہ کے بستر کے قریب، ٹرالی لائی گئی اور اسے اس پر ڈال
آپریشن تھیز کی طرف روانہ کر دیا گیا۔

ذی۔ ایس۔ پی واپس جانے کے لئے مڑا تو اس کی نظر ان دونوں پر پڑی۔

”کے یقین آئے گا اس پر۔“ اس نے فریدی کو منا طلب کر کے کہا۔

”کس بات پر۔“ فریدی نے انگریزی میں پوچھا اور حید کو پھر حرث ہوئی۔ فریدی بلا
کبھی کسی غیر ملکی زبان میں گفتگو نہیں کرتا تھا۔

”اس بوکی کے بیان پر۔“ ذی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

”وہ تو واقعی مضمکہ خیز ہے۔“ فریدی نے پھر انگریزی ہی میں کہا۔ ”لیکن مجھے اس سے بحث
ہیں۔ میں تو یہ جانتا تھا کہ اس کے آپریشن میں جلدی کی جائے۔“

”اس دلچسپی کی وجہ۔“

”اوہ...!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”بہت معمولی ہی۔ زرینہ میرے ایک دوست کی عزیز
ہے اسراجن حمید کو زخمی حالت میں ہو ٹھی فرانس میں ملی اور وہ اُسے یہاں لے آئے۔“

”وہ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔“ ذی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

”ہو سکتا ہے۔ مجھے اس کے بیان سے کوئی دلچسپی نہیں۔“

”اس گفتگو کے دوران میں حید وائگ لی کو گھوڑہ رہا تھا۔“

”لیکا آپ بیہیں ٹھہریں گے۔“ ذی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

”آپریشن ہو جانے تک۔“ فریدی بولا۔

”ذی۔ ایس۔ پی چلا گیا۔ وائگ لی اس کے ساتھ تھا۔“

”حید تھوڑی دیر تک فریدی کو طنز آمیز نظروں سے دیکھتا ہا پھر جلدی بھنے لجھے میں بولا۔“

”ظاہر ہے کہ وہ ذی۔ ایس۔ پی ہے آپ کو ہر حال میں دیبا پڑے گا۔“

”ہوں... تو تم یہ چاہتے تھے کہ میں اُس سے کشتی لاتا۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”لیکن اتنا دبنا بھی نہ چاہئے تھا۔“

”سنور خوردار... میں سراغ رساں ہوں نازرن نہیں۔“

”لیکن کچھ دیر قبل تو آپ اس طرح تاؤ کھا رہے تھے جیسے اس سے کشتی لے لیں گے۔“

”میں تو بڑی دیر سے بے تکنی با تمن کر رہا ہوں۔“ فریدی اس کا ہاتھ پکڑ کر کیڑی کی طرف

گھینٹا ہوا بولا۔ ”چلو معاملہ صاف ہو گیا۔ اب وہ لوگ شاہزاد زرینہ کے پیچھے نہ پڑیں۔ وائگ لی پر یہ

بات ظاہر ہو گئی ہے کہ مرنے والے نے زرینہ کو کوئی خاص بات نہیں بتائی ہے اور پولیس کو اس

کے بیان پر یقین نہیں ہے۔ انہیں مطمئن کر دینے کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔“

”اوہ تو کیا اسی لئے آپ اچانک بھیڑ بن گئے تھے۔“

”لہٰ کسخنے کی کوشش کیا کرو۔ ویسے ابھی تمہارے منہ سے دودھ کی بو آتی ہے۔“

"میں نے شام کو آئیں کرم کھائی تھی۔" حمید نے بڑی مخصوصیت سے کہا۔
کیڈی پھر چل پڑی۔
"اب تو نیند آری ہے۔" حمید جماہی لے کر گھری کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔
"سازھے گیارہ نج رہے ہیں۔"

"آج تورات بھر تفریق کی تھی ہے۔" فریدی نے کہا۔
"رات بھر تفریق۔" حمید اچھل کر بولا۔ "ہمیں... یہ آپ فرمائے ہیں قبلہ پھر صاد
"شور مت مجاو۔" فریدی نے کہا۔ "تم نے کبھی کر قل داراب کی لڑکی کو بھی دیکھا ہے
"اتفاق نہیں ہوا... میں نے تو خود کر قل داراب کو بھی آج تک نہیں دیکھا۔ صرف
ہے اور اس کا نام مجھے قطعی پسند نہیں۔ بعض والدین نام کے معاملے میں بڑے پھوٹھا بڑ
ہیں۔ بھلا بتائے داراب.... دھر داب.... لا حول ولا قوہ۔"
"اس کی لڑکی بڑی حسین ہے۔"

"آپ کے اشینڈڑ کے مطابق ہو گی اور آپ جانتے ہیں کہ مجھے تمیں نے اوپر کی
سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"کیا خیال ہے.... اس بار اس کی دعوت قبول کر لی جائے۔"

"کیوں کیا.... وہ آپ کو بھی مدعا کرتا ہے۔"

"نہ صرف مجھے بلکہ تمہیں بھی۔ لیکن میں نے اس کا دعوت نامہ تم تک کھی پہنچنے ہی نہیں
کیوں؟"

"میں جانتا تھا کہ ایک دن مجھے اس سے امتحانی پڑے گا۔"

"آپ خواہ خواہ لٹھ لے کر اس کے پیچے پڑ گئے ہیں۔ کیا یہ ضروری ہے کہ داراب بھی
سکریٹری کی حرکتوں سے تعلق رکھتا ہو۔"

"ضروری تو نہیں لیکن امکانات ہیں۔"

"امکانات کی وجہ۔"

"وجہ نہیں تائی جائے گی۔" فریدی نے کہا۔ "تمہیں شائد یہ نہیں معلوم کہ بہت دو
ایک گھری نیند سے جو نکا ہوں۔"

"اوہ....!" حمید نے بہت زیادہ سنجیدگی سے کہا۔ "کیا انہوں سے شوق فرمانے لگے تھے۔"
"نہیں! امیری دو شخصیتیں ہیں۔ ایک معمولی فریدی ہے اور دوسرا غیر معمولی فریدی۔"
"میری تین شخصیتیں ہیں۔" حمید نے اتنی ہی سنجیدگی سے جواب کہا۔ "ایک الو حمید...
وہ الو کا پٹھا حمید تیر الو کے پٹھے کا پٹھا حمید۔"

"اور ہمیشہ یہی رہو گے۔" فریدی نے ہونٹ سکوڑ لئے اور دفعتاً اس نے کیڈی روک دی۔
حمدید نے چاروں طرف دیکھا وہ شہر کے ایک پر رونق حصے میں تھے اور فریدی باسیں طرف کی
مارکوں کے سلسلے میں ایک سائیں بورڈ کی طرف دیکھ رہا تھا۔
یہ ایک چھوٹا سا چینی ریستوران تھا جس کے متعلق حمید نے سن رکھا تھا کہ یہاں مینڈ کوں کا
زورہ نہایت نفاست کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے اور ٹوست کے لکھن پر گندی نالیوں کے زندہ
دار کرکے چپکائے جاتے ہیں۔

فریدی انہیں بند کر کے نیچے اٹر اور حمید کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے ریستوران میں
گئی۔

سامنے کاؤنٹر پر ایک فربہ انداز چینی کھڑا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی بے اختیار چوک کر
سکرانے کی کوشش کرنے لگا۔

"آج رات خوشنگوار ہے مشر چیاں۔" فریدی نے اپنا فلٹ ہیئت اتار کر کہا۔

"لیں یور آزر۔" چینی نے اس تدریج کر کہا کہ اس کی پیشانی کاؤنٹر سے لگ گئی۔
حمدید تحریر ہگیا۔ اسے خواب میں بھی گمان نہیں تھا کہ فریدی کے مراسم چینیوں سے بھی
ہو سکے ہیں۔

"تم کافی موٹے ہو گئے ہو۔" فریدی نے کہا اور چینی نے دانت نکال دیے لیکن اس کی
آنکھوں سے خوف جھاک رہا تھا۔

"حضور والا تشریف رکھیں۔" چینی جھک کر اپنے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ "اور میں جلد سے جلد
الل عزت افرائی کی وجہ جانتا چاہوں گا ویسے میں آج کل باعزت طور پر زندگی سر کر رہا ہوں۔"
"میں جانتا ہوں۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "ضروری نہیں کہ میری آمد ہمیشہ
تلہارے لئے پریشان ہی کا باعث ہو۔"

چینی کچھ نہ بولا۔ چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر اس نے کہا۔ ”کچھ پیش کروں۔“
”نہیں شکریہ۔“ اور سے گزرا ہا تھا سوچا تم سے بھی ملنا پڑا اور میرا یہ سوچا بلاد جہ نہیں
چینی کے چہرے پر پھر گھبراہٹ کے آثار پیدا ہو گئے۔ فریدی نے تھوڑی توقف
کہا۔ ”تم جزوی امریکہ میں رہ چکے ہوئے۔“
”جی ہاں... جی ہاں جتاب۔“

”میں نے سوچا تم سے وہاں کے متعلق معلومات بھی پہنچاواں۔ میں عقریب جزوی،
جانے والا ہوں۔“

”ضرور ضرور... میرے لائق جو خدمت ہو... فرمائیے۔“

”مانا اوز بھی میں تھے تم شائد۔“ فریدی نے کہا۔
”جی ہاں وہیں تھا جتاب۔“

”بھی! چلو مجھے دہیں کے متعلق کچھ بتاؤ۔“ ویسے میں ایک دوسرے آدمی سے بھی پوچھ
تھا مگر اتفاق سے دوپاگل ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر سلمان... وہ مانا اوز کی جیفرس ربر سپلائی کمپنی کا نجی
بڑا چھا آدمی ہے، بچارا پاگل ہو گیا۔“
”ڈاکٹر سلمان... جیفرس ربر سپلائی کمپنی...!“ چینی اس طرح بڑا لیا جیسے حافظہ
دے رہا ہو۔

”ہاں بیچارا ڈاکٹر سلمان! جو پہچلتے تین سال تک مانا اوز کے پاگل خانے میں رہا۔ بڑے
آدمی تھا۔ وہاں اس کی موجودگی میں مجھے کوئی تکلیف نہ ہوتی۔ لیکن وہ تین سال سے پاگل ہے
”ڈاکٹر سلمان! وہی بچوں کی سی شکل والا پستہ قد بوزھا تو نہیں؟“ چینی نے پوچھا۔

”وہی وہی... کیا تم اسے جانتے ہو؟“

”جی ہاں جتاب۔ لیکن مجھے یہ سن کر حیرت ہو رہی ہے کہ وہ پہچلتے تین سال پاگل خانے رہا۔
”کیوں؟“

”میری یادداشت بھی بُری نہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک سال قبل ہم دونوں،
کی ایک دعوت میں شریک ہوئے تھے اور وہ بالکل صحیح الدماغ تھا۔ اس کے بعد بھی ہم دونوں
ایک دوسرے سے ملنے رہتے تھے۔“

”ہو گا... مجھے تھی اطلاع می تھی۔“ فریدی نے لاپرواٹی سے کہا۔ ”ہاں تو تم مجھے یہ بتاؤ کہ
نہیں شکریہ۔“ وہ سے گزرا ہا تھا سوچا تم سے بھی ملنا پڑا اور میرا یہ سوچا بلاد جہ نہیں
چینی نے اسے مانا اوز کے جغرافیائی حالات بتانے شروع کر دیے۔ بہر حال حید کا تحریر لختہ بہ
ڈبڑھتا ہی گیا کیونکہ ڈاکٹر سلمان کے متعلق ایک نئی بات معلوم ہو جانے کے بعد بھی فریدی
نے اس کا تذکرہ نہیں چھیڑا۔

میزبان غائب

سر جنت حید تین دن سے اس کو کشش میں لگا ہوا تھا کہ فریدی کسی طرح اسے کچھ بتا دے،
یعنی انہیں تک کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ ویسے اسے یقین تھا کہ فریدی بہت کچھ جانتا ہے۔....
ضوسماً ڈاکٹر سلمان کی شخصیت تو اس کے لئے ایک قسم کا عذاب بن کر رہ گئی تھی۔ وہ ہر وقت اسی
کے متعلق سوچتا رہتا تھا۔ ڈاکٹر سلمان ایک معہم تھا جواب تک اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ ناصر
وغیرہ کا بیان تھا کہ وہ تین سال تک پاگل خانے میں رہ چکا ہے لیکن اس چینی نے اس کی تردید
کر دی تھی اور فریدی کے انداز سے صاف ظاہر ہوتا تھا ہیسے اسے چینی کے بیان پر یقین آگیا ہو۔

اور ہوٹل ڈی فرانس والے حادثے کے بعد سے ڈاکٹر سلمان پولیس اور مقامی اخبارات کی
لٹی آنائی کے لئے ایک اچھا خاصاً موضوع بن کر رہ گیا تھا۔ پولیس حقیقتاً چکر میں پڑ گئی تھی۔ ڈاکٹر
سلمان کا پاسپورٹ کہتا تھا کہ وہ جزوی امریکہ سے آیا ہے اور ڈاکٹر سلمان کا یہ عالم تھا کہ وہ جزوی
امریکہ کے نام پر لوگوں کو مارنے والوں تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ لوگوں نے اس کی چڑھ نکال لی ہے۔

اسے پولیس کے لئے ایک مستقل دردسر ہی کہنا چاہئے۔ اگر ہوٹل ڈی فرانس والا حادثہ
ہوتا تو خیر کوئی بات نہ تھی! کیونکہ آمیزن کے خطے سے اسے سر کاری طور پر واپس کیا گیا تھا۔
وہاں کی حکومت نے یہاں کی حکومت کو صاف طور پر مطلع کر دیا تھا کہ وہ ڈاکٹر سلمان کو اپنے یہاں
کے شہری حقوق عطا کرنے سے مغذور ہے۔ ڈاکٹر سلمان نے شاہد پاگل ہونے سے قبل وہاں کی
حکومت سے اس کے شہری حقوق حاصل کرنے کی درخواست کی تھی۔ وہاں کے کاغذات کے
ٹالبائی ڈاکٹر وہاں دس سال سے مقیم تھا اور وہاں کا قانون اس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ کسی

11،
و دونوں نہیک سائز ہے تین بجے گزار پلیس کے سامنے پہنچ گئے۔ یہی داراب کی رہائش گاہ
عمارت بڑی شاندار تھی اور اس کا نام ”گزار محل“ تعلیٰ نامناسب نہیں تھا۔
و ایک عظیم الشان چھانک سے گزر کر خاص عمارت میں داخل ہوئے۔ ایک ویٹر ان کی
لی رہا تھا۔ پھر وہ ایک کافی وسیع کمرے کے سامنے پہنچے۔

پیال ایک دوسرا بے ویٹر نے ان کے وزینگ کارڈ پڑھ کر ان کے ناموں کا اعلان کیا۔ کمرے
درہ میں افراد موجود تھے لیکن نشتوں کی زیادتی کہہ رہی تھی کہ ابھی بہت سے مہمان باقی ہیں۔
جید نے ایک توی ہیکل بوڑھے کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔ اس کا قدسات فٹ سے کسی
کم نہ رہا ہوا۔ جسم گٹھا ہوا اور مضبوط تھا۔ چہرے پر گھنی سفید موچھیں تھیں۔ شائد ان میں
ایک بھی سیاہ بال نہیں تھا۔ سر کے بال بھی برف کی طرح سفید تھے اور ان کی سفیدی کہہ
تھی کہ وہ اسی سال سے کم نہیں۔ لیکن جسم کی بناؤت کا تقاضا تھا کہ اسے چالیس سال سے
بھننا مبالغہ آرائی ہوگی۔

”زہبے قسمت....!“ وہ فریدی سے ہاتھ ملاتا ہوا مسکرا کر بولا۔ ”میں تو سمجھا تھا کہ شائد
لوگ مجھے پسند نہیں کرتے۔“

اس نے جید سے ہاتھ ملاتے وقت بھی اسی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا۔ پھر وہ انہیں ایک میز پر
جہاں ایک خوبصورت عورت پہلے ہی سے بیٹھی تھی۔

”نادرہ ان سے ملو۔ آپ ان پکڑ فریدی ہیں اور آپ سرجنت جید اور یہ میری لڑکی نادرہ ہے۔“
”آپ ان پکڑ فریدی۔“ نادرہ نے حیرت سے کہا اور ان دونوں سے مصافحہ کر کے بیٹھتی ہوئی
لے۔ ”اگر آپ ہی ان پکڑ فریدی ہیں تو.... آپ کے سارے کارنائے یقیناً مجرم تھے۔“

کرٹل داراب بھی اسی میز کے قریب بیٹھ گیا۔

فریدی نے عورت کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

”میں اکثر افسوس کرتا تھا کہ آپ مجھے اس لائق نہیں سمجھتے تھے۔“ کرٹل داراب نے کہا۔
”مجھے شرم دنگی ہے۔“ فریدی بولا۔ ”اب میں آپ سے کیا عرض کروں کہ کتنا مشغول رہتا ہوں۔“
”مشغولیت میں تو کبھی بتلا رہتے ہیں۔“ عورت نے مسکرا کر کہا۔ ”لیکن آدمی کا آدمی پر
ہی تو کچھ حق ہوتا ہے۔“

غیر بلکی پاگل کو وہاں رکھا جائے۔ کاغذات سے یہ بھی ثابت ہوتا تھا کہ اس نے پاگل خانے
تین سال گزارے تھے۔

یہ ساری باتیں جید کے پیش نظر تھیں اور اس چینی کا بیان بھروسے نہ جانے کیوں غلط نہ
معلوم ہوتا تھا..... ہو سکتا ہے کہ اس پر یقین کر لینے کی خواہیں غیر تصوری طور پر اس کے حق
فریدی کے رویے کی پابند رہی ہوں۔

دوسری طرف ڈاکٹر سلمان بھی بنا ہو پاگل نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ اگر اسے پاگل ہی
تھا تو وہ مکمل طور پر پاگل بنا ہوتا۔ دوسروں کو مستقل طور پر شے میں نہ رکھتا اور پھر سب سے ہے
بات تو یہ کہ اگر وہ پاگل بنا ہی تھا تو اس کا مقصد کیا ہو سکتا تھا۔

ہوٹل ڈی فرانس والے حادثے کے متعلق پولیس تبیث کر رہی تھی لیکن ابھی تک بھر
محروم کا سراغ نہیں ملا تھا۔ فریدی نے جید کو بخت سے تاکید کردی تھی کہ وہ اس کیسے
متعلق کسی سے کوئی گفلگوئی کرے۔

جید کو اس بات پر بھی حیرت تھی کہ فریدی نے ناصر سے اپنی اور رسوران والے چینی
گفلگو کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ ناصر کے گھر والے تو خاص طور پر اس مسئلے میں الجھے ہوئے تھے
آخر دہ پر اسرار آدمی ڈاکٹر سلمان کے متعلق زیرینہ کو لیا تھا چاہتا تھا اور اس نے اس کے
زیرینہ ہی کا انتخاب کیوں کیا تھا؟

بہر حال جید کو اس کیس میں ہر ہر قدم پر الجھاوے ہی الجھاوے نظر آرہے تھے۔ اسے
فیصلہ یقین تھا کہ ہوٹل ڈی فرانس کے حادثے کا ذمہ دار ولگ لی ہی تھا اور یہ بات فریدی۔
بھی تسلیم کر لی تھی لیکن اس کے باوجود بھی ابھی تک اس کے خلاف کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا
تھا۔ جید کی دانست میں فریدی نہ تو خود ہی کچھ کر رہا تھا اور نہ پولیس ہی کو اس بات سے آ
کر دینے پر آمادہ نظر آتا تھا۔

لیکن وہ اس کیس سے بے تعلق بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کیونکہ اس نے اس بار کرٹل داراب
کی دعوت قبول کر لی تھی اور اپنے ساتھ جید کو بھی لے جا رہا تھا۔

بلاؤ اسائز ہے تین بجے شام کے لئے تھا اور پر گرام میں شام کی چائے اور رات کا کھانا
شامل تھا۔

”میں آپ لوگوں سے ملنے کے لئے بڑی طرح بیتاب تھی۔ لیکن میرے ذہن میں آپ
بڑی جو تصویریں تھیں، ان سے میں خائف بھی رہتی تھی۔“

”خدا کرے اب آپ کا خوف رفع ہو گیا ہو۔“ حمید مسکرا کر بولا۔

”میں اب بالکل خائف نہیں.... آپ دونوں... بہت... اب تھے ہیں۔“
”شکریہ۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

تحوڑی دیر بعد ویٹر چائے سرو کرنے لگے۔ نادرہ اُسی میز پر بیٹھی رہی۔

دروازے کے قریب کھڑے ہوئے ویٹر نے پھر دوناموں کا اعلان کیا اور حمید بے اختیار
ومپڑا۔ یہ نام میجر ناصر اور ڈاکٹر سلمان کے تھے۔

حمد نے فریدی کی طرف دیکھا لیکن اس کی حالت میں کوئی تغیر نہیں ہوا تھا۔
”ڈاکٹر سلمان“ نادرہ آہستہ سے بڑا بڑا اور ان دونوں نے آنے والوں کو گھورنے لگی۔ پھر
ہر نے معنی خیز نظروں سے فریدی کی طرف دیکھا۔

”یہ وہی ڈاکٹر سلمان تو نہیں ہے جس کے متعلق اخبارات میں آرہا ہے۔“ اس نے کہا۔
”جی ہاں.... وہی ہے۔“ فریدی نے لاپرواٹی سے جواب دیا۔

”تو کیا ڈیڈی اسے جانتے ہیں۔“ وہ اس طرح بڑا بڑا گویا خود سے مناطب ہو۔
فریدی اور حمید خاموش رہے۔

کرمل داراب نے ناصر اور سلمان کا خیر مقدم بھی پر جوش انداز میں کیا۔
”ان کا کیس تو بڑا دلچسپ ہے۔“ نادرہ بولی۔

”لیکن مجھے اس میں کہیں بھی دلچسپی نظر نہیں آتی۔“ فریدی نے کہا۔
کیوں....؟ کیا آپ ہو مل ڈی فرانس کا حادثہ بھول گئے۔“

”یاد ہے لیکن میری نظروں میں اس کی بھی کوئی اہمیت نہیں۔ ایسے عشق و رقابت کے کھیل
سکاں ہوتے رہتے ہیں۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔“

”میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ لڑکی نے صحیح بیان نہیں دیا۔ حالانکہ وہ میرے ایک عزیز دوست
کو نہ رہا ہے لیکن حقیقت ہر حال میں حقیقت ہی رہتی ہے۔“

”بہر حال آپ میری نیت پر شہر نہیں کر سکتیں۔“ فریدی کی مسکراہٹ بڑی پچلا
”آج مجھے فرمات تھی اس لئے حاضر ہو گیا۔“

سچ مجھ فریدی کی مسکراہٹ اتنی دلاؤزی تھی کہ حمید ہزار جان سے عاشق ہوتے ہوئے
دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرنے لگا کہ فریدی بالکل ہی بخوبی نہیں ہے اور حسین چیزیں اور
اثر انداز ہو سکتی ہیں۔

کرمل داراب کی لڑکی نادرہ بڑی حسین تھی۔ حمید نے اس کی عمر کا اندازہ چوٹیں پچھے
لگ بھگ لگایا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ اس کی نگھری ہوتی رنگت کو بر سات کی چاندنی سے
دے یا جاڑوں کی چاندنی سے۔

”مجھے معاف کیجئے گا.... میں ابھی حاضر ہو تاہوں۔“ کرمل داراب اٹھتا ہوا بولا۔
”اوہ.... کوئی بات نہیں.... اکیلے ہم ہی تو نہیں ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

حمد مکھیوں سے اُسے جاتے دیکھتا ہے۔ کرمل داراب ایک ایسی میز کے قریب جا بیٹھا
صلح کا ٹکڑا کچھ دوسرے افسروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

”مجھے یقین نہیں آتا کہ آپ ہی ان پیٹر فریدی ہیں۔“ نادرہ نے کہا۔
”کیوں؟“ فریدی نے حرمت سے پوچھا۔
”میں صحیح تھی کہ آپ کم از کم ڈیڈی ہی کی طرح معمراں گے.... اور انہیان خوفناک
ہر وقت تیوریوں پر مل پڑے رہتے ہوں گے.... لیکن نہ آپ معمراں ہیں اور نہ خوفناک۔
چڑے بھی نہیں معلوم ہوتے۔“

پھر وہ حمید کی طرف دیکھنے لگی۔ نہ جانے کیوں حمید کا دل دھڑک رہا تھا اور اس کی
نہیں آرہا تھا کہ وہ اتنی پر کشش کیوں ہے؟ لیکن پھر خود اسے ہی اپنے اس حماقت انگیز خیال
آگئی۔ وہ کوئی فلسفی یا سائنسی تو تھا نہیں کہ کشش کے اسباب و عمل پر غور کرتا۔ وہ تو
مداح تھا! آنکھوں کی گہرائیوں میں جھانکتے کامابر تھا اور یہ جانے بغیر ان گہرائیوں میں اترتا
کہ آنکھ کے پہلے پردے کو ”اسکلے روٹک“ دوسرے کو ”گورا بیڑ“ اور تیسرا کو ”رے بیٹا“ کہے
اور آپ کو بھی میں کافی بھاری بھر کم سمجھتی تھی۔ ”اُس نے حمید سے کہا۔
”اُرے نہیں صاحب! میں بھی یونہی ہوں۔“ حمید نے شرما کر کہا۔

”نہیں ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ تو صرف شترنچ کے ماہر ہیں۔ دن رات کسی نہ کو پکرے بساط بچائے رہتے ہیں۔ ابھی دیکھئے گا چائے کے بعد وہ شترنچ ضرور نکالیں گے اور بڑھانے کے وقت تک کھلیتے رہیں گے۔“

تجوڑی دیر تک خاموشی رہی اور اسی دوران میں وانگ لی بھی کمرے میں دکھائی دیا۔

”آپ کے ڈیڑی کی چینیوں سے بھی دوستی ہے۔“ فریدی نے نادرہ سے پوچھا۔

”نہیں تو.... اوہ.... وہ تو اپنا وانگ ہے۔ ڈیڑی کا پرانیوں سے سکریٹری۔“

”اوہ.... اچھا....“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”کرتل صاحب بڑے باذوق آدمی معلوم ہوتے ہیں۔“

”کیوں!“

”چینی لوگ بڑے اچھے پرانیوں سے سکریٹری ثابت ہوتے ہیں۔“

”مگر وانگ لی تو پاکا حرمازدہ ہے۔“ نادرہ ہنسنے لگی۔

”کیوں؟“

”وہ مجھ میں اور ڈیڑی میں اکثر لڑائی کر دیتا ہے۔“

”وہ کس طرح۔“

”بہترے طریقے ہیں۔“

”آپ نے کبھی دو چینیوں کو آپس میں گفتگو کرتے سنائے۔“ فریدی نے کہا۔

”روز ہی سنتی ہوں۔ ہمارا ذرا بیور بھی چینی ہے۔ تیہ چن...!“ وہ غص کر بولی۔ ” بتائیے تیہ چن کے کیا معنی ہوتے ہیں۔“

”دوسرا اپاکا حرمازدہ۔“ حید نے بڑی سمجھی گی سے کہا اور نادرہ بے تحاشہ ہنسنے لگی۔

”کبھی چار پانچ چینیوں کو اکٹھا دیکھئے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اس طرح چیاؤں چیاؤں کرتے ہیں کہ کہ کے لیے یاد آ جاتے ہیں۔ ان دونوں کے دوست تو آئے ہی رہتے ہوں گے۔“

”جی نہیں! یہاں تو کوئی نہیں آتا۔“ نادرہ نے کہا۔

”کبھی انہیں ایک جگہ دیکھئے۔ بڑا لطف آئے گا۔“

حید نے کرتل داراب کو پھر اپنی طرف آتے دیکھا۔ وہ خالی کرسی پر بیٹھ کر ڈاکٹر سلمان کی

ٹرند دیکھتا ہوا فریدی سے بولا۔

”حقیقت....!“
”جی ہاں.... حقیقت یہ ہے کہ ہوٹل ڈی فرانس میں جل مر نے والا اس کا کوئی عاشق نہ
وہ دو صل اس کے کسی دوسرے عاشق کی حرکت تھی۔ لڑکی نے بدنای کے خیال سے ڈاکٹر سلمان
والا افسانہ تراش لیا۔“

”نہیں....!“ نادرہ نے حیرت سے کہا۔

”یقین کیجئے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اگر مر نے والا زندہ ہوتا تو حقیقت سامنے آ جائی۔“

”تو پھر پولیس کیوں جھک مار رہی ہے۔“

”اس کی مرضی.... میں نے اپنے خیال سے سب کو آگاہ کر دیا ہے۔“

”محبوب بات ہے۔“

”قطعی نہیں! حالات نے اسے عجیب بنایا ہے۔“

”کیسے حالات۔“

”ڈاکٹر سلمان کا پاگل پن اور اس نامعلوم آدمی کی موت۔“

”میں پھر نہیں سمجھی۔“

”چھوڑیے بھی“ حید اکتا کر بولا۔ ”خوش مذاق عورتوں کو ایسی فضول باتوں میں نہ پڑانا چاہئے۔“

”اگر آپ کہتے ہیں تو میں چھوڑے دیتی ہوں۔“ نادرہ نے مسکرا کر کہا۔

فریدی بھی ہنسنے لگا۔ حید کو پھر حیرت ہوئی کہ فریدی کو ہنسی کیسے آئی۔ کیونکہ نادرہ نے جملہ بڑے بھوٹنے پن سے کہا تھا۔ لبجھ میں بھی مزاج کا انداز نہیں تھا۔

”سلمان صاحب آپ کے دوست ہیں۔“ نادرہ نے فریدی سے پوچھا۔

”جی نہیں.... میکھر ناصر ہیں اور زرینہ ان کی بیوی کی بہن ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

سلمان یہاں پہلی بار آیا ہے۔

”جی ہاں.... میں نے تو پہلی بار دیکھا ہے۔“

”اور ناصر....!“

”وہ اکثر آئے ہیں.... ڈیڑی انہیں جانتے ہیں۔“

”اس کیس کے متعلق آپ کے ڈیڑی کا کیا خیال ہے۔“

"یہ حضرت مجھے پاگل تو نہیں معلوم ہوتے۔"

"نہیں! بالکل پاگل نہیں ہے۔ صرف یادداشت کھو بیٹھا ہے۔"

"مگر وہ تو ابھی انگینہ اور فرانس کی باتیں کر رہا تھا۔" کرنل داراب نے کہا۔ "اگر یاد
کھو بیٹھا ہو تو اسے اپنی پچھلی زندگی کے متعلق کچھ بھی نہ یاد ہوتا۔"

"ایسا بھی ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "وہ صرف اپنی جنوبی امریکہ کی رہائش کے
بھول گیا ہے۔"

"مگن ہے! اس قسم کے کیس بھی ذہنی امراض کے سلسلے میں ملتے ہیں۔ ہو سکتا ہے
کہ ایسے حادثے کا شکار ہوا ہو جو بھلاہی دینے کے قابل رہا ہو۔ جس حادثے کے بعد اس
سوچا ہو کہ کاش وہ جنوبی امریکہ میں نہ ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ حادثہ اس کے اکتوبر میں کی گئی
ہو۔ ناصر میرادوست ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ اس کا ایک بیٹا بھی تھا۔ لیکن خود سلمان اس
انکار کرتا ہے۔ گراں کے لڑکے کی پیدائش نہیں ہوئی تھی اور دوسروں کو وہ اچھی طرح یاد ہے
اگر یہ بات ہے تو واقعی بیچارہ قابل رحم ہے۔"

چائے فتح ہو گئی اور مہمان مختلف قسم کے تفریحات میں مشغول ہو گئے۔ کچھ بلیڈ روم
بلیڈ کھیل رہے تھے۔ بعض برجن کھینے میں صرف ہو گئے۔ کچھ صرف باتیں کر رہے تھے۔
گوشے میں ایک شاعر اپنا کلام سن رہا تھا اور ایک صاحب نے لاکیوں کے ہاتھ دیکھ کر ان کی قسم
کا حال بتانا شروع کر دیا تھا۔

کرنل داراب فریدی وغیرہ کے پاس سے اٹھ کر کہیں اور چلا گیا تھا لیکن نادرہ اب تک
کے ساتھ تھی۔ اکثر لوگوں نے اسے اپنے کھیلوں میں شریک کرنا چاہا لیکن اسے ان کھیلوں۔
زیادہ حمید کے چکلوں میں مزہ آرہا تھا اور حمید نے بھی نہ جانے کیوں یہ طے کر لیا تھا کہ وہ آنا
اپنے لطیفوں کا ذخیرہ ختم کر دے گا۔

انہیں تفریحات میں آٹھ بن چکے اور پھر کھانے کا گانگ بجا۔

ڈائینگ روم میں بھی بڑا اچھا انظام تھا۔ جب لوگ اپنی نشتوں پر بیٹھ چکے تو انہیں خیال
کہ ایک کرسی خالی ہے اور یہ خالی کرسی خود صاحب خانہ یعنی کرنل داراب کی تھی۔
تن چار منٹ انتظار کرنے کے بعد پھر گانگ بجا گیا۔ لیکن کرنل داراب نہ آیا۔

ہارہ داگ لی کے ساتھ اٹھ گئی۔ دو ایک ایسے لوگ بھی اٹھ گئے جو شائد گھروں سے بہت
بادجے کلف تھے۔

دو منٹ گزر گئے۔ لیکن وہ لوگ واپس نہ آئے۔ مہماںوں میں سر گوشیاں ہو رہی تھیں۔ دفعہ

بی آدمی چننا ہوا کرے میں داخل ہوا۔

کسی نے کرنل کو چھری مار دی۔ اس نے چیخ کر کہا اور پھر اٹھ پاؤں کمرے سے نکل گیا۔

اٹھ اٹھ کر اس کے پیچھے دوڑنے لگے۔ فریدی اور حمید بھی اٹھے۔

کرنل داراب ایک کمرے میں اونچا پڑا تھا اور اس کے دامنے کاندھے میں ایک خبتر پوست
لے اسی کے قریب نادرہ بھی پڑی ہوئی تھی۔ شاید وہ اسے اس حال میں دیکھ کر بیویوں ہو گئی تھی۔
فریدی آگے بڑھ کر کرنل پر جھک گیا۔

عجب لڑکی

وائلک لی بھوکے شیر کی طرح غرہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ وہ اپنی زبان سے کچھ کہتا بھی جا رہا
فائر آئز کار اس نے اگریزی میں ایک بہت بڑی قسم کھائی وہ اپنے مالک پر حملہ کرنے والے کو
نہ نہ چھوڑے گا۔

پھر اس نے بیویوں نادرہ کو اٹھا کر ایک صوفے پر ڈال دیا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی نے سر اٹھا کر کہا۔ "زمخ گہر ا نہیں ہے۔"

پولیس ہسپتال کا ذاکر آگے بڑھا اور فریدی ایک طرف ہٹ گیا۔

ڈاکٹر نے جیسے ہی خبر اس کے شانے سے نکلا۔ کرنل داراب کو ہوش آگیا۔ اس کے منہ
سے ایک ہلکی سی کراہ نکلی اور اس نے اپنے ہونٹ بھیج لئے۔

"کوٹ اتار لیجئے۔" ڈاکٹر نے کہا۔

کرنل داراب نے کوٹ اتار کر اپنایاں شانہ کھول دیا۔ خون بہرہ رہا تھا۔

"قرست ایڈ کا بکس۔" کرنل داراب نے وائلکی طرف دیکھ کر کہا۔

"کون تھا... یہ کیا ہوا۔" ڈاکٹر نے آگے بڑھ کر کہا۔

”ارے!“ کرٹل دارب کی نظریں بیہو ش نادرہ کی طرف اٹھ گئیں۔ ”اسے کیا ہوا؟ تابانہ انداز میں اٹھ کر اس کی طرف چھپتا۔

”اوہ....!“ کچھ نہیں ڈاکٹر اسے پکڑتا ہوا بولا۔ ”بیہو ش ہو گئی ہیں۔ ٹھیک ہو جائے۔“ اپ بیٹھئے۔ حرکت کرنے سے خون زیادہ نکل جائے گا۔

”پہلے اسے ہوش میں لایے.... غمیٹھیک ہوں۔“ وائگ فرست ایڈ کا بکس لے آیا۔ پولیس ہسپتال کا ڈاکٹر مرہم پڑی کرنے لگا۔

”کون تھا؟“ کلکٹر نے پوچھا۔ ”پتہ نہیں۔“ کرٹل بولا۔ ”میں اسے دیکھ نہیں سکا۔ اس نے پیچھے سے حملہ کیا تھا۔“

”آپ اس کرے میں کس وقت آئے تھے۔“ کرٹل اپنی کلائی پر بند ہوئی گھری کی طرف دیکھنے لگا۔

”شام میں منٹ پہلے۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”کسی پر شبہ ہے۔“

”نہیں میرے نوکروں میں سے کوئی ایسا نہیں ہو سکتا۔“ حید نے مخفی خیز انداز میں فریدی کی طرف دیکھا، جس کے ہونٹوں پر ایک خمسکراہت تھی۔ وہ سامنے والی میز کے نیچے کچھ دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اپنی نظریں دھنائیں۔ حید نے بھی اوہر دیکھا لیکن اسے میز کے نیچے کوئی خاص چیز دکھانی نہ دی۔

”خجڑ کے دستے پر نشانات ہوں گے۔“ ڈی۔ ایس۔ پی۔ شی نے کہا۔ ”ڈاکٹر صاحب کی انگلوں کے۔“ فریدی نے طفر آمیز لمحہ میں کہا۔

”جی....!“ ڈاکٹر چوک کر اس کی طرف مڑا۔ ”اوہ! میرا مطلب یہ نہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ اس نشانات رہے بھی ہوں گے تو اب انہیں آپ کی انگلوں نے ناقابل شناخت بنا دیا ہو گا۔“

”تو آپ ہاتھ لگانے سے قبل خاموش کیوں رہے تھے۔“ ڈی۔ ایس۔ پی۔ شی نے گزارا ”بھلا میں آپ کے سامنے کیا زبان کھولتا۔“ فریدی نے طفر آمیز لمحہ میں کہا۔

”آپ اپنا الجہ ٹھیک کیجئے۔“

”میرا خیال ہے کہ آپ اس وقت وردی میں نہیں ہیں اور نہ میں ڈیوبنی پر ہوں۔“

”بیکار کی بحث....!“ کلکٹر نے دخل انداز کی۔

دونوں خاموش ہو گئے۔ ڈی۔ ایس۔ پی۔ شی اسے کھا جانے والے انداز میں گھور رہا تھا اور یہی کے ہونٹوں پر وہی جھنجھلاہٹ پیدا کر دیئے والی مسکراہت تھی جس کی موجودگی میں اس کے بعض آفیسروں کو احساس کرتی ہوئے لگتا تھا۔

”فریدی صاحب۔“ کرٹل نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ ”یہ دوسرا حملہ ہے۔ آج سے پورہ دن قل کی نے مجھ پر پا میں باغ میں گولی چالائی تھی۔“

”اوہ....!“ فریدی حیرت سے بولا۔ ”اور آپ نے پولیس کو مطلع نہیں کیا۔“

”بھی نہیں.... میں خود اس بات کا پتہ لگاتا چاہتا تھا کہ حملہ آور کون تھا اور اس نے اسی درکت کیوں کی تھی۔“

”اس رازداری کی کوئی خاص وجہ تھی۔“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں.... اگر میں روپورٹ بھی کرتا تو آپ لوگ یہی پوچھتے کہ کسی پر شبہ تو نہیں۔ میں کیا تھا۔ نادرہ... نادرہ کہاں ہے۔“

”وائگ انہیں ان کے بیٹر ووم میں لے گیا ہے۔“ ایک فو کرنے کہا۔

”ہوش آیا۔“

”جی ہاں.... اب وائگ نے انہیں سلا دیا ہے۔“

”مجھے افسوس ہے۔“ کرٹل نے ڈرینک ہو جانے کے بعد کوٹ پہنچتے ہوئے کہا۔ ”چلتے اب کھانے میں دیر نہ ہونی چاہئے۔“

”میرے خیال سے آپ آرام کیجئے۔“ کسی نے کہا۔

”مجھے کوئی خاص تکلیف نہیں ہے۔“ کرٹل نے لاپرواٹی سے کہا۔

اُس دوران میں ڈی۔ ایس۔ پی۔ شی کرے میں رکھی ہوئی چیزوں کا اس طرح جائزہ لیتا پھر رہا تھا۔ یہی اُسے ان میں سے کسی پر شبہ ہو۔

”حید کو اس بات پر حیرت تھی کہ آخر فریدی کیوں خاموش ہے۔“

”یہاں سوائے کشت و خون کے اور کچھ نہیں۔“ ڈاکٹر سلمان بڑی بڑا تھا۔ ”ہمارے یہاں

”مرد دم کم بخت۔“ کرتل نے گردن سے پکڑ کر بیلی کو ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ ”ڈاکٹر بے کے لئے دوسرا پلیٹ لگاؤ۔“

”آپ کے چوت تو نہیں آئی۔“ فریدی نے میز پر ہاتھ تیک کر سلمان کی طرف جھکتے کہا۔ ”جی نہیں.... شکریہ۔“

فریدی پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ ایک نوکرنے ڈاکٹر سلمان کے سامنے سے ٹوٹی ہوئی پلیٹ لوٹے ہٹا دیے۔

ڈاکٹر سلمان نے مسکرا کر کرتل داراب کی طرف دیکھا۔ اس بیلی نے کس کا راستہ کاتا۔ ”ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

”اوہ بچا جان۔“ میجر ناصر نے جلدی سے اُسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ ”کرتل صاحب کے بہت شائق ہیں۔“

”مجھے بھی ملبوسوں سے دلچسپی ہے۔“ ڈاکٹر سلمان نے بچوں کی طرح خوش ہو کر کہا۔ پھر لوگ کھانے میں مشغول ہو گئے۔ حید کے سامنے ایک لڑکی تھی جس نے سنہری فریم کی سی عینک لگا رکھی تھی اور جب وہ عینک نے اُسے دیکھتی تو اسے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اس لل کی بینائی بڑھ رہی ہو۔ لیکن وہ ڈاکٹر سلمان اور کرتل داراب کی بے کنکی گفتگو کے متعلق ہوتا تھا۔ کیا وہ گفتگو با معنی تھی۔ آخر کرتل داراب پر حملہ کس نے کیا تھا... کیا؟ ڈاکٹر ن؟ مگر وہ تو انہی لوگوں کے پاس موجود تھا۔

حید نے کرتل داراب کی طرف دیکھا۔ وہ اتنے اطمینان سے کھانا کھا رہا تھا جیسے کچھ دیر قلب بات ہنا نہ ہوئی ہو۔

حید اس لڑکی کے متعلق بھی سوچ رہا تھا جیسے واگن نے سلاادیا تھا اور اس کا اس طرح چب سو جانا حید کو بڑا غیر فطری سامنہ معلوم ہو رہا تھا۔ اُسے نوکر کی بات اچھی طرح یاد تھی۔ اس نے کھانا تو کھا تھا کہ نادرہ ہوش میں آگئی تھی لیکن واگن نے اُسے سلا دیا ہے۔

”میجر فریدی کی آواز سن کر چونکا۔ وہ کرتل داراب سے کہہ رہا تھا۔“ ”نادرہ صاحبہ نہیں آئیں۔“

سے انسانیت کا جناہ نکل چکا ہے۔ اب بھی اگر لوگ ہوش میں آجائیں تو بہتر ہے۔ یہ نامکن تو پھر خون پانی کی طرح بہتا رہے گا۔ ”ڈاکٹر سلمان بولا۔“ دنیا سرائے فانی ہے۔ چار دن کی زندگی میں ہبھت دھرمیاں اپنے ہاتھوں اپنالگا گھو نہیں ہیں۔“

”اوہ نہ سب چلتا ہے۔“ کرتل نے بُر اسامنہ بنایا کہا۔ ”میں ذرہ برابر بھی خائف نہیں ہوں۔“ ”ایک مصور شیطان کو بناتا ہے۔“ ڈاکٹر سلمان بولا۔ ”دوسرے اُسے دیکھ کر ڈرتے ہیں! مصور نہیں ڈرتا۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ کرتل نے اُسے گھور کر کہا۔ ”اگر باتیں سمجھ میں آجائیں تو پھر وہ باتیں نہیں رہتیں۔“ ڈاکٹر سلمان نے احقوں کی طرف ہس کر کہا اور پھر وہ کسی شریر پچے کی طرح اپنا نچلا ہونت دانتوں میں دبا کر مسکرانے لگا۔ مقامی حکام اسے گھور رہے تھے۔

سب لوگ ڈائینگ روم کی طرف چل پڑے۔ ذی۔ ایس۔ پی۔ شی نے کرتل کو روکا۔ فریدی اور حید ان کے پیچے تھے۔

”آپ نے اس پاگل کو کیوں مدد کیا ہے۔“ اس نے کرتل سے پوچھا۔ ”یوں نبی تفریحیاں اُسے دیکھنا چاہتا تھا۔ میجر ناصر سے میری جان پچھان ہے۔“ ”لوگ کہتے ہیں کہ وہ صرف جنوبی امریکہ کے معاملے میں پاگل ہے۔“ ذی۔ ایس۔ پی۔ کہا۔ ”لیکن وہ ابھی ہو شمدی کی باتیں کر رہا تھا۔“ فریدی اور حید کچھ بولے بغیر کمرے سے باہر نکل آئے۔ انکے بعد کرتل اور ذی۔ ایس۔ پی۔ بھی نکلے۔

کھانے کی میز پر لوگ ان کا انتظار کر رہے تھے۔ کھانے کی ٹڑالی آئی۔ لوگ اپنی پلیٹیں سیدھی کرنے لگے۔ دفعتاً ڈاکٹر سلمان کی پلیٹ پر ایک بیلی کو دی اور پلیٹ کے کئی ٹکڑے ہو گئے۔

لوگ پہلے چوکے پھر ہنسنے لگے۔ حید نے محسوس کیا کہ فریدی ایک روشنداں کی طرف رہا ہے۔ بھر اس کی نظریں ٹوٹی ہوئی پلیٹ سے گزرتی ہوئی سلمان کے چہرے پر جم گئیں۔ بی۔ جو شاکر میاں تو تھی اس کے بعد میز پر بیٹھی ”میاں میاں“ کرتی رہی۔

”بائل ہو، کہیے ہو۔“ وہ جمیع کو گھورتا ہوا پھر چیخا۔ ”تم نے میری چڑھ نکال لی ہے۔“

پھر وہ اس طرح پچھے ہٹا کر اس کی کرسی اٹھ گئی، لیکن وہ خود نہیں گرا۔

جیسے زدہ مہمان اسے کمرے سے باہر جاتے دیکھ رہے تھے۔ شاکنڈ پندرہ میں منٹ تک ہاموشی رہی پھر ناصر گلا صاف کر کے اٹھتا ہوا بولا۔ ”میں انہیں... نہیں لانا چاہتا تھا... مگر میں صاحب نے۔“

”مجھے افسوس ہے۔“ کرٹل نے آہستہ سے کہا۔ ”جنوبی امریکہ کا نام تھا لیا گیا۔“

ناصر بھی کھانا چھوڑ کر ڈاکٹر سلمان کے پیچے چلا گیا۔

ناصر کے جانے کے بعد کمرے میں لکھیوں کی سی بھنپھناہٹ گو نجتے گی۔ کرٹل کے چہرے پر لہرے تھکر اور بخالت کے آثار تھے۔ جوں توں کھانا ختم ہوا اور وہ لوگ کافی پینے کے لئے ہاتھے میں آئیں۔

”بے افسوس کی بات ہے۔“ ٹکٹر نے ڈی۔ ایس۔ پی سے کہا۔ ”ہماری موجودگی میں اس کم کی کوئی واردات ہو جائے۔“

”اوہ.... جانے بھی دیجئے۔“ کرٹل نے کہا۔ ”مجھے آج کی دعوت بر باد ہونے کا افسوس ہے۔ ڈاکٹر سلمان ناراض ہو کر چلے گئے۔“

”یہ شخص میرے لئے کم از کم معہ بن کر رہ گیا ہے۔“ ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔ ”اسے پاگل کون کہے گا۔“ ٹکٹر نے کہا۔

”کیا ممکن نہیں کہ ہم میں ہی سے کسی نے کرٹل صاحب پر حملہ کیا ہو۔“ فریدی کی آواز خالہ دی اور یہ بیک نہ اچھا گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے اس نے سب کو کوئی گندی سی گالی دے دی ہو۔ ”غائبًا آپ نے یہ جملہ کہنے سے پہلے یہ بھی سوچ لیا ہوا گا کہ یہاں کون کون موجود ہے۔“

ڈی۔ ایس۔ پی نے جھنجلا کر کہا۔

”اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ فریدی نے لاپرواٹی سے کہا۔

یہ آفیسر بڑی طرح بھنا گیا۔ یہ اسٹنٹ اکسائز کمشٹ تھا۔ اس نے آنکھیں نکال کر کہا۔

”لیاں محلہ سراغِ رسانی کے لائق انسپکٹر سے یہ پوچھ سکوں گا کہ ہم میں سے کوئی کرٹل پر کیوں نہ لگا کر کھڑا ہو گیا۔“

”اوہ....!“ کرٹل داراب نے وائگ کی طرف گھور کر دیکھا۔

”میں نے انہیں سلا دیا۔“ وائگ نے کہا۔ ”میں جانتا تھا کہ وہ ہوش میں آنے کے بھر روتی رہیں گی۔ اس لئے میں نے اسے مار فیا کا نجکش دے دیا۔“

”تم نے اچھا کیا؟“ کرٹل داراب اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہوتا ہوا بولا۔ ”نادرہ بہت روشنی۔“

”مگر مار فیا تو ان کے سشم پر بہت برا اثر ڈالے گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”جانتا ہوں! مگر کیا کروں۔ وہ رونا شروع کرتی ہے تو کسی چھ ماہ کے پیچے کی طرح روشنی جاتی ہے۔“ کرٹل نے کہا۔

”اور نتیجہ غشی ہوتا ہے۔“ وائگ نے ٹکرال کیا۔

فریدی بھی کھانے میں مشغول ہو گیا۔

حید کو جیسے تھی کہ کرٹل اس دوران میں نہ تو ایک بار بھی کرایہ اور نہ اس کے چھ سے تکلیف کے آثار ظاہر ہوئے۔ شاکن دوسرے لوگ بھی اس پر تھیر تھے، لہذا کسی نے کم

”کرٹل صاحب کی مضبوطی کی داد دینی پڑتی ہے۔ میں تو کم از کم چاروں پانچ سے زد اسے ”میرا پورا جسم گولیوں سے چھلنی ہے۔“ کرٹل نے مسکرا کر کہا۔

اس پر ڈاکٹر سلمان نے جھوم کر شعر پڑھا۔

”سُنگ و آہن بے نیازِ غم نہیں

وکیجہ ہر دیوار و در سے سرنہ مار“

لوگ اسے گھورنے لگے۔ ناصر نے کچھ کھانا چاہا لیکن ڈاکٹر سلمان نے اسے ہاتھ کے سے روک کر سنجیدگی سے کہا۔ ”کیا لوگوں کو یہ شعر پسند نہیں آیا۔“

”لیکن یہ کون سا موقع تھا۔“ ڈی۔ ایس۔ پی جھنجلا کر بولا۔

”ہر اچھا شعر موقع محل سے بے نیاز ہوتا ہے۔“ ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

پتہ نہیں کہ ہر سے آواز آئی، حید محسوس نہ کر سکا کیونکہ اس آواز کا فوری رد دینے والا تھا۔ اس لئے اس کا ہم اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ہوا یہ کہ کسی نے دبی زبان سے جنوبی امریکہ کا نام لے لیا۔ اپاک ڈاکٹر سلمان نے ماری اور اپنی پلیٹ میز پر قیچ کر کھڑا ہو گیا۔

"اوہ! آپ لوگ خواہ نواخ اراضی ہو رہے ہیں۔ میں نے تو محض ایک امکانی با تھی۔" فریدی بولا۔

"مشتر فریدی۔" کرتل ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "یہ ایک بیکار بحث ہے۔ کشنز صاحب نہ رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس بات کو یہیں ختم کر دیا جائے۔"

"میا آپ حملہ آور سے واقف ہیں۔" فریدی نے اچانک پوچھا۔
"جی نہیں۔"

"تب تو پھر واقعی آپ کی انسانیت اس قابل ہے کہ پوجی جائے۔ آپ یہ بھی نہیں چا حملہ آور کا پتہ لگا کر اسے سزا دی جائے۔"

فریدی کے کان کھڑے ہو گئے اور ساتھ ہی کان کھڑے ہو جانے کا محاورہ بھی اُس سے میں گونجا۔ لیکن بات ایسی چھڑگی تھی کہ وہ اس مفعکہ خیز محاورے کے کمزور پہلوؤں جھناںک نہ کرسکا۔ کرتل خاموش ہو گیا اور فریدی کہہ رہا تھا۔ "یا پھر یہ بات ہے کہ آپ ہم سے واقف ہیں اور اسے چھانا چاہتے ہیں۔ انداز سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ اس واقعے کی روپورٹ بھی نہ درج کرائیں گے۔"

"روپورٹ..... اوہ..... ہاں۔" کرتل اس طرح بولا چیزے یک بیک نیند سے چوڑا رپورٹ ضرور درج کرائی جائے گی۔ میں تو یہ کہہ رہا تھا۔ فی الحال اس مسئلے کو بھو چاہئے۔ آج کی ساری تفریخ ویسے ہی برباد ہو چکی ہے۔"

"یہ دوسری صورت ہے۔" کرتل فریدی نے کہا۔ "اچھا باب میں اجازت چاہوں گا۔"
"اڑے! بھی سے۔" کرتل نے کہا۔

"جی ہاں..... پھر بھی چاہر ہوں گا۔"

"ضرور ضرور..... میں عرصہ سے آپ کی صحبت کا متمنی ہوں۔"
سر جنٹ حید بھی کھڑا ہو گیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ابھی اٹھنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ عینک لڑکی بڑے دلاؤز انداز میں مسکرا رہی تھی۔

وہ دونوں چھانک کے قریب آئے لیکن فریدی باہر نکلنے کی بجائے داہنی طرف ہ مہندی کی قد آدم باڑھ ان کے لئے ایک اچھی خاصی دیوار تھی۔ وہ برآمدے میں بیٹھے ہ

ہباں کے قیہے صاف سن رہے تھے لیکن اس طرف اندر ہرا ہونے کی وجہ سے فریدی دیکھ لئے ہباں کے خوف سے بے پرواہ ہو کر آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ جلد ہی عمارت کے داہنے بازو کی پشت پر پہنچ گئے۔ حید خاموشی سے فریدی کا ساتھ دے رہا تھا لیکن اسے الجھن ہو رہی تھی کہ اچانک ایک بے ہام ساغف اس کے ذہن پر مسلط ہو گیا تھا۔

اب فریدی دیوار سے لگ کر چل رہا تھا اور حید سوچ رہا تھا کہ اگر کسی خوش اخلاق کتے سے للاحتاں ہو گئی تو مزاہی آجائے گا۔ وہ ایک ایسی کھڑکی کے قریب رک گیا جس کے شیشوں میں روشنی نظر آرہی تھی۔ یہاں حید نے کسی عورت کے دبے دبے سے قیہے کی آواز سنی۔ فریدی کھڑکی کے قریب سے ہٹ آیا۔ غالباً یہ حید کے لئے اشارہ تھا۔ حید نے جھانک کر دیکھا۔

ہادرہ ایک مسہری پر بیٹھی بڑی طرح ہنس رہی تھی اور کرتل دارا ب کا ڈرائیور تھی جن آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔

فریدی واپس جانے کے لئے مڑا۔ مڑنے کے انداز میں اسی بیسا نگل تھی کہ حید کو فنی آگئی اسے ایسا معلوم ہوا جیسے فریدی نے اپنی بیوی کو کسی غیر سے محا خلطاً دیکھ لیا ہو۔

تو ہوزری دی بعد فریدی کی کیڈی سو مرست اسٹریٹ کی طرف واپس ہو رہی تھی۔
آخر آپ برا کیوں مان گئے۔" حید نے کہا۔

"اسے والگ نے مور فیکا کا نجکش دے کر سلا دیا تھا۔" فریدی نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"آخر معاملہ کیا تھا۔ کرتل دارا نے اس جملے کو کوئی اہمیت کیوں نہیں دی۔"
"مالی ذیہر حید! بلکہ حید میرے عزیز! کیا تم نادرہ سے عشق نہ کرو گے۔"

"آپ کے کہنے سے تو کبھی نہ کروں گا! کیا معاملہ ہے؟"

"معاملہ نہیں بلکہ معاملات ہیں۔ ان میں ایک معاملہ گھر بیٹھ کر پیش کروں گا اور تم چونی اسے تماشا ہیوں کی طرح تالیاں بجاوے گے۔"

"کیا.....؟ کوئی خاص بات۔"

"تم خود ہی اندازہ لگا لو گے۔ بہت ممکن ہے کہ میرے کیبل کا بھی جواب آگیا ہو۔"
"کیبل! کیوں.... کیا کوئی خاص بات۔"

نمبر 11
”فقول ہے۔“ حمید فریدی کے لجھ کی نقل اتارتا ہوا بولا۔ ”میں وقت سے پہلے کچھ نہیں کی۔“

”خوب....!“ فریدی جو باسکر لایا۔

حمد کچھ اور کہنے جا رہا تھا کہ نوکر مطلوبہ چیزیں لے کر آگئیا۔

”اندر رکھو۔“ فریدی نے خواب گاہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ پھر حمید سے بولا۔ ”ہاں تو صاحب پلوں کے آتے ہی کھلیل شروع ہو جائے گا۔“

”اور اس کے بعد آپ کتوں کو کامنے دوڑیں گے۔“ حمید نے بیزاری سے کہا۔

راہداری میں پلوں کا شور سنائی دے رہا تھا۔ فریدی کرے میں چلا گیا۔ حمید باہر ہی کھڑا رہا لیں کچھ میں نہیں آیا کہ فریدی کیا کرنے جا رہا ہے۔ وہ اس سے قل بھی فریدی کو جانوروں پر قدم کے تجربات کرتے دیکھ چکا تھا۔ مگر اس وقت کی بات ہی الگ تھی۔ آخر اچانک اس نے کسی قسم کے تجربات کا خیال کیوں آیا۔

کہ کے پلے فریدی کے پاس پکنچا دیئے گئے۔ تھوڑی در بعد اس نے حمید کو آواز دی۔

حمد نے اندر پہنچ کر پلوں کو دودھ پیتے دیکھا۔ دونوں الگ الگ اپنے سامنے رکھے ہوئے لپٹوٹ پر ہے تھے اور فریدی بڑے انہماں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

”لیا یہ کسی آنجمانی قسم کے کہتے کیا یاد ہیں۔“

حمد جملہ پورا نہیں کر پایا تھا کہ ایک پلا خود بخود اچھل کر دور جاگر اور پھر کسی ذبح کے ہوئے اُنکی طرح ترپنے لگا۔ دوسرا پلا بد ستور دودھ پیتا رہا۔

گر کر ترپنے والا پلا اپنے بیالے کا آدھا دودھ بھی نہیں پی سکا تھا۔ وہ شاکر آؤ ہے منٹ تک اکہا بھر ساکت ہو گیا۔

فریدی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آگیا۔ پھر اس نے اُسے دو تین بار جھنجورا لیکن اس نہیں بھی نہ کی۔

”خُمبو گیا۔“ فریدی حمید کی طرف دیکھ کر بڑا بڑا۔

”سر اپلا پلے ہی جیسے انہماں کے ساتھ دودھ پی رہا تھا۔

حمد کو محنت ضرور ہوئی لیکن وہ اس وقت نہ جانے کیوں فریدی کو غصہ دلانا چاہتا تھا۔

”تم شاکردا نگہ رہے ہو! اگر اب تم نے تیری بار کسی خاص بات کا مطالبہ کیا تو چانس امار دو ٹکا جہنم میں گئی خاص بات۔“ حمید جھنجلا کر بولا۔ ”میں یہ سوچ رہا ہوں کہ نادرہ مور فیروز انجکشن کے باوجود بھی کیوں جاگ رہی تھی۔ اس کے باب کو کسی نے چھرا مار دیا تھا اور وہ ان طمیتان سے قیچیے لگا رہی تھی جیسے وہ مخفی بُداق رہا ہو۔ وہ اُسے دیکھنے کے لئے بھی نہیں آئی تھی اور آپ کے کیبل کا جواب....! وہ گیا جہنم میں۔ کیونکہ اس کے متعلق مجھے حشر مک پکھنے مل ہوئے گا اور میں نے نادرہ سے عشق کرنے کا تھیہ کر لیا ہے۔“

حیرت انگیز انکشاف

حمد راستے بھرا وٹ پنگ باتیں بکتا رہا۔ فریدی خاموش رہا۔ مگر پہنچ کر فریدی نے کہا ”دیفیر ہیریٹ سے دودھ کی ایک باتیں نکال لاؤ۔“

”ہا میں دودھ پیں گے آپ۔“

فریدی نے نوکر کو آواز دی، جو غالباً خواب گاہ میں اس کا بستر درست کر رہا تھا۔ ”دیکھو! دوپیالے! ایک دودھ کی بوٹی لاو! اور شکور سے کہہ کر کہتے خانے سے دو پل اخلاۓ۔“ حمید نے آنکھیں چھاڑ کر فریدی کو دیکھا اور اپنی گدی سہلانے لگا۔ نوکر چلا گیا اور فریدی کی سوچ میں ڈوب گیا۔

”اب آپ مجھ سے شتر مرغ کی بوی بولنے کے لئے تو نہ کہیں گے۔“ حمید نے ہا مصوصیت سے پوچھا۔

”تمہیں ابھی گدھے کی طرح چھنپا پڑے گا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”بہتر ہے اشب بخیر۔“ حمید اپنے کرے کی جانب مڑ کر بولا۔ ”مجھے کتے کے پلوں سے کا لے دیکھیں نہیں۔“

”ٹھہر د فرزند! بھی شاکر ہمیں پھر ایک معمولی سافر کرنا پڑے۔“

”میں جھک مارنے کے موڑ میں نہیں ہوں۔ ابھی مجھے نقشہ عشق تریب دینا ہے۔“

”نقشہ عشق! میں نہیں سمجھا۔“ فریدی نے سگار سلاگاتے ہوئے کہا۔

"اب آپ دوسرے پلے کو اس کی موت پر رونے کے لئے مجبور کریں گے۔" اس۔
"نہیں تمہاری عقل پر۔" فریدی کا لہجہ خشک تھا۔

اس نے ختم ہو جانے والے پلے کے پیالے سے کوئی سفید سی چیز نکال کر فرش پر ڈالا
"یہ کیا؟" حمید چک کر بولا۔

"اس پلیٹ کا نکلا جس پر بی کو دی تھی۔"
"کیا...؟" حمیداً چھل کر کھڑا ہو گیا۔

"ہاں فرزند...!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اسی پلیٹ کا نکلا جو ڈاکٹر سلمان کے ۲۶
ہوئی تھی۔"

"مگر وہ تو خالی تھی۔"
"تو اس سے کیا ہوا۔ بعض زہر ایسے بھی ہیں جن کا محلول خشک ہو جانے کے بعد بھو
رہتا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"اس پلیٹ میں کسی زہر کا محلول لگا کر خشک کر لیا گیا تھا۔ اگر ڈاکٹر سلمان اس پلیٹ میں
تو ہمیں اس تجربے کا موقع نہ ملتا۔"

"تو اسکا یہ مطلب ہوا کہ کوئی کرتل اور ڈاکٹر دونوں کا خاتمه کر دینے کی کوشش میں لگا ہوا
چلو! تم نے بھی یہی سوچا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "جب تمہارا بھی یہی خیال ہے
عام آدمی تو نہایت آسانی سے دھو کا کھا سکتا تھا۔ اب ذرا یہ سوچو کہ ڈاکٹر سلمان کھانا کھانا
مر جاتا تو کیا ہوتا۔"

"ہمیں اور زیادہ تیز رفتاری سے جھک مارنا پڑتی۔" حمید نے جل کر کہا۔ وہ دراصل یہ
کہ فریدی اسے سب کچھ بتا دے۔

"ٹھیک کہتے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "تمہاری جھک بیچ ماری جاتی کیونکہ تم ڈاکٹر سلام
قریب بیٹھتے ہے۔"

"کیوں؟ اس سے کیا ہوا؟"

"بہت کچھ ہوا حمید صاحب۔" فریدی نے بچھا ہوا سگار سلکا کر کہا۔ "جب وہ اس طر

جے مر جاتا تو اس کی پلیٹ میں پڑے ہوئے کھانے کا تجویز کیا جاتا۔ ظاہر ہے کہ پلیٹ خالی تھی
لئے پورے کھانے کا زہر آکوڈ ہوتا ثابت ہوتا۔ لیکن وہی کھانا تو دوسرے بھی کھا رہے
تھے۔ اس لئے یہ بات ثابت ہو جاتی کہ زہر صرف اسی کی پلیٹ میں ملایا گیا تھا۔ پھر اس کی دو
رنی ہوتی یا تو وہ زہر خود ڈاکٹر سلمان ہی نے ملایا ہوتا یا پھر اس کے قریب کے کسی دوسرے
لانے۔

حیدر جنت سے فریدی کو دیکھ رہا تھا۔ فریدی چند لمحے سگار کے کش لیتا رہا پھر بولا۔
"ہاں تو جناب! اگر ڈاکٹر سلمان اس طرح مر جاتا تو لوگ اس وقت ہرگز یہ نہ سمجھتے کہ وہ زہر
سلمان ہی کے لئے تھا۔"

"کیوں؟ یہ کیوں نہ سمجھتے۔" حمید نے بے چینی سے پوچھا۔ وہ اب بھی بار بار مردہ پلے کی
بُر دیکھنے لگتا تھا۔

"سید ہمیں ہی بات ہے۔" فریدی نے کہا۔ "کھانے سے قبل کرتل دار اب پر جملہ ہو چکا تھا۔
لہیں سمجھتے کہ وہ زہر کرتل ہی کے لئے تھا لیکن دھو کے میں ڈاکٹر سلمان پر تان ٹوٹ گئی۔"
کچھ دیر تک خاموشی رہی، پھر حمید نے پوچھا۔ "پلیٹ کا نکلا جو ڈاکٹر سلمان اس پلیٹ میں
بلہ ہے کہ سارے نکلوے ایک توکر سمیت لے گیا تھا۔"

"لیکن تمہیں یہ یاد نہیں کہ میں اس سے قبل ہی ڈاکٹر کی خیریت دریافت کرنے کے لئے
لکھا طرف جھکا تھا۔"

"اوہ... تو آپ کو پہلے ہی شبہ ہو گیا تھا۔"

"جباب۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔

"شجھے کی وجہ۔"

"وہ اخیر وجہ بھی سن لو۔ وہ بیلی خود نہیں کو دی تھی بلکہ روشنداں سے چینگی گئی تھی۔ میں
چینکن کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔ میں نے وہا تھوں کی ہلکی سی جھلک دیکھی تھی جنہوں نے بیلی کو
نہ جلا کر کھا تھا۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ زہر آکوڈ پلیٹ رکھنے والے کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ جب
الذکر یہ دیکھا کر کوئی دوسرا آدمی اس کا ٹھیکار ہونے جا رہا ہے تو اس نے خود ہی پلیٹ توڑ دی۔"
"بہت کچھ ہوا حمید صاحب۔" فریدی نے بچھا ہوا سگار سلکا کر کہا۔ "جب وہ اس طر

ہے۔ چیاگ بھی اسی قسم کا ایک مجرم ہے۔ وہ خود ہی چاند وہ ناتا ہے اور اسے اپنے مخصوص کے ہاتھ فروخت کرتا ہے اس کی تجارت کا کوئی حصہ دار نہیں! حتیٰ کہ اس کے ملازموں واس بات کا علم نہیں کہ وہ نشیات کی ناجائز تجارت کرتا ہے۔“

”بھر آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔“ حمید نے اتنا کہا۔

”میں کہنا چاہتا ہوں کہ چیاگ کے بیان پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔“

”اور آپ مانا اوز کے حکام کے بیان پر بھی یقین کرتے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”جب تک میرے کیبل کا جواب نہ آجائے یقین کرنا ہی پڑے گا۔“

”کہاں سے جواب آئے گا۔“

”مانا اوز سے۔“ فریدی نے کہا۔ ”فی الحال اس تذکرے کو سینیں چھوڑو۔“

”میں ہر تذکرے کو سینیں چھوڑ دینے پر تیار ہوں لیکن خواہ خواہ بورنہ سمجھ جائے۔“

”آپ جاسکتے ہیں۔“ فریدی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

”سلمان اور کرع میں کیا تعلق ہے۔“

”جو تم میں اور ایک گدھے میں ہے۔“

”میک ہے۔“ حمید سنجیدگی سے بولا۔ ”اچھا۔ زاویہ منفر جہ اور صععتِ حسن تعلیل میں کیا نہیں۔“

”چناناردوں گا۔“ فریدی جھنجلا گیا۔

”چائے کو فنی اصطلاح میں کیا کہتے ہیں۔“

”تمہارا سر! بھاگ جاؤ... ورنہ....!“

ٹیلی فون کی گھٹی بجھنگی۔ فریدی نے جملہ ادھورا چھوڑ کر رسیور اخالیا۔

حمدی نے محسوس کیا کہ فون پر گفتگو کرتے وقت فریدی کے چہرے پر کبھی تحریر کے آثار پیدا

جائے اور کبھی تھکر کے اگفتگو طویل تھی۔ آخر کار فریدی نے رسیور رکھ کر ایک طویل سانس

اور اب اس کے چہرے سے شدید قسم کی بے چینی ظاہر ہو رہی تھی۔

”چیاگ کو کسی نے قتل کر دیا۔“ اس نے حمید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”چیاگ کو۔“ حمید حیرت سے بولا۔ ”مکب۔“

”ابھی ہم مطلب نہیں اخذ کر رہے ہیں۔“ فریدی نے خنک لمحے میں کہا۔
”تو پھر کیا بات ہو سکتی ہے۔“

”یہی دیکھنا ہے! ویسے اب تم ڈاکٹر سلمان کا دہ بے تکا جواب یاد کرو، جو اس نے پلزیر کے بعد کرٹل کو مخاطب کر کے کہا تھا۔“

”مجھے یاد نہیں۔“

”اس نے کہا تھا کہ اس ملی نے کس کا راستہ کاٹا۔“

”ہاں! کہا تو تھا۔“ حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔

”اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہوٹل ڈی فرانس والے معاملے میں وائگ کا ہاتھ تھا اور یہ بھی یاد ہو گا کہ اس حادثے کا شکار ہونے والا زیریں کو ڈاکٹر سلمان کے متعلق کچھ بتانا پا ہتا۔ حمید فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس نے چند لمحے بعد کہا۔

”تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر سلمان ہوٹل ڈی فرانس والے حادثے کے متاثر

کچھ جانتا ہے۔“

”ابھی میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔“ فریدی نے کہا اور دوسرا سگار سلاگا نے لگا۔

پھر اس نے نوکر کو آواز دی اور اس سے کمرے سے ساری چیزیں ہٹانے کو کہا۔
نوکر کو کٹے کے پلے کی لاش دیکھ کر حیرت نہیں ہوئی کیونکہ وہ آئے دن اس م تجربات سے دوچار ہوتا تھا۔ تجربوں ہی کے لئے فریدی نے سانپ تک پال رکھے
دوسرا سے حیوانات کا ذخیرہ بھی قریب قریب اسی مقصد کے لئے تھا۔

”اب تو مجھے کرٹل سے زیادہ ڈاکٹر سلمان میں دچکی لئی پڑے گی۔“ فریدی نے تھوڑا

بعد کہا۔ ”تمہیں چیاگ کا بیان توباد ہی ہو گا۔“

”یاد ہے۔“ حمید بولا۔ ”لیکن اس کی کوئی سند نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ وائگ اور کرٹل

ساتھیوں میں سے ہو۔“

”نہیں۔“ فریدی نے خود اعتمادی کے ساتھ کہا۔ ”چیاگ کا تعلق ان لوگوں سے نہیں

بھی نشیات کی ناجائز تجارت کرتا ہے لیکن کسی گروہ سے ملک نہیں۔ اس معاملے میں“

سے چالاک رہا ہے۔ وہ مجرم جو کسی پر کبھی بھروسہ نہیں کرتا بڑی مشکل سے قانون کی گرفت

”پچھہ دیر قبل! مریش کا فون ہے۔ اسے میں نے چیانگ کی گرفتاری کے لئے مقرر کیا تھا، لی گئی، بہر حال ہم جب یہاں پہنچے تو اندر سنا تھا در بابر بھیڑ تھی۔ پھر جیسے ہی ہمارے ایک تھوڑی دیر بعد حیدر اور فریدی پھر باہر آ رہے تھے۔ راستے پھر دونوں خاموش رہے، مرنگوں کی روشن قریب قریب ختم ہو گئی تھی۔ کیونکہ ساڑھے بارہ کا عمل ہو چکا تھا۔ لیکن پھر کسی نے دروازہ کھونے کی ہمت نہیں کی۔ چینی ریستوران کے سامنے اب بھی کافی بھیڑ تھی اور اس بھیڑ میں سرخ پگریاں بھر جکھ مارتے رہو گے۔“

فریدی اور حیدر کو ریستوران میں داخل ہونے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ کوتوالا انہی اسپکٹر جگد لیش اندر تھا۔ اس کے چہرے پر سراہیگی کے آثار تھے اور حیدر پر بھی پچھے کم پور جواہ طاری ہوئی۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ چیانگ کے ہاتھ میں کافی آدھ انچ کا فرق ہو تو ہو۔۔۔ اور حیدر صاحب ہوئی ہے۔ جگد لیش اور اس کے ساتھیوں کی بیت کذائی بھی قابل دید تھی۔ انہوں نے کہا یہ میزیں الٹ کر اگلی آڑ لے رکھی تھی اور ان کے ریو اور ایک بند دروازے کی طرف اٹھنے ہوئے ہیں۔ ”ادھر آجائیے۔“ جگد لیش فریدی کو دیکھ کر چھا۔ ”وہ اندر موجود ہے۔ ہمارا ایک آدمی شکار ہو گیا۔“

فریدی نہایت اطمینان سے چلتا ہوا اس المٹی ہوئی میز کے قریب پہنچا جس کے پیچھے جگد اور اس کے دوساری تھی۔

”میرے خیال سے اس کی ضرورت ہی نہ پیش آئے گی۔“ فریدی پچھے سوچتا ہوا بولا۔ حیدر نے ایک میز الٹ دی اور جگد لیش کا ریو اور ہاتھ میں لے کر میز کو آگے کی طرف بیٹھا ہوا دروازے کی سمت بڑھنے لگا۔

”بے فکری سے بڑھتے رہو۔“ فریدی نے کہا۔ ”دروازہ اندر سے بند نہیں ہو گا۔“ ”یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔“ جگد لیش نے کہا۔ ”ادھر آجائیے۔“ ”ابن دیکھتے رہو۔“ فریدی لاپرواٹی سے بولا اور سگار سلاکنے لگا۔ ریستوران کے باہر لوگوں کو تارا بڑھتی جا رہی تھی۔ لیکن دروازے پر کھڑے ہوئے کا نشیل کسی کو اندر نہیں آنے دیتے، البتہ سامنے کی بھیڑ ہٹانے سے وہ قادر ہے تھے۔

حیدر کھلکھل کر بند دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ پھر اس نے میز کے پائے دروازے سے اڑا پکڑ دروازہ کھلکھل کر ایک فائر ہوا۔

کھل کر اسنے کی دیوار سے تکرائی اور حیدر اچھل کر پیچے ہٹ آیا۔ اس پر گل دار دروازہ پھر بند ہو گیا۔ ”ڈونٹیں۔“ فریدی نے آواز دی۔ ”زرایہ دروازہ پھر کھولنا۔“

بیک وقت پانچ چھوٹ فائر ہوئے اور شیشے کے پچھے برتن ٹوٹ کر فرش پر آ رہے۔ ”وہاں چیانگ کے علاوہ اور کوئی نہیں جاتا تھا۔“ جگد لیش بولا۔ ”یہ اس کے فوکروں نے ہے۔ ایک گھنٹہ قبل کی بات ہے کہ چیانگ نے اندر جانے کے لئے دروازہ کھولا! اس ایک فائر اور گولی اس کی پیشانی پر پڑی اور وہ الٹ کر ادھر آگرا۔ اس کی اطلاع ہمیں آپ ہی کے ایک آڈا

”ادھر آجائیے۔“ جگد لیش مضطربانہ انداز میں بولا۔

”وہ دوسری طرف سے نکل گیا ہو گا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”ادھر کوئی راستہ نہیں۔“ جگد لیش نے کہا۔ ”ادھر آجائیے۔“

”اوہ نہ!“ فریدی ہونٹ سکوڑ کر میز کی اوٹ پر بیٹھ گیا۔ حیدر نے بھی اس کی تقیید کی۔

”وہ چیانگ کا پرائیویٹ کرہے ہے۔“ جگد لیش نے کہا اور پھر اپنے ساتھیوں سے بولا۔ ”ادم خیال رکھنا ایک راؤٹ اور چلاو۔“

حید نے میر آگے کی طرف کھکھائی۔ دروازہ پھر کھل گیا۔ پھر فائزہ ہوا اور گول دیوار اسی جگہ گلی جہاں پہلے گلی تھی۔

”بس ٹھیک ہے ہٹ آؤ۔“ فریدی نے کہا۔

حید لوٹ آیا۔ لیکن وہ ٹوٹ لئے والی نظروں سے فریدی کو دیکھ رہا تھا۔

”ہاں تو جد لش صاحب۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”تمہیں مایوسی تو نہیں ہوئی۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ جد لش نے بے بی سے کہا۔

”خر مطلب بھی سمجھائے دیتا ہوں۔“ فریدی نے کہا اور انھوں کو دروازے کے قریب اس نے آڑ کے لئے کسی میز یا کسی چیز کا سہارا نہیں لیا تھا۔ دروازے کے سامنے کھڑے جد لش کی طرف مڑا۔

”جد لش صاحب۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔ ”اندر والا گونگا تو نہیں لیکن ہمارا بذرور نے اب بھی دروازہ اندر سے بند نہیں کیا ہے۔“

جد لش نے کوئی جواب نہیں دیا وہ اور اس کے ساتھی حیرت سے منہ کھولے فریدی رہے تھے۔ فریدی نے جھک کر دروازہ کھولا۔ تیرا فائزہ ہوا اور گولی اس کے سر سے تھی۔ فٹ کی اوپرچاری سے گزر گئی اور ٹھیک اسی جگہ گلی جہاں پچھلی دو گولیاں گئی تھیں۔ فریدی دروازہ بند ہو گیا۔

بھیانک رات

دوسرالمحظہ حد درجہ سمنی خیز تھا۔ فریدی کے عقب میں دروازہ بند ہو چکا تھا اور اندر قسم کی آواز نہیں آرہی تھی۔ اور جد لش اور اس کے ساتھیوں کو سکتہ سا ہو گیا۔ ان کو دروازے پر تھی ہوئی تھیں۔ حید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔

و فعتاد روازہ کھلا اور پھر گولی چلی لیکن کوئی سامنے دکھائی نہ دیا۔

”جد لش اور حید اندر آجاو۔“ فریدی کی آواز سنائی دی لیکن لہجہ قطعی پر سکون تھا۔

جد لش نے حید کی طرف دیکھا۔

”آؤ...!“ حید دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

وہ دونوں اندر داخل ہو گئے لیکن فریدی کا کہیں پڑے نہیں تھا۔ دونوں یوکھلا کر دروازہ کی مرف پڑے۔ دروازہ بند ہو چکا تھا اور فریدی سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

”تھہارا محروم!“ اس نے کہا اور سگار سلاگا نے لگا۔ پھر دھوئیں کے مرغولے چھوڑتا ہوا بولا۔ ”مجھے انہوں ہے کہ تم اسے کوئی سزا نہ دے سکو گے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہیں اپنے ہی منہ پر تھہر لانے پڑیں۔“

”مجھے الجھن میں نہ ڈالتے۔“ جد لش نے بے بی سے کہا۔ ”چلو اور ہر دیوار سے الگ کر کھڑے ہو جاؤ۔“ فریدی نے دونوں سے کہا۔ پھر وہ تینوں دروازے کے قریب دیوار سے الگ کر کھڑے ہو گئے۔

”اب اُدھر بائیں طرف والی دیوار پر دیکھو جہاں تین کھونیاں لگی ہوئی ہیں۔ نیچے والی کھونٹی پر نظر کفنا۔“

فریدی کے دروازہ کھولتے ہی فائزہ ہوا۔ نیچے والی کھونٹی سے دھوئیں کی پتلی سی لکیر نکل کر بل ماڑی تھی۔

”میرے خدا۔“ جد لش ٹھوک نگل کر منہ چلانے لگا۔ اس بار فریدی نے دروازے میں اس اپر لگادیا اور وہ کھلا ہی رہا۔

”آؤ...!“ فریدی مسکرا کر طنزیہ لجھے میں بولا۔ ”یہی وقت کار گزاری کا ہے۔“

”وافر مقدار میں تاجرانہ مشیات میں گی۔ چاندنو۔ انیوں۔ کو کین اور چرس وغیرہ۔“

”کیا چیاں گے اس سے نادا قتف تھا۔“ جد لش نے کھونٹی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”یہ تو کسی طرح ممکن ہی نہیں۔“ فریدی بولا۔ ”یہ کوئی ایک دو گھنٹے یا ایک دو دن کا کام تو ہو نہیں سکتا کہ چیاں گے کی لامی میں ہو گیا ہو۔“

”تو اس کا یہ مطلب کہ اس نے خود کشی کی۔“ حید بولا۔

”یہ بھی نہیں کہا جاسکتا۔“ فریدی نے کہا۔ ”اس کمرے میں تقریباً ایک پاؤ ٹھا اسٹر ایچپن سے لگا موجود ہے۔ اگر اسے خود کشی ہی کرنا ہوتی تو وہ اسے استعمال کرتا۔ چینی فطرت سکون پسند ہستے ہیں۔ خود کشی کے لئے شاذ و نادر ہی آتشکیر اسلئے استعمال کرتے ہیں۔“

”تو پھر اسے کیا کہا جائے۔“ حمید آکتا کر بولا۔

”اتی جلدی کیوں ہے۔“ فریدی نے کہا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ وہ دونوں بھی یہ آگئے۔ باہر مجھ شور چمار ہاتھا۔

”اس بھیڑ کو بیہاں سے ہٹاؤ۔“ فریدی نے جگدیش سے کہا۔

کاشیبل کی موت کی وجہ سے بڑی سُنْتِی پھیل گئی تھی۔ لیکن جب بقیہ لوگوں کو خود پر چلنے والی گولیوں کا حال معلوم ہوا تو ان کے چہرے لٹک گئے۔

رسیتوران کے سامنے سے بھیڑ ہنادی گئی تھی۔ لیکن لوگ منتشر نہیں ہوئے تھے۔ تھوڑی

دور ہٹ کر وہ پھر ایک جگہ اکٹھا ہو گئے تھے۔

اس وقت فریدی اور حمید تھا ایک گوشے میں کھڑے تھے اور جگدیش چیاگک اور مقتول کاشیبل کی لاش اٹھوانے میں مشغول تھا۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر غنکنیس ابھری ہوئی تھیں۔ اچاک وہ حمید کو مخاطب کر کے بولا۔

”یہ انتظام بہت پرانا معلوم ہوتا ہے۔ شاید چیاگک ہی نے اسے بنایا ہو۔۔۔ لیکن آج ہی اسے کسی دوسرے نے چیاگک کی ناداقیت میں استعمال کیا ہے۔“

”لیکن مقصد کیا ہو سکتا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”اگر ڈاکٹر سلمان والے واقعے کو اس سے غسل کر دو تو مطلب صاف ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اس نے ڈاکٹر سلمان کے متعلق ایک اسی اطلاع بھی پہنچائی تھی جو عام اطلاعات سے مختلف تھی۔۔۔ اور وہ آدمی جو ہوش ڈی فرانس میں جل مر اتنا وہ بھی ڈاکٹر سلمان ہی کے متعلق کوئی خاص بات بتانا چاہتا تھا۔“

”آخر اتنا اولاد ہم مچانے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ لوگ ڈاکٹر سلمان کا بھی خاتمہ کر سکتے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”ابھی کچھ دری قبل اسی کی کوشش کی گئی تھی۔“ فریدی بولا۔ ”لیکن اس ملی نے۔۔۔ نہ شہر واہمیں چیاگک کے ملازموں سے ضرور گفتگو کرنی چاہئے۔“

رسیتوران میں کام کرنے والے پانچ آدمی باہر موجود تھے اور یہ سب مقامی باشندے تھے۔ فریدی نے کافی دیر تک ان سے گفتگو کی اور نتیجے کے طور پر اسے چند باتیں معلوم ہوئیں۔ بیلنا ذ

کہ چیاگک اس کمرے کو خواب گاہ کے طور پر استعمال کرتا تھا۔ وسری بات یہ کہ چیاگک کے لارہ اس کمرے میں کوئی نہیں جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ان فوکروں میں سے بھی کسی نے آج تک اس کی محل نہیں دیکھی تھی۔ چیاگک اپنے ملاتا تیوں کو بھی وہاں نہیں لے جاتا تھا۔ آخری بات بے زیادہ اہم تھی۔ انہوں نے بتایا کہ آج دوپھر کو ایک لمبا اور بلا پتلا انگریز چیاگک کے پاس یا گھاوار نہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ چیاگک اُسے اپنے سونے کے کمرے میں لے گیا حالانکہ وہ پہنچا تیکی کو وہاں نہیں لے جاتا تھا۔ اور وہ انگریز فوکروں کے لئے بالکل اجنبی تھا۔ انہوں نے ہے دہاں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

جگدیش نے ایک ایک کر کے ملازموں کے بیانات قلمبند کرنے شروع کر دیئے تھے۔ واپسی سے قبل ایک بار پھر فریدی نے چیاگک کے کمرے کا گھر اجاگھہ لیا۔ لیکن وہ حمید یا جگدیش کے کسی وال کا جواب نہیں دے رہا تھا۔ ان دونوں نے بھی تھک ہار کر خاموشی اختیار کر لی۔

بہر حال حمید کے لئے یہ ایک ناکام ترین سفر تھا۔ واپسی پر اس نے فریدی سے کچھ نہیں چھال۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کا ذہن نیند کے دباؤ سے بو جمل ہوتا جا رہا تھا۔

سرکیں بالکل سنسان ہو گئی تھیں اور ابھی ابھی اطراف کے کسی کلاک ٹاور نے دو بجائے غم۔ فریدی کی کیڈی لاک کر ٹھیں دارا ب کی کوئی کی طرف جا رہی تھی۔ حمید اوگھے رہا تھا اور بڑی کے ماتھے پر گھری سلوٹیں تھیں۔

”لیا سو گئے ہو۔“ فریدی نے اسے ایک ہاتھ سے بھنجوڑا۔

”نہیں سر گیا۔“ حمید حلقوں پھاڑ کر چینا۔ ”بیٹھے بیٹھے بھی نہیں سونے دیتے۔“

”بیٹھے بیٹھے تمہیں دفن کر دوں گا۔“

”وہ ٹھکی دیتے ہیں!“ حمید پھر حلقوں پھاڑ کر چینا۔

”یہ کیا بیہودگی ہے۔“

”بیہاں تو اپنی شرافت بھی بیہودگی ہو جاتی ہے۔“ حمید جھنجھلا کر بولا۔ ”میں آپ سے ہرگز باہم گھوں گا کہ آپ اس وقت کہاں جا رہے ہیں۔“

”میں ہرگز نہ بتاؤں گا کہ فی الحال ہم ایک بار پھر کر ٹھیں کی کوئی کی طرف جائیں گے۔“

”لٹکی کہا۔“ ویسے یہ بات بھی تم پر ظاہر کر دوں کہ تم حقیقتاً تم گئے ہو اور اب تم باتیں بنا نے

کی بھی سکت نہیں رہ گئی۔ یہ اور بات ہے کہ اب بھی عاد خاد و سرود کو ہنسانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ایک آلتائے ہوئے بھاٹ کی طرح۔“

اور میں بھی آپ سے عرض کروں فریدی صاحب کہ آپ بالکل بجھ کر رہے گئے ہیں۔ اب اگر آپ اردو میں عشقی شاعری شروع کر دیں تو زیادہ بہتر ہے گا۔“

”تم کام چور اور نکھلے ہو گئے ہو میرے نجکے کواب تمہاری ضرورت نہیں اگر تم خود ہے شرافت سے امتحان نہیں دے دو گے تو میں تمہیں نکلوادوں گا۔“

فریدی نے یہ بات سمجھی گی سے غصیلے لمحے میں کہی تھی۔ حمید نے ایک بار اسے آنکھیں پڑ کر دیکھا اور اس کی نیند رفع ہو گئی۔ اسے فریدی کے اس جملے پر بچھ چھ غصہ آگیا تھا۔

”جہنم میں گیا آپکا نجکے! سوار لعنت ہے ایسی زندگی پر میں اسکی اور اسی وقت استغفار دوں گا۔“

”میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔“ فریدی کے لمحے میں جھلاہٹ تھی۔

”میں بھی جھک نہیں مار رہا ہوں۔“ حمید نے بھی اسی لمحے میں کہا۔

”حکمازی سے اُتْر جاؤ۔“

”ہزار بار لعنت ہے اس گاڑی پر۔“ حمید غصے کی وجہ سے آگے نہ کہہ سکا۔ اچاک فریدی نے قہقهہ لگایا اور اس کی طرف جھک کر آہتہ سے بولا۔ ”نیند کہاں گئی فرزند؟“

حمدیری طرح حسین پ گیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے منہ پر تھپڑ لگائے۔ اب یہ بات اس کی سمجھ میں آئی کہ فریدی نے اس کی غنوگی ختم کرنے کے لئے اسے غصہ دلایا تھا۔

”میں خواب میں بربوار رہا تھا۔“ اس نے بڑی ڈھنائی سے کہا اور فریدی ہنسنے لگا۔

وہ کرٹل دار اب کی بھی کے قریب بیخی رہے تھے۔ فریدی نے کیڈی روک دی اور دوسری اُتکر پیدل کو بھی کی طرف چل پڑے۔

”یہ بھی بڑی اچھی بات ہے کہ کرٹل کو کٹتے پالنے کا شوق نہیں۔“ حمید نے کہا۔

”ایسا کبھی مت سوچنا۔“ فریدی بولا۔ ”اس کے پاس چار خونخوار کرتے ہیں۔“

”لیکن ادھر آنے کا مقصد کیا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”بھی میں گھیں گے۔“ فریدی نے کہا۔

”اور آپ چار عدد خونخوار کتوں کے وجود کے بھی قائل ہیں۔“ حمید نے جیرت سے کہا۔

کو بھی کا چھاٹک تقریباً سو گز کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔ اچاک ایک کار ان کے قریب سے ملزی اور ٹھیک چھاٹک کے سامنے رک گئی۔ فریدی اور حمید جہاں تھے وہیں ٹھہر گئے۔ کار سے ایک طویل القامت آدمی اتراء۔ تاروں کی چھاؤں میں وہ صاف نظر آ رہا تھا لیکن اتنی روشنی نہیں تھی کہ اس کا چہرہ دیکھا جاسکتا۔ چھاٹک کے قریب جا کر اس نے کوئی چیز کم پوچھ کر اور چھکنی اور کہتے بھوکنے لگے۔ پھر وہ تیز رفتاری سے کار کی طرف واپس آیا اور پائیداں پر ایک پیر رکھ گریٹ سلاکانے کے لئے جھکا۔ جیسے ہی اس کے چہرے پر دیا ملائی کی روشنی پڑی۔ حمید چونکہ پڑلیہ کوئی انگریز تھا لیکن اس کا چہرہ کسی زندہ آدمی کا چہرہ نہیں معلوم ہوا تھا۔ گالوں کی ہٹیاں بد ناہوئے کی حد تک ابھری ہوئی تھیں اور گال بیٹھے ہوئے تھے۔

گریٹ سلاک کر دے کار میں بیٹھ گیا اور کار چل پڑی۔ اب فریدی اور حمید اپنی کار کی طرف ہاگ رہے تھے۔ انہوں نے کرپ سول جوتے پہن رکھے تھے ورنہ ان کے قدموں کی آوازیں ”ورور تک پھیلتیں۔“

انہوں نے اپنی گاڑی کے قریب بچپنے میں درینہ کی۔ حمید نے پلٹ کر دیکھا آگے جانے والی کالکی میل لائٹ کسی ڈوبتے ہوئے ستارے کی طرح دھنڈی ہوئی جا رہی تھی۔ فریدی کی کیڈی لائل اس کے تعاقب میں تیز رفتاری سے آگے بڑھنے لگی۔

”اس کا حلیہ۔“ حمید بولا۔ ”چیانگ کے نوکروں کے بتائے ہوئے ہلنے سے مختلف نہیں معلوم ہوتا۔“

”ہوں!“ فریدی کا مختصر ترین جواب تھا۔ وہ کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ”یہ بات نوکر بھی نہیں بتا سکے کہ چیانگ اس انجمنی کے چلے جانے کے بعد بھی ایک آدھ بار ال کر سے میں گیا تھا یا نہیں۔“

”کیوں! اس سے کیا۔“

”عقل کے ناخن لو صاحبزادے۔ یہ ایک اہم ترین لکھتہ ہے۔ ظاہر ہے کہ چیانگ نے اس کرس میں وہ سب کچھ اپنی موت کے لئے انہیں بنایا تھا۔ اس کا مقصد دراصل یہ تھا کہ اگر کوئی اس کو ناڈانگی میں وہاں داخل ہونے کی کوشش کرے تو اس کا خاتمہ ہو جائے لہذا وہ جب چاہتا رہا ہوا کامیکنزیم کو کار آمد بنا لیتا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ خود ہی دھو کے میں اس کا شکار ہو گیا ہو۔ اس

اگر یہ کے متعلق بھی تو سوچا جاسکتا ہے کہ اس نے چینگ کی نادانگی میں اس کی مشین کا سونک کر دیا ہوا گا لیکن اگر چینگ اس کے چلے جانے کے بعد بھی رات سے قبل ایک آدھ مرتبہ کمرے میں گیا ہوا تو یہ خیال غلط ہو جاتا ہے۔

آگے والی کار تار جام کی سڑک پر مرتگی۔ فریدی نے آبڈی کی ہیڈ لائنس بجھادی تھیں آگے والی کار کی ٹیل لائست کے سہارے چل رہا تھا۔ سڑک دیسے ہی سنان پڑی تھی اس لئے لائنس بجھادی نے کے بعد کوئی خاص دشواری پیش نہیں آئی۔

حید او ٹھگتارہا اور کیڈی ریگنی رہنی۔ بات یہ تھی کہ تار جام والی سڑک پر مرتے ہی انگلی کا رفتار کم ہو گئی تھی لہذا فریدی کو بھی کیڈی کی رفتار کم کر دینی پڑی۔ پچھلے پہر کی ملکجہ اندر میں دونوں کاریں آگے بڑھ رہی تھیں اور چاروں طرف اتھاہ سنا تھا۔ اچانک اگلی کار کی رفتار زیادہ تیر ہو گئی۔ فریدی بھی گیر بد لئے ہی جا رہا تھا کہ اس نے قریب ہی ایک نوافی چینی عورت متواتر تھی رہی تھی۔ ”پچاؤ... پچاؤ... پچاؤ۔“

حید بھی بوکھلا کر سیدھا ہو گیا۔

”روکئے تار۔“ حید نے ڈیش بورڈ پر ہاتھ ڈال دیا۔ چینیں بدستور جاری تھیں۔

فریدی نے کیڈی روک دی۔ آگے والی کار کی ٹیل لائست اندر میں غائب ہو چکی۔ وہ دونوں کیڈی سے اتر گئے۔ سامنے کھالی کاطولی و عریض میدان اندر میں ڈوبا ہوا پڑا۔ کچھ دور پر کسی عورت کی دھنڈلی پر چھائیں اچھل کو درہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ چینی بھی ہو رہی تھیں۔

فریدی نے نارج نکالی۔ دوسرا الحج انجائی تھیں کن تھا۔ روشنی کے دائے کی زد میں جوان العمر عورت اچھل اچھل کر اس طرح جیخ رہی تھی جیسے اسے ذہن کیا جا رہا ہو۔ آس پار دور دور تک کسی کا پتہ نہیں تھا۔ چاروں طرف تاریکی اور سانس کار ارج تھا اور چینی بھی تاریک سانس کا ایک جزو معلوم ہو رہی تھیں۔

حید کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سانس ہی کی چینیں ہوں۔ نہ جانے کیوں! اس وقت کے میدان کا سانس اسے بڑا بھول معلوم ہو رہا تھا۔

”کیا معاملہ ہے۔“ حید آہستہ سے بڑا بھول۔ پھر زور سے چینا۔ گرے تو چینی کیوں ہو جاگ آ۔

”خابوش رہو۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔

”تمال کرتے ہیں آپ بھی پتہ نہیں کہ صیبیت میں بیچاری بھلا کے۔“ حید نے کہا اور پچھے بونچے بغیر عورت کی طرف دوڑ پڑا۔ فریدی اسے آذازیں ہی دیتا رہ گیا۔

”لیکن حید!.... جیسے ہی وہ عورت کے قریب پہنچا پہلے تو وہ زمین سے تمن فٹ کی بلندی پر نہ ہو گیا پھر دھم سے زمین پر گر پڑا۔ اس کے بعد وہ بھی اسی عورت کی طرح اچھل کو درہا تھا اس کے منہ سے چینیں تو نہیں نکل رہی تھیں لیکن وہ بڑے سہے ہوئے لجھ میں ”ارے!“ کر رہا تھا۔

”حید!....!“ فریدی نے اسے آواز دی۔

”اوہر.... ارے.... آبے.... ہش.... ہش.... ادھر مت آئیے۔“ حید اچھلتا ہوا چیخا۔

فریدی خود بھی کچھ بوکھلا سا گیا تھا۔

”کیا بات ہے۔“ اس نے آواز دی۔

”بات.... ارے تیری کی!.... ارے ارے.... پتہ نہیں.... ہونہہ.... ہونہہ۔“

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اس بنے اپنی فلک ہیئت اتار کر اس طرف اچھال دی۔ وہ اُن دونوں کے قریب جا کر گری.... اور اس وقت تو فریدی کی حیرت کی انتہا رہی جب اسے یہ دیکھا کہ اس کی ہیئت بھی ان ہی دونوں کی طرح اچھلنے لگی ہے۔

عورت اب صرف اچھل رہی تھی اور اس کی چینیں بند ہو گئی تھیں۔ حید تو ”ارے ارے“ لڑتا رہا گیا تھا۔ ویسے فریدی محسوس کر رہا تھا کہ اب وہ بھی ست پڑتا جا رہا ہے۔

اگر فریدی کی ہیئت نہ اچھل رہی ہوتی تو شاید وہ اسے مذاق سے زیادہ اہمیت نہ دیتا اور اس عالم اکھل کے میدان کا پتہ ہوں سانس۔ خود فریدی کی ریڑھ کی بندی میں ایک ٹھنڈی سی لہر دوڑ گئی۔ ملک بکھر میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کا گل اقدم کیا ہوا ناچاہئے۔ اس وقت اس کے ذہن میں لا تعداد ملنا ایک دوسرے سے الجھ کر رہ گئی تھیں، دفعتاً بیچھے سے اس کے سر پر کوئی وزنی چیز گری۔

”مجھا نہیں.... جھائیں۔“ گرنے سے قبل ہی دوسری چوٹ.... اور پھر کھالی کے میدان کا بال اندر قبر کی تاریکی میں تبدیل ہو گیا۔

فریدی نہ جانے کب تک بیہوش رہا اور پھر جب اسے ہوش آیا تو اجلا اچھل پکا تھا اور وہ اپنی

زیدی رک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”بھی سر نیچے ہو گا اور ناٹکیں اوپر...!“ حیدر سے روکنے کے لئے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔
”وہ ظلم سامنے غالب اب ختم ہو چکا ہے۔“ فریدی مکرا کر بولا۔
اور حیدر نے دیکھا کہ فریدی ٹھیک اسی جگہ پر کھڑا ہے جہاں وہ ”اچھل کوڈ“ میں بٹلا ہو گیا
فہ حیدر نے بھی ڈرتے ڈرتے قدم بڑھائے اور فریدی کے پاس پہنچ گیا۔
”اب تو معاملہ ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔“ حیدر بولا۔

فریدی جھک کر زمین پر کچھ دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر سیدھا ہو گیا۔ اس کی مجسم
ہائی گردو پیش کا جائزہ لے رہی تھیں۔ دفتار کی خاص چیز نے اس کی توجہ اپنی جانب سے مبذول
لال وہ تین چار قدم آگے بڑھ کر جھکا۔ حیدر نے اسے کچھ اٹھاتے دیکھا۔
یہ ایک طلاقی ہیئت کلپ تھا جس کے درمیان میں پھول کی شکل میں تین ہیرے جگہا رہے
تھے۔ فریدی اسے اپنے چہرے کے قریب لے کر بغور دیکھ رہا تھا۔ اچانک اس کے منہ سے ایک
تلکی آواز نکلی اور وہ معنی خیز نظرؤں سے حیدر کی طرف دیکھنے لگا۔

”لیا وہ! کر غل کی لڑکی نادرہ تھی۔“ فریدی نے پوچھا۔

”کون.... اوہ.... وہ۔“ حیدر یوں کھلا کر بولا۔ ”کیوں؟“

”جو میں پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔“

”انتا سمجھنے بوجھنے کا ہوش کے تھا۔“

”ہوں تو گوئی قیامت آگئی تھی۔“ فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

”تی کیا فرمایا آپ نے! حضرت اگر میری جگہ ہوتے تو پتہ چلتا۔“

”مجھے تم سے ایسی غیر سنجیدگی کی توقع نہیں تھی۔“ فریدی نے کہا۔

”کیا؟“ حیدر منہ پھاڑ کر بولا۔ ”خدا کی قسم سر پھوڑ لوں گا اپنا۔ کیا آپ نے اپنی ہیئت کا انعام
نکل دیکھا تھا۔“

”میا تمہیں کچھ دکھائی دیا تھا۔“

”وجودہ طبق روشن ہو گئے تھے.... سجان اللہ۔“

”اُرے تو پچھے کوئے بھی۔“

کار کی پچھلی سیٹ پر پڑا تھا۔ حیدر اگلی سیٹ پر سے جانے بیویش پڑا تھا یا سورہ تھا۔ فریدی اس پر جو
ہی رہا تھا کہ اسکی نظر ڈیش بورڈ کے آئینے پر پڑی اور وہ چونکہ پڑا۔ اسکے سر پر پی بندھی ہوئی تھی
”حیدر....!“ اس نے حیدر کو چھینھوڑا۔ اور حیدر ”اُرے اُرے“ کرتا ہوا بکھلا کر اٹھ ڈیا
”ہائیں....!“ اس نے چاروں طرف دیکھا اور آنکھیں ملنے لگا۔

”چلوادھر ہو۔“ فریدی نے اسے اسٹرینگ کے سامنے سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ اس کی نظر
اس کا نذر کے نکلے پر جبی ہوئی تھیں، جو اسٹرینگ سے چپکا ہوا تھا۔

”میرے پچھے۔“ اس نے کاٹنڈ کی تحریر بلند آواز میں پڑھی۔ ”پچھے راز ایسے بھی ہیں جن کا
ہی رہنا بہتر ہے۔“

حیدر بھی جھک کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے احقوں کی طرح فریدی کی طرف مڑ کر کہا
”بڑی کچی بات ہے.... خدا کی قسم مجھے حرمت ہے کہ میں زندہ کیسے ہوں۔“

”بکومت....!“ فریدی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

وہ کیڈی سے باہر آگیا۔ اب غالباً وہ اس جگہ کا اندازہ لگا رہا تھا جہاں اس نے حیدر اور
نامعلوم عورت کی اچھل کوڈ دیکھی تھی۔

اور وہ خط

حیدر فریدی کے سر پر بندھی ہوئی پئی کو دیکھ رہا تھا۔ یا کہ پچھلی رات کی یادوں کے وہ
کے نتوش اس کے ذہن کی سطح پر اُبھرنے لگے۔ اُسے یاد آ رہا تھا کہ اس نے اس وقت فریدی کی
غصیل آواز سنی تھی۔ جب خود اس کا ذہن آہستہ آہستہ بیویشی کی دلدل میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ اُسے
فریدی کے ساتھ رہتے ہوئے کئی سال ہو چکے تھے اور وہ اس کے عادات و اطوار سے بخوبی واقف
تھا۔ اس نے اس کی مخصوص قسم کی غصیل آواز سنتے ہی اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ شاہزاد فریدی کا
کی نے حملہ کیا ہے۔

”دیکھئے! اُدھر کہاں جا رہے ہیں۔“ حیدر چینا۔ فریدی اسی مقام کی طرف جا رہا تھا جہاں پہنچا
رات اُسے ایک حرمت اُنیز تجربہ ہوا تھا۔

”اپنی فلکت بہیت سے پوچھ لجھے۔“

”جہنم میں جاؤ۔“ فریدی نے کہا اور پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

”سیاہی نادرہ کا ہے۔“ حمید نے ہیر کلب کی طرف دیکھ کر کہا۔

”ختم کرو یہ قصہ۔“ فریدی کیڈی لاک کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

”یہ آپ کے سر پر پٹی کسی بندھی ہوئی ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

فریدی نے کوئی جواب دیئے بغیر کیدی اسٹارٹ کر دی۔ وہ شہر کی طرف واپس جا رہے تھے
حمدی نے سوچا کہ فریدی کسی بات کا جواب نہ دے گا۔ لہذا وہ خود ہی بڑھانے لگا۔

”میری زندگی میں یہ پہلا تجربہ تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی پر اسرار قوت مجھے اچھا اچھاں کر رہا تھا۔ ایسا مطلع کر دیا تھا لیکن سوال تو یہ ہے کہ انہوں نے ہمیں زندہ کیوں چھوڑ دیا۔ یہی
چیزوں پر یقین نہیں رکھتے لیکن میرا دعویٰ ہے کہ اگر آپ پہنچنے ہوتے تو فرنٹوٹ جاتا۔“

”فوق الفطرت کہتے ہیں، حالانکہ حقیقتاً وہ بالکل معمولی ہوتی ہیں۔“

”ذرا فرمائیے گا.... وہ کون ہی معمولی چیز تھی، جو مجھے اپر کی طرف اچھال رہی تھی۔“

”تمہیں کسی قسم کی مشینی قوت اچھال رہی تھی۔“

”آپ کو تمیں کے خواب آنے لگے ہیں۔“ حمید نہ پڑا۔

”میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ تم پچھلی رات کو تاروں کے ایک جال پر اچھل کو درہ بنے
اور اس جال کا تعلق کسی مشین سے تھا۔“

”جال....!“ حمید حیرت سے بولا۔ ”کیا وہ پچھلی رات آپ کو دکھائی دیا تھا۔“

”نہیں میں نے اس وقت اس کے نشانات دیکھے ہیں۔ کہاں کی زمین ملائم ہے۔“

”اور وہ عورت۔“

”میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کون تھی۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”ویسے یہ ہیر کلب
فیصلی نادرہ ہی کا ہے۔ کل رات اس نے اُسے اپنے بالوں میں لگا کر کھاتا۔ اس کی پشت پر اس کا
بھی موجود ہے.... یہ دیکھو! نادرہ داراب....!“

حمدی ہیر کلب کو ہاتھ میں لے کر تھوڑی دیر تک اللہ پلٹتا رہا پھر بولا۔ ”مجھے بھی یاد پڑتا ہے۔“

”کل نادرہ کے بالوں میں تھا.... اگر یہ بات ہے تو آخر آپ نے کرٹل کو ڈھیل کیوں دے
اے۔“

”میں ابھی کچھ سمجھنا چاہتا ہوں۔ اس معاملے میں اکیلا کرتل ہی نہیں معلوم ہوتا۔“ حمید
تھوڑی دیر تک مٹونے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے ہلکے سروں میں سیٹی بجانی
کر دی۔ فریدی کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی شدید الحسن میں بنتا ہے۔
زدہ آہستہ سے بولا۔ ”دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو اس آدمی نے ہمیں دھوکا دے کر تار جام
ڑک پر گاہ دیا تھا یا پھر اس کی کار میں ٹرانسپریٹ تھا جس کے ذریعہ اس نے اپنے ساتھیوں
اے مغلق مطلع کر دیا تھا لیکن سوال تو یہ ہے کہ انہوں نے ہمیں زندہ کیوں چھوڑ دیا۔ یہی
یا لکھے میرے سر کی مر، ہم پڑی بھی کر گئے۔ صرف یہی ایک چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ
الدارے ہی لئے بچایا گیا تھا اور وہ عورت فراہم تھی.... لیکن نادرہ کا ہیر کلب۔“

”ہو سکتا ہے کہ وہ نادرہ ہی رہی ہو۔“ حمید بولا۔ ”کیا آپ نے اسے پچھلی رات کو مخلوک
ت میں نہیں دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کرتل داراب کی دھمکی ہو۔“

”خیر دیکھا جائے گا۔“ فریدی نے لاپرواٹی سے کہا۔

گھر پہنچ کر فریدی کو وہ کیبل ملا جس کا ابے کئی دن سے انتظار تھا۔ فریدی بغور اسے پڑھتا
پہلے تو اس کے چہرے پر ایک خاص قسم کی چمک پیدا ہوئی لیکن پھر جلد ہی وہ معمول پر آگیا۔
”تم نے دیکھا۔“ اس نے حمید کو مخاطب کیا۔ ”ڈاکٹر سلمان کی یادداشت پر برا اثر کیوں پڑا۔
ماکاہوں میثار اشد.... دراصل ایک چٹان سے گر کر مر گیا تھا اور میرا خیال ہے کہ اسی حداد
انہوں پر وہ اپنی یادداشت ہی کھو بیٹھا۔... تمہیں یاد ہو گا.... جب میں اسے اُسے فلم دکھارہ
اٹھتا سکو گے کہ اس نے کس میں پر ارشد کا نام لیا تھا۔“

”غائب اور دوجواہوں کی لڑائی کا میں تھا اور ان میں سے ایک چٹان سے گر کر مر گیا تھا۔“

”ٹھیک ہے.... اس میں پر اس کی یادداشت لوٹنے لوٹنے تھی۔ خیر وہ ایک الگ بجٹ
ہے لیکن حمید صاحب یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس نے ارشد کا نام چڑا ہے کے گر جانے کے
لئے لیا تھا بلکہ اسی وقت ارشد را شد چیختنے لگا تھا، جب وہ دونوں چٹان پر لڑ رہے تھے۔“

”تو پھر....؟“

”تو پھر یہ کہ... راشد کی موت کی اچانک حادثے کی بناء پر واقع نہ ہوئی ہو گی۔“ ہو کر کہ کسی سے اس کی لڑائی ہوئی اور ڈاکٹر سلمان وہاں موجود رہا ہو۔... ورنہ پھر کیا وجہ ہے کہ نامعلوم آدمی یہ نہیں چاہتے کہ سلمان کی صحیح حالت سے کوئی واقع ہو سکے۔“

”آپ کر ٹل داراب کا نام صاف صاف کیوں نہیں لیتے۔“ حمید نے کہا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی نظریں پھر کیبل پر جنم گئی تھیں۔

”اور دوسری بات۔“ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”یہ حقیقت ہے کہ ڈاکٹر سلمان نے خانے کی شکل تک نہیں دیکھی۔ چیاگ کا بیان صحیح تھا اور ماناوز کے حکام جھوٹے ہیں۔“ وہ رہ کاغذات جو وہاں سے بھیجے گئے ہیں ڈاکٹر سلمان کو وہاں کے حقوق شہریت مل گئے تھے یادداشت کو بیٹھنے کی بناء پر اُسے پھر یہاں دھکیل دیا گیا اور یہ ظاہر کیا گیا کہ اسے ابھی شہریت ملے ہی نہیں تھے۔“

”کیوں...؟ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ آخر انہوں نے اُسے تین سال تک پاگل خانے رکھنے کی افواہ کیوں اڑائی ہے۔“

”بہانہ....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”تاکہ اسے واپس بھیجا جاسکے اور اس میں ۲۰ فرم کا بھی ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے اسے پیچھا چھڑانے کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے۔“

”لیکن یہ اطلاعات کس نے بھم پکنچائی ہیں۔“ حمید نے پوچھا۔

”ایک پرانیویٹ خبر رسان ایجنٹ نے جس کا تعلق ماناوز کی ایک پرانیویٹ سر اونٹ ایجنٹ سے ہے۔“

”تو کیا یہ ماناوز سے نہیں آیا!“ حمید نے کیبل کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”نہیں.... یہ بر لش گی آتا سے آیا ہے۔“ فریدی نے کہا اور کچھ دیر تک خاموش رہنے بعد پھر بولا۔ ”حمد صاحب یہ کیس براچیہ ہے۔ اتنا تو میں بھی جانتا ہوں کہ کر ٹل داراب ایسے گروہ کو کنٹرول کرتا ہے جس کا پیشہ نشیات کی ناجائز درآمد اور بہم کرنا ہے! لیکن ڈاکٹر سلمان کا اس معاملے سے کیا تعلق؟ یہ بات بھی مجھے معلوم ہے کہ کر ٹل داراب کا کچھ نہ کچھ تعلق جنوبی امریکہ خصوصاً برازیل کے ایک حصے سے بھی ہے کیونکہ اس کی ڈاک اسے آتی ہے۔“

”بی تو معاملہ صاف ہے۔“ حمید نے کہا ”اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ ڈاکٹر سلمان کا لڑکا کسی کے نتیجے میں مارا گیا ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس میں کر ٹل داراب کا ہاتھ رہا، ہو اور اسی لئے وہاں نہ اس آدمی کو ختم کر دیا، جو زرینہ کو ڈاکٹر کے متعلق کچھ بتانا چاہتا تھا۔... چیاگ بھی مارا گیا، جو لڑکے متعلق کوئی اہم بات جانتا تھا۔ کر ٹل کے یہاں سلمان کو زہر دینے کی بھی کوشش کی گئی۔“ ”اور اس سے پہلے کر ٹل پر بھی حملہ ہو چکا تھا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”چیاگ نے اتنا ہی بتایا اک سلمان پچھلے سال پاگل خانے میں نہیں تھا۔... اور یہ بات دوسرے ذرائع سے بھی معلوم ہے۔“

ایک تو کرنے کرے میں داخل ہو کر ایک ملاقاتی کا کارڈ پیش کیا۔

”ناصر ہے۔“ فریدی نے کارڈ کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”اے میں بلاؤ۔“

ناصر کے آنے تک خاموشی رہی۔ حمید کچھ بیزار سانظر آرہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر تھوڑی ہاہلات مل جاتی تو کر ٹل کی خیریت پوچھنے کے بہانے نادرہ سے مل آتا۔

”یہ تمہارے سر میں کیا ہوا۔“ ناصر نے پوچھا۔

”یو نہیں ایک معمولی سی چوت آگئی ہے۔“

”کیسے؟“

”اُرے چھوڑو یار.... کل رات تمہارے چچا کی وجہ سے دعوت میں بڑی بے لطفی رہی۔“

”بھی میں تو لے جانا ہی نہیں چاہتا تھا لیکن خود کر ٹل ہی نے خواہش کی تھی۔“ ناصر نے لہاڈ میری کچھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ جہاں جنوبی امریکہ کا نام آیا وہ وہیں کی طرح لپٹ پڑنے کے لئے جھینٹتے ہیں.... اور یہ لو.... یہ ان کی کمپنی کے ایک ڈائریکٹر کا خط ہے۔“

ناصر نے ٹاپ کیا ہوا ایک خط فریدی کی طرف بڑھا دیا اور جب فریدی اُسے پڑھنے کے لئے بڑھ پکیلارہ تھا تو ناصر نے کہا۔ ”میں کچھ دونوں سے چچا صاحب کے متعلق ان کی فرم سے خط و کتابت کر رہا تھا۔ آخر یہ جواب آیا ہے۔“

”تریز یہ تھی

”مالی ڈیز ناصر!

آپ کے خطوط ملے اور میں یہ خط آپ کو اس لئے لکھ رہا ہوں کہ صرف آپ مطمئن

”اور مہر کھاں کی تھی۔“

”اوہ نہ ایار تم تو جان کو آجاتے ہو! مہر پر میں نے غور نہیں کیا تھا۔“

”اور لفافہ بھی ضائع ہو گیا.... خیر.... تم نے چینی ریسٹوران کے مالک چیائگ کی حیرت بوت کے متعلق پڑھا ہو گا۔“

”ہاں ہاں.... کیوں؟“

”وہ بھی تمہارے چچا کے متعلق کوئی اہم بات جانتا تھا۔“

”یاد یہ معاملہ کیا ہے.... کہیں میں پاگل نہ ہو جاؤ۔ آخر چچا صاحب کی شخصیت اتنی رار کیوں نہیں جا رہی ہے۔“

”یہ تو تمہارے چچا ہی بتا سکیں گے۔“ فریدی نے انکل لہجے میں کہا اور حمید چوک کرائے۔

”ماش چچا کچھ بتا سکتے۔“ ناصر بولا۔

”کل رات وہ گرفتے بجے پہنچے تھے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”مجھے علم نہیں۔“

”تو تم ان کی طرف سے اتنے لا پرواہ رہتے ہو۔“

”ارے بھتی وہ پہنچے تو ہیں نہیں.... اور تھا پاگل ہیں جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے۔ جنوبی یونیورسٹی کے حوالے کے علاوہ اور کوئی چیز دہنی طور پر انہیں اتنا متاثر نہیں کرتی کہ وہ آپ سے باہر جائیں۔ اکثر وہ تھا سینما بھی جاتے ہیں اور ان کی نازل حالت کو دیکھتے ہوئے کسی کو کوئی تشویش نہ ہوتی۔“

”ان کے ملنے والے بھی آتے رہے ہوں گے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”اکثر....!“

”ایسے لوگ بھی آتے ہیں جو تمہارے لئے اجنبی ہوں۔“

”امگی نہ کرو ایسا نہیں ہوا۔“

”اچھا بخط کو چھاڑ کر جلا دو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اس لئے کہ یہ قطعی فضول اور بچکانہ ہو گیے کیا تم نے اس کا تذکرہ اپنے چچا سے کیا تھا۔“

ہو جائیں۔ اس کی پہلی نہ سمجھے گا کیونکہ اس میں میری فرم اور مقامی حکومت کی بدنامی ہو گری۔ حقیقت ہے کہ یہاں ڈاکٹر سلمان کو حقوق شہریت مل پچے تھے۔ اچاک ان کا لڑکا ایک حارہ شکار ہو گیا۔ سلمان صاحب شائد جائے وقوع پر موجود تھے۔ وہاں سے انہیں بیہو شی کی حالت اٹھا کر لایا گیا۔ وہ تین دن تک بیہو ش پڑے رہے اور جب انہیں ہوش آیا تو وہ اپنی یادو اور بیٹھنے تھے۔ میں آپ کو پوشیدہ طور پر مطلع کر رہا ہوں کہ وہ پاگل خانے نہیں رکھے گئے تھے لہاڑا اور کبھی نہیک ہو جاتے تھے۔ البتہ انہیں بیٹھنے اور حادثے کے متعلق کبھی کچھ نہ یاد آیا۔ تین نک ہم انہیں سنبھالتے رہے پھر ہم نے سوچا کہ انہیں ان کے وطن بھجوادیا جائے۔ ڈاکٹر نے کہنی کی گرفتاری خدمات انجام دی ہیں اور ہم اس کے لئے ان کے مشکور تھے، لہذا ہم غیر قانونی طور پر بھاری رشوت دے کر حکام کو اس بات پر راضی کیا کہ وہ ان کے حقوق شہری ختم کر کے آپ کی حکومت سے ان کی واپسی کے لئے کہیں اور اس پر یہ ظاہر کریں کہ ڈاکٹر کو حقوق شہریت دیئے ہی نہیں گئے تھے اور ان کی درخواست زیر غور تھی۔ اسی کے لئے سلمان کے پاگل بن کی آڑی گئی اور یہ ظاہر کیا گیا کہ انہیں پاگل خانے میں بھی رکھا جا گا ہے۔ بہر حال! ہماری دعا انہیں ان کے ساتھ ہیں اور ہمیں خوشی ہے کہ وہ اپنے وطن اپنے آؤں میں پہنچ گئے ہیں۔ ہم ان کا ذریثہ لاکھ روپیہ جس میں ان کا ذاتی اندوختہ اور کہنی کا فند شامل عنقریب منتقل کر دیں گے۔

تاکید ہے کہ اس خط کو پڑھنے کے بعد ضائع کر دیا جائے۔

آپ کا مغلص

فریدی نے خط پڑھ کر حمید کی طرف بڑھا دی۔ چند لمحے وہ کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

”وہ لفافہ کھاں ہے جس میں خط آیا ہے۔“

”لفافہ.... میرا خیال ہے کہ وہ ضائع ہو گیا۔ ملاش کے باوجود نہیں ملا۔“

”میا ٹھہیں یقین ہے کہ یہ خط مانا اوز سے ہی آیا ہے۔“

”ہاں بھتی لفافے پر وہاں کا نکٹ تھا۔“

”پہلے یہ بتاؤ کہ یہ فضول اور بچکانہ کیوں ہے۔“

”کپنیوں کے ڈائریکٹر گدھے ہائکنے والے نہیں ہوتے۔ ممکن ہے اپنے یہاں ہونے دوسرے ممالک میں ایسا نہیں ہوتا۔ اس ڈائریکٹر نے اپنے ایک بہت بڑے جرم کا اعزاز ہے۔ میرے بھولے بچے اس قسم کی تحریریں باپ کو بھی نہیں دی جاتیں ذرا یہ تو بتاؤ!“
اس خط کو بے احتیاطی سے کہیں ڈال دیا تھا۔“

”نہیں تو..... یہ میری ڈائری میں تھا۔“

”لفافے سمیت۔“

”مجھے اچھی طرح یاد نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ خود میں نے ہی لفافہ اس طرح کھولا۔ دوبارہ استعمال کے قابل نہ رہ گیا ہوا اور میں نے ہی اُسے پھیک دیا ہو۔ آخر تم لفافے کو آئندہ کیوں دے رہے ہو۔“

”پچھے نہیں.... پھر غور کریں گے۔“ فریدی نے کہا۔ ”میرے سر میں تکلیف بڑھ گئی حمید سمجھ گیا کہ فریدی اب اس مسئلے پر ناصر سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔

ناصر و چار منٹ بیٹھ کر چلا گیا اور فریدی اٹھ کر ٹھیک لگا۔

”آخر آپ لفافے کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔“

”وہ خط مانا اوز سے نہیں آیا۔“

”محض اس بناء پر کہ لفافہ کھو گیا ہے۔“ حمید بولا۔

”میں کبھی کوئی بات کمزور بنیادوں پر نہیں کہتا فرزند!“ فریدی نے ایک آرام کر کر دراز ہو کر کہا۔ ”اس میں شک نہیں کہ رہ سپالی کمپنی کے ایک ڈائریکٹر آر ٹھرڈی پیٹا نام اس پر چھپا ہوا تھا لیکن وہ کاغذ ہمارے ہی ملک کے ایک مل کا بنا ہوا تھا۔ اس پر ایک غیر کامیاب پڑھ چھوانے والے اجھ نے یہ نہیں سوچا کہ بعض کاغذوں پر کارخانوں کا داراء ہوتا ہے۔“

”کرتل داراب کی حرکت۔“ حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ ”سو فیصدی اسی کی حرکت نے یہ خط محض اس لئے بھجوایا ہے کہ ڈاکٹر سلمان کے متعلق گھری تفتیش نہ کی جائے۔“

”لیکن.....!“ فریدی چھت کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”اس خط کی تحریر غلط نہیں

”بندی حقیقت ہے۔“

دو خوفناک آدمی

فریدی کئی دن تک زیادہ مشغول رہا۔ حمید کے ہر استفسار کا جواب اس کے پاس یہی ہوتا تھا کہ ”ابھی کسی مسئلے پر روشنی نہیں ڈال سکتا کیونکہ ابھی وہ خود ہی یقین اور شہبات کی کشمکش میں بڑا ہے۔ اس دوران میں حمید نے اسے شکل تبدیل کر کے بھی کئی بار گھر سے باہر جاتے دیکھا تھا لیکن وہ حمید کی مشغولیت میں مخل نہیں ہوا۔ اس نے اس سے ایک بار بھی یہ نہیں پوچھا کہ وہ آج کل کرتل داراب کی لڑکی نادرہ کے ساتھ مختلف رسیشور ان اور تفریح گاہوں میں کیوں دلکھائی رہتا ہے۔ نادرہ حمید سے بہت زیادہ بے تکلف ہو گئی تھی اور کرتل داراب بھی شاہد ان ”نوں کی دوستی کو پسند کرتا تھا۔

ایک رات حمید کو داراب کی کوئی بھی میں بارہ بج گئے اور وہ اٹھنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ کرتل داراب نے اُسے رات وہیں بس رکرنے کو کہا۔ حمید کو حیرت ہوئی اور پچھے خوف بھی محسوس ہوا۔ وہ پھر اپنی رہا تھا کہ کرتل نے کہا۔

”میں فریدی صاحب کو فون کئے دیتا ہوں۔ میرے خیال سے انہیں کوئی اعتراض نہ ہو گا۔“
بات نہیں ہے کہ آج میں باتیں کرنے کے موڑ میں ہوں اور اس معاملے میں آپ جیسا رفیق ملتا ہے۔ نادرہ آپ کی بہت تعریف کرتی ہے۔“

ایسے متعلق ایک خوبصورت لڑکی کے باپ سے اس قسم کا جلد سن کر حمید سر تا بقدم مکھن ہو کر رہ گیا اور اس کی سعادتمندی نے جوش مارا تو وہ یہ بھی بھول گیا کہ کرتل داراب سے ربط و مبنی بڑھانے کا مقصد کیا تھا۔ وہ یہ بھی بھول گیا کہ فریدی کرتل داراب کے متعلق ثبوت مہیا کرنے کی فکر میں ہے۔ اس وقت اسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے کرتل نے اسے اپنی فرزندی میں لے لینے کا تھہر کر لیا ہو۔

یہ مختلقو ڈرائیکٹر روم میں ہوتی تھی۔ کھانا کھاچنے کے بعد سے اب تک وہ وہیں بیٹھے حمید کے لیفٹوں سے محفوظ ہوتے رہے تھے۔ کرتل اور نادرہ کے ساتھ وائگ بھی تھا۔ حمید نے رات

ہر جیہے چن نے نقلیں شروع کر دیں۔ اس نے کبھی کسی اگر یہ عورت کو پچھے جتنے دیکھا تھا اس پڑھ کر اپنے اور گناہوں کو یاد کر کے توبہ کرنے کی نقل پر تو حید کو بھی اچھو ہو گیا۔

ٹانڈ دو نج رہے تھے، جب حید پر یکایک حیرتوں کا پہلا ٹوٹ پڑا۔ تیہے چن سیامی طواں گنوں کی براہاتھا اور واگن اس کا گاہک بنا تھا۔

چانک حید کی نظریں عقیقی دروازے کی طرف اٹھ گئیں اور وہ ”ارے“ کہہ کر کھڑا ہو گیا۔ بھی متوجہ ہو گیا۔ چانک حید نے ایسا محسوس کیا جیسے کرتل کا چہرہ سفید پر لگا ہو! واگن اور اس طرح سہم کر کھڑے ہو گئے تھے، جیسے انہوں نے اپنی موت سامنے دیکھ لی ہو۔

ڈاکٹر سلمان دروازے میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔

رفعت کرتل نے جیح کر کہا۔ ”واگن تیہے چن یہ نج کر جانے نہ پائے۔“

سلمان نے قہقهہ لگایا اور محکمہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ ”تیہے چن اور واگن تمہاری نہک حرام نہیں ہیں۔“

”واگن! میں کیا کہہ رہا ہوں۔“ کرتل جھلا کر بولا۔ مگر ان دونوں چینیوں نے اپنی جگہ سے بھی نہ کی۔

”ہونہہ! بس۔“ ڈاکٹر سلمان نے قہقهہ لگایا ”تم صرف ایک نخے منھے سے سراغ رسان کو رکے یہ سمجھے تھے کہ شائد آج کی رات بھی مل جائے گی۔ آج کی رات تو اس صورت میں ٹھیک اگر تم شہر کے سارے حکام کو جمع کر لیتے۔“

اب تو حید کے کان کھڑے ہوئے اور وہ نبڑی طرح بوکھلا گیا۔ ”واگن اور تیہے چن..... تم نے دھوکا دیا۔“ کرتل بڑا بیلا۔

”نمک حرامی اچھی چیز نہیں..... تمہیں پہلے ہی سوچتا چاہئے تھا کہ دوسرے بھی تمہیں دے سکتے ہیں۔“

”تم کامیاب نہیں ہو سکو گے۔“ کرتل غریبا۔

”مگر اور اسی وقت۔“ سلمان نے نہیں کر کہا۔ ”آج مجھے اپنے ہاتھ خون سے بھرنے پڑیں اور یہ پچارہ جاسوس توفیق میں مارا جائے گا۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ حید نے کہا۔

وہیں بر کرنے کا وعدہ کر لیا۔

”تو کیارات بھر باشیں ہوں گی۔“ نادرہ نے کہا۔

”میں نے کہا تاکہ آج میرا مودبٹا شیں کرنے کا ہے۔“ کرتل بولا۔

”تب تو میں چلی۔“ نادرہ نے انگرائی لے کر کہا۔ ”مجھے نیند آ رہی ہے۔“

”ہاں ہاں تم جاؤ۔“ کرتل بولا۔ ”تمہیں زیادہ نہ جانانا چاہئے۔“

نادرہ نے بڑے دلاؤز انداز میں سکرا کر حید کو ”شب بیتھ“ کہا اور لچکتی ہوئی چل گئی۔

حید کو ایسا معلوم ہوا جیسے وہ طوہ سمجھ کر صابن کا ٹکڑا اکھا گیا ہو۔ اگر اسے یہ معلوم ہو،

نادرہ اس گفتگو میں حصہ نہ لے گی تو وہ بھی وہاں قیام کرنے کا وعدہ نہ کرتا۔

”حید صاحب! اگر آپ کو چینی رقص و مو سیقی سے دچپی ہو تو تیہے چن کو بلواؤں۔“

”جی ہاں بہت۔“ حید اسے دل ہی دل میں گالیاں دیتا ہوا بولا۔ ”میرے والد صاحب کو؟“

چینی رقص و مو سیقی سے بہت زیادہ دچپی تھی اور دادا کا تو خیر انقال ہی چینی میں ہوا تھا۔

”کیا دا قتی۔“ کرتل دارا ب نے حیرت سے کہا۔

”جی ہاں! اور میرے باپ کو چینی اور جینیوں سے اتنی محبت تھی کہ انہوں نے میرا تو ہی چینی زبان میں رکھا تھا۔“

”کیا نام تھا!“ کرتل نے پوچھا۔

”چیاں میاں!“ حید نے اتنی سمجھیدگی سے کہا کہ کرتل دارا ب بیسانختہ ہنس پڑا۔

واگن اردو نہیں سمجھتا تھا اس لئے وہ بت بنا بیٹھا رہا۔ آخر کرتل نے اس سے تیہے چن کو بولا۔

کو کہا۔

واگن چلا گیا۔ حید شام ہی سے ایک بات بڑی شدت سے محسوس کر رہا تھا وہ یہ کہ کردا

دارا ب کچھ پریشان پریشان سانظر آ رہا تھا۔ اکثر وہ اس کے جلوں پر بے ساختہ ہنس تو پڑتا تھا لکڑ

پھر فوراً ہی وہ نہیں اس طرح کسی قسم کی تشویش کے آثار میں بدل جاتی جیسے اچانک سورج کے

سامنے بادل آ جائیں۔

تیہے چن کے آجائے کے بعد کرے میں خاصا ہٹل رج گیا تھا۔ وہ اور واگن حلق پھٹا پھٹا کر کا

رہے تھے اور تیہے چن ناق بھی رہا تھا۔

کر غل داراب تھوک نگل کر رہ گیا۔
 ”بولو۔“ ڈاکٹر سلمان جھنجلا کر بولا۔ ”ورنہ آخری مرحلہ تمہاری موت پر ختم ہو گا۔“
 ”بکواس ہے۔“ کرتل نے چیخ کر کہا۔ ”میری بڑیوں میں بھی پانی نہیں ہے۔“
 ”میں جانتا ہوں کہ آن میں انساں کا شربت ہے۔“ ڈاکٹر سلمان نے قہقہہ لگایا اس لئے قبر کا
 پینجھر تمہارے لئے زیادہ موزوں رہے گا۔“
 ”میں تم تینوں کی گرد نہیں توڑ سکتا ہوں۔“ ”کرتل امتحاہ بولا۔“
 ”اس روپ اور میں سائینیسٹر لگا ہوا ہے۔“ سلمان نے مسکرا کر کہا۔ ”قطعی آواز نہیں ہو گی اور
 نہار ام اتنی ہی آسانی سے نکل جائے گا جتنی آسانی سے ٹوٹ پر کھن لگایا جاسکتا ہے۔“
 ”سلمان مجھے غصہ نہ دلو۔“ دفعتا کرتل کے نتھے پھول گئے اور آنکھیں سرخ ہو گئیں۔
 ”مجھے معلوم ہے کہ تم غصے میں بلیوں کی طرح خرخر کرنے لگتے ہو۔“
 ”تم چیانگ کے قاتل ہو۔“ کرتل نے کہا۔ ”میں تمہیں گرفتار کر سکتا ہوں۔“
 ”تو تم اس سے کب پاک ہو۔“ ڈاکٹر سلمان ہنس کر بولا۔ ”تمہارا ہاتھ ہوٹل ڈی فرانش
 والے ہادیثے میں تھا لیکن میں نے بھی اُسے کوئی اہمیت نہیں دی۔“
 ”تمیدان کی اس عجیب و غریب گفتگو کو اتنی دلچسپی سے سن رہا تھا کہ اسے اپنی موجودہ حالت کا
 گی احساس نہیں رہ گیا تھا۔ وانگ اور جیسے جن سر جھکائے کھڑے تھے۔“
 ”سلمان میں بچ کہتا ہوں کہ تم یہاں سے زندہ بچ کر نہ جا سکو گے۔“ کرتل بولا۔
 ”لیا بھی تمہاری بساط پر کوئی مہرہ باتی رہ گیا ہے۔“ سلمان نے کہا۔
 ”اس کھر کا ہر ستون ایک آدمی ہے۔“ کرتل بولا۔
 ”اوہ....!“ ڈاکٹر سلمان نے قہقہہ لگایا۔ ”میں جانتا ہوں کہ یہاں مختلف جگہوں پر ڈاکٹر اسٹ
 گے ہوئے ہیں اور تم جب چاہو اس عمارت کے پر بچے اڑا سکتے ہو۔ شاائد تمہاری اس میز میں بھی
 ان کا سوچ ہو گا مگر میرے بیٹے تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ ڈاکٹر سلمان نے ان کی میں لائن پہلے
 نکلا کر دی ہے۔“
 ”اوہ ڈاکٹر کے بچے۔“ حمید نے پڑے پڑے ہاںک لگائی۔ ”میں بہت نہ اآدمی ہوں۔“
 ”خاموش رہو۔“ کرتل اس پر الٹ پڑا۔

”مطلوب یہ کہ میں تمہیں مارڈاں گا۔“
 حمید کو بھی آگئی! اُسے یقین ہو گیا تھا کہ شاائد اس پر پھر پا گل پن کا دورہ پڑا ہے۔
 اس نے سوچا کہ اسے چھپڑنا چاہئے۔ اُسے اس بات کا بھی دھیان نہ رہا کہ ابھی ابھی سا
 کو دیکھ کر کرتل کے چہرے پر موت کی سی سفیدی چھائی تھی۔
 ”آپ بھی جنوبی امریکہ گئے ہیں۔“ حمید نے شرات آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
 ”میری عمر ہی جنوبی امریکہ میں گذری ہے۔“ سلمان نے سبیل گی سے کہا۔ ”اور یقین
 کہ میرے اس اعتراف کا تذکرہ کرنے کے لئے تم زندہ نہیں رہو گے۔“
 پھر اس نے وانگ اور جیسے جن کو مخاطب کر کے کہا۔ ”اس کے ہاتھ اور پیر اپنی نائیوں سے جگڑا
 دونوں نے اپنی نائیاں کھولیں اور حمید مرنے مارنے پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن دوسرے یعنی
 میں ڈاکٹر سلمان کے ہاتھ میں اعشاریہ تین آٹھ کار پیو اور نظر آرہا تھا۔
 ”لڑکے!“ اس نے کہا۔ ”موت کی کنواری دو شیزہ کا نام نہیں اور کرتل داراب تم بھو
 گج سے جنبش نہیں کرو گے۔“
 حمید کے ہاتھ اس کی پشت پر جکڑو یئے گئے۔ پھر ان دونوں چینیوں نے اُسے فرش پر گرد
 اس کے پیر بھی باندھ دیئے۔
 ”ہاں تو اب تم کیا کہتے ہو۔“ سلمان نے کرتل کو مخاطب کیا۔ ”ان آخری دو آدمیوں کا
 بھی تم نے دیکھ لیا جن پر تمہیں اعتماد تھا۔“
 حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخریہ سب کیا ہو رہا ہے۔ پچھلے واقعات ایک ایک کر
 اس کی نظر وہ میں پھرنے لگے۔ لیکن موجودہ حالت ان سے بالکل مختلف تھی۔ سلمان کو وہ
 بے ضرر آدمی سمجھتا تھا اور بڑی حد تک قابلِ رحم بھی۔ لیکن یہاں تو بساطتی اللہ گئی تھی۔
 کرتل داراب خابوش تھا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ چاندی نے تختے کے قریب پہنچا دیا گیا۔
 ”تم خاموش کیوں ہو۔“ سلمان پھر بولا۔ ”تم نے اپنے سارے حرے بے آزمائے۔ ڈاکٹر سا
 کو پولیس کی نظر وہ میں نہ اسراہ بنانے کی کوشش کی۔ تم نے ڈاکٹر سلمان کو پولیس آفیسر وہ
 سامنے مارڈا لئے کی اسکیم بنائی۔ لیکن تمہاری بھی بھی نے تمہارا استہ کاٹ دیا۔ تمہیں اپنے آدمی
 پر اعتماد تھا انہوں نے بھی تمہارا ساتھ چھوڑ دیا۔ اب تمہاری خاموشی فضول ہے۔“

رجی ہے ورنہ اسے یہ نہ معلوم ہوتا کہ کسی نے اسے نیچے پھینک دیا جس رات تم پر بی کو دی تھی لیکے بعد سے میں نے عمارت کے سارے روشنداں کا بھی انتظام کر لیا تھا۔ ان کے سامنے پیوئے تاروں میں ہر وقت کرنٹ رہتا ہے۔“

”کرنٹ....!“ کو نے والے نے کہا۔ یہ غلط ہے۔ مجھے الیکٹرک شاک نہیں لگا تھا۔ کسی نیچے پھینکا تھا۔“

ڈاکٹر سلمان روشنداں کی طرف دیکھنے لگا۔

اچانک کرٹل داراب اس پر ٹوٹ پڑا اور وہ سب آپس میں گزندھ ہو گئے۔ اسی دوران میں کسی رج حید کے ہاتھ کھل گئے۔ کرٹل داراب پر والگ اور اس کے دوسرا ساتھی نے یورش لی تھی اور ڈاکٹر سلمان الگ کھڑا آہستہ تیہ چن کو کچھ ہدایات دے رہا تھا۔ حید سوچنے کا رودشمنوں کی لڑائی کے دوران میں اسے داخل نہ دینا چاہئے بلکہ ان میں سے ایک کے خاتمہ کا خلاصہ کرنا ہی زیادہ مناسب رہے گا۔ ریو اور تو اس کے ہاتھ آئی چکا تھا۔ وہ دیوار کی طرف کھک کا اور اپنے دونوں ہاتھ پشت پر لے جا کر وہ بالکل ویسا ہی بن گیا جیسے پہلے تھا لیکن اس کے دونوں انکاب آزاد تھے اور ان میں سے ایک میں ریو اور تھا اور چہرہ میز کے نیچے تھا۔

اس نے تیہ چن کو باہر جاتے دیکھا اس دوران میں والگ اور سلمان کے ساتھی نے کرٹل داراب کو بے قابو کر لیا تھا۔

”کسی سے باندھ دو۔“ ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

”وکھنے ہی دیکھتے کرٹل کو ایک کر سی سے باندھ دیا گیا۔ اتنے میں تیہ چن بھی واپس آگیا۔“

”سب نیک ہے۔“ اس نے ڈاکٹر سلمان کو مخاطب کر کے کہا۔ ”لوگ اپنی اپنی جگہوں پر بوجو دیں۔ ساتھیوں نے اس جا سوس کو پکڑ لیا ہے جس نے گومس کو روشنداں سے پھینکا تھا۔“

حید کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ فریبی نہ رہا ہو۔

بہر حال وہ اپنے موقعے کا انتظار کرنے لگا اور یہ بھی تو دیکھنا چاہتا تھا کہ آخر ڈاکٹر سلمان اور اکٹل داراب کا معاملہ کیا ہے۔

”کیا وہ تھا ہی تھا۔“ سلمان نے تیہ چن سے پوچھا۔

”ہاں وہ اکیلا ہی تھا۔“

حید پھر بوكھلا گیا۔

”تو میں تمہیں خاموش تھی کر دوں۔“ ڈاکٹر سلمان بڑا بڑا۔ پھر اس نے والگ سے کہا۔

”اس کا گلا گھوٹ دو۔“ حید نے بے بسوں کی طرح مچانے شروع کر دیا۔ وہ دل ہی دل میں اپنے اس غلط رجہ

گالیاں دینے لگا جس کی بدولت اسے یہاں رکنا پڑا تھا۔ حالانکہ اس کی دانست میں حالات میں خیر تھے لیکن پھر بھی وہ محوس کر رہا تھا کہ وہ ایک نہیں دوپاگلوں کے چنگل میں پڑ گیا ہے۔

والگ اس پر جھک پڑا تھا اور گلا دبا نے کے لئے اسے چت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”کرٹل تمہارا بھی بھی حشر ہو گا۔“ ڈاکٹر سلمان نے کہا۔ ”بہتر ہے کہ راہ پر آ جاؤ۔“

”میں تم تیوں کے لئے تجھہ کافی ہوں۔“ ”کرٹل غرایا۔“

”تیہ چن۔“ ڈاکٹر سلمان نے آہستہ سے کہا۔ ”کرٹل داراب کو سمجھا دو۔“

”آبے او سلمان کے نیچے! تیری شامت آئی ہے۔“ حید گھٹی گھٹی سی آواز میں چینا۔

گردن والگ کی گرفت میں آگئی تھی۔ قریب تھا کہ اس کا دم گھٹ جائے کہ اچانک ایک روشنداں سے ڈاکٹر سلمان پر کوڈ پڑا۔ دونوں ایک زور دار دھماکے کے ساتھ فرش پر گر والگ اچھل کر الگ ہٹ گیا۔

ڈاکٹر سلمان کا ریو اور حید کے قریب آگرا تھا۔ لیکن اس کے ہاتھ اس کی پشت پر بند ہوئے تھے۔ حید دونوں پیر میز کے پانے پر بیک کر آگے کھک آیا۔

اس طرح ریو اور اس کے نیچے دب گیا۔

کرے کے دوسرے لوگ ڈاکٹر سلمان سمیت روشنداں سے کو نے والے کی طرف ہو گئے تھے۔

”تم....!“ ڈاکٹر سلمان غرایا۔ ”یہ کیا حرکت۔“

”جناب والا کسی نے مجھے اپر سے پھینک دیا۔“ کو نے والے نے کہا۔

”کیا...؟“ ڈاکٹر سلمان نے چوک کر کہا۔

کرٹل داراب نے قہقهہ لگایا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ اب سلمان کے ہاتھ میں ریو اور نہیں۔

”تم نے کون سی میں لائیں کافی تھی ڈاکٹر۔“ اس نے مفحکانہ انداز میں کہا۔ ”میں لائیں ا

نبر 11
میں جانتا ہوں کہ یہ جھوٹ ہے۔” سلمان نے کہا۔ ”لیکن تمہاری زندگی کی صفات! تم اس اف کی بناء پر پولیس کو ہمارے خلاف اکسانے سکو گے اور نتیجے کے طور پر تمہیں زندہ رہنا پڑے جنہیں زندہ رکھنے میں مصلحت یہ ہے کہ معاملات زیادہ آگے نہ بڑھیں گے ہاں شابش چلو یا سے دستخط کرو! تم کافی سمجھدار آدمی ہو۔“

ڈاکٹر سلمان نے کاغذات اور قلم اس کی طرف بڑھا دیئے۔ کرٹل داراب چند لمحے کچھ سوچتا ہوا نے دستخط کر دیئے۔

”ثیریہ۔“ ڈاکٹر سلمان کاغذات کو تہہ کر کے جب میں رکھتا ہوا بولا۔ ”اب تم قطعی آزاد ہمارے جانے کے بعد تمہارے گھر ہی کا کوئی فرد تمہیں کھول دے گا۔ فی الحال وہ سب بیہوش ہیں۔ میں آئندہ بھی تم سے اچھے تعلقات رکھوں گا۔ لیکن ہاں۔“

ڈاکٹر سلمان رک کر ہٹنے لگا پھر بولا۔ ”جنوبی افریقہ کا نام بھی نہ لینا ورنہ ہو سکتا ہے کہ میں ہیں پھر ماردوں۔“

کچھ ذیر تک سناتا رہا پھر ڈاکٹر سلمان بولا۔ ”وانگ اس جاسوس کی لاش کو ٹھکانے لگاتا ہے۔“ اشارہ حید کی طرف تھا۔ وانگ اس وقت اس کا گلا چھوڑ کر ہٹا تھا جب ڈاکٹر سلمان کا ایک غمی اچانک دو شدائد سے کو دپڑا تھا۔ اس وقت سے اب تک وانگ بھی بھی سمجھ رہا تھا کہ وہ حید کام تمام کر چکا ہے۔

وانگ حید کی طرف بڑھا اور حید نے لینے ہی لیٹھے میز کے نیچے سے اس کے پیور پر فائر ریلر یا ریلر میں سچ مج سائیلنسر لگا ہوا تھا اس لئے آواز نہ ہوئی اور وانگ جنی مار کر الٹ گیا۔ سب کل اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور اتنی دیر میں حید نے اپنے پیر سمیت کر انہیں کھوں لیا۔

اس شہر میں آج تک کوئی برا مجرم کامیاب نہیں ہوا۔ ”حید اٹھتا ہوا بولا۔“

”تم سب اپنے ہاتھ اور پر اٹھا لو۔ یہ اسکٹر فریڈی اور سر جنت حید کی مملکت ہے! کیا سمجھا! ہلپا امریکہ۔“

ڈاکٹر سلمان جریت سے منہ پھاڑتے اُسے گھورتا رہا۔ وانگ زمین پر پڑا کر اجتہ کر اجتہ رک چاہا۔ یہ جن سلمان کا ساتھی اور کرٹل داراب سکوت میں تھا۔

”جنوبی امریکہ۔“ حید نے تھہہ لگایا۔ ”پیٹا سلمان جنوبی امریکہ! تم سب قاتل ہو۔ اب میں

”اچھا ان سے کہو کہ وہ اسے ٹھکانے لگا دیں۔“ ڈاکٹر سلمان نے اس قدر آہنگی سے حید نہ سن سکا ورنہ شاکنہ وہ اسی وقت ہنگامہ برپا کر دیتا۔ یہ جن پھر باہر چلا گیا۔

ڈاکٹر سلمان نے کچھ کاغذات اپنی جیب سے نکالے اور فاؤنڈین پن نکالتا ہوا بولا۔

”چلو ان پر اپنے دستخط کرو۔“

”کیا ہے؟“ کرٹل اُسے گھورتا ہوا بولا۔

”تمہاری زندگی کا صفات نامہ۔ اس پر دستخط کرنے کے بعد تمہاری زندگی محفوظ ہو۔“

گی۔ ورنہ موت ہر حال میں لازمی ہے۔ ان میں سے ایک میں تم اس بات کا اعتراف کرو گے نے آج سے تین سال قبل مانا اوز میں ڈاکٹر سلمان کے لڑکے راشد کو قتل کر دیا تھا۔

”یہ جھوٹ ہے۔ صریحاً جھوٹ ہے۔“ کرٹل چیختا۔

”کچھ بھی ہو تمہیں اس پر دستخط کرنے پڑیں گے۔“

”میں غضول بکواس سننا پسند نہیں کرتا۔“ کرٹل نے نہ اسامنہ بنا کر کہا۔ ”میں صرف خاص مطالبہ پورا کر سکتا ہوں۔“

”اور اس کے بعد پولیس کو بھی مطلع کر سکتے ہو۔“ سلمان نے طنزی سمجھے میں کہا۔

”یاد رکھو اب ہمارا خاص مطالبہ تو ہر حال میں پورا ہو گا۔ لیکن ان تین کاغذات پر د کرنے کی صورت میں تم مار دیے جاؤ گے۔“

”تین کاغذات۔“

”ہاں ایک کے متعلق تو تم ابھی سن ہی چکے ہو۔ دوسرے اعتراف... تم نے ایک ایسے کو ہوئی ڈی فرانس میں قتل کر دیا تھا جو زینہ کو ڈاکٹر سلمان کے پاگل بن کر از بتابے جا رہا کرٹل داراب کچھ نہ بولا۔

”تیسرا اعتراف۔“ ڈاکٹر سلمان کاغذات پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔ ”تمہیں معلوم تھا کہ ریسٹوران کا مالک چیانگ بھی راشد کے قتل کے راز سے واقع تھا۔ اس لئے تم نے اس کے

کر کے میں لگے ہوئے آٹو میک الیکٹرک ریل اور کا سونگ آن کر دیا تھا۔ نتیجے کے طور پر چیانگ بلکہ ایک کا نشیل کا بھی خاتمه ہو گیا۔“

”یہ جھوٹ ہے۔“ کرٹل نگل کر ہکلایا۔

اپنی حفاظت کے خیال سے تم سب کو یہیں مارڈا لوں گا۔“

آخری بازی

نہ کوتاہ..... میری خواہش ہے کہ آپ ابھی اسی وقت یہ کاغذات دیکھ لیجئے۔ ممکن ہے ہونی خاہی رہ گئی ہو۔“

ڈاکٹر سلمان نے آگے بڑھ کر کاغذات حمید کی طرف بڑھا دیے۔ حمید نے بائیں ہاتھ سے ت پکڑے ہی تھے کہ دابنے ہاتھ سے ریو الور نکل گیا۔ پہلے تو اس کے نچلے جزوے پر قیامت ہراس کا سر پشت کی دیوار سے کلرا گیا۔

”شabaش....!“ ڈاکٹر سلمان نے تھوہہ لگایا۔ ”یہ فریدی اور حمید کی ملکت ہے۔“

ڈاکٹر سلمان کے ہاتھ میں ریو الور تھا اور حمید چاروں خانے چٹ پڑا اُسے گھور رہا تھا۔

”تیہے چن۔“ ڈاکٹر سلمان کسی درندے کی طرح غرایا۔ ”اس کا گلا گھونٹ دو۔“

”گلا گھونٹنے کی کیا ضرورت ہے۔“ تیہے چن آگے بڑھ کر انگریزی میں ہٹکلایا۔ ”لائیے ریو الور دیجئے۔“ اس نے سلمان کے ہاتھ سے ریو الور لے لیا۔ پھر اس نے زمین پر پڑے ہوئے اٹاٹھا کر سلمان کے حوالے کئے اور ریو الور جیب میں ڈالتا ہوا بولا۔ ”نہیں گلا ہی گھوٹنا زیادہ رہے گا۔“

اس نے اپنی دونوں آستینیں چڑھائیں اور پھر اچاک پلت کر سلمان کی گردان پکڑلی۔

”اُرے! اُرے۔“ ڈاکٹر سلمان حیرت زدہ، آواز میں بولا۔

”ہائیں یہ کیا۔“ سلمان کا ساتھی چینا۔ وانگ نے حرکت بھی نہ کی کیونکہ وہ بیویوں پڑا تھا۔

حمدا چھل کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔

سلمان تیہے چن کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن گرفت مضبوط تھی۔

”زندہ باد تھے چن۔“ کرٹل داراب چین۔ ”شabaش! تم میرے بیٹھے ہو۔ اس مودوی کو ختم کر دو۔“

”کھڑا کیا دیکھتا ہے گومس کے بنچے۔“ سلمان نے اپنے ساتھی کو للاکارا۔

”جھپٹا لیکن تیہے چن غالباً نہیں تھا۔ گومس اس کے قریب بہنچے بھی نہیں پایا تھا کہ اس کی

لہ جلی گئی اور گومس منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔

”شabaش....!“ کرٹل ہو چکا۔ وہ ری کے باون سے آزاد ہونے کی انتہائی کوشش کر رہا تھا لیکن ایسا نہیں ہو رہی تھی۔

”مر جنٹ۔“ کرٹل داراب نے حمید کو مخاطب کیا۔ ”تم بھی تیہے چن کی مدد کرو۔ اسی میں ہم

ڈاگنگ زمین پر پڑا کراہ رہا تھا۔ تیہے چن اور سلمان اور اس کا ساتھی دم بخود تھے۔ مگر کرتل چہرے پر اچاک زندگی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

”لیکن تمہیں مارڈا لئے سے پہلے۔“ حمید نے کہا۔ ”میں یہ جانتا چاہوں گا کہ یہکہ یہاں یادداشت کیسے واپس آگئی۔“

”پلو خیر تمہیں یہ تو یاد آیا۔“ ڈاکٹر سلمان بچوں کی طرح چیک کر بولا۔ ”میں اس سوچ ہی پڑ گیا تھا کہ تمہیں اس حالت میں یقین کس طرح دلاوں گا اور یہ سب تو مجھے مجبور اکرنا پڑا اب ایسے کہتا تو کرتل کبھی اپنے جرام کا اعتراف نہ کرتا۔ اس نے میرے بیٹھے کا خون چھپانے کے دو قتل اور کئے ہیں۔“

”یہ جھوٹ ہے! اسفید جھوٹ ہے۔“ کرتل چینا۔

”خاموش رہو کرتل۔“ حمید نے اسے ڈاٹ دیا۔ پھر اس نے ڈاکٹر سلمان سے پوچھا۔ ”اے وہ مطالبہ... اُن تین اعترافات کے علاوہ تم نے اور کسی چیز پر دستخط نہیں ہیں۔“

”میں اپنا پلان اطمینان سے بتاؤں گا۔“ ڈاکٹر سلمان نے کہا۔ ”اگر میں یہ طریقے اختیار کرتا تو کرتل کبھی میری تین کروڑ روپے کی رقم میرے نام دوبارہ منتقل نہ کرتا۔ میں انپکٹر فرید کے سامنے تفصیل سے یہ سارے واقعات رکھوں گا اور میرا دعویٰ ہے کہ وہ اچھل پڑیں گے۔

آپ جانتے ہیں! اس دعوت والی رات کو میرے مارڈا لئے کی سازش کی گئی تھی۔ میرے ساتھ رکھی ہوئی پلیٹ زہر میں ڈبوئی گئی تھی۔ لیکن میرے ایک ہمدرد نے بروقت امداد کی۔ اگر میں چاتا تو یہی کہا جاتا کہ وہ زہر دراصل کرتل ہی کے لئے تھا کیونکہ نامعلوم قاتل کا پہلا حملہ ناکام

تھا اور وہ حملہ خود کرتل ہی نے اپنے اوپر کیا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ ہی سے اپنے شانے میں جبرا اتار دی تھی۔ بہر حال مجھے زہر دلوادیں کے بعد بھی وہ محفوظ رہتا۔ بھلا شہر کے حکام جن میں اتنا ہر دلعزیز ہے کیسے اس بات پر یقین کر لیتے کہ کرتل جیسا شریف آدمی کسی کو زہر بھی دے

سب کی نجات ہے۔ میں تمہاری غلط فہمیاں دور کر دوں گا۔ تم نہیں جانتے کہ ڈاکٹر سلمان کون ہے اس پر بھی حمید کی کھوپڑی پر برف جمی رہی۔ بات خاک بھی سمجھ میں نہ آئی اور وہ احقر طرح سلمان کے ساتھی پر ٹوٹ پڑا۔ جو قریب قریب فرش سے اٹھا ہی چکا تھا۔

”ٹھیک ہے! بالکل ٹھیک ہے۔“ کرتل بڑا لایا۔ ”تم بھی تیہ چن کی طرح سمجھدار ہو۔“ تمہاری بڑی تعریفیں کرتی ہے۔ کاش اس وقت وہ تمہیں جنگ کرتے دیکھتی۔“

حمد اس وقت سو فیصد ای الو ہو رہا تھا۔ ویسے ہی اس کے سر میں یہ بات سماں تھی کہ اس اس وقت پالامار لیا تو فریدی عرصے تک شرمندہ رہے گا اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے ایک حسین لڑکی کا باپ اس حسین لڑکی کا حوالہ دے کر اس کا دل بڑھا رہا تھا۔ بہر حال حمید جوش میں آکر گوس کی اچھی خاصی مرمت کر دی اور اسی دوران میں اس کا سر کئی بار دیوار مکڑا دیا اور پھر وہ بھی واںگ کے برابر ہی لمبا لمبا لیٹ گیا۔ اس سے فرست پا کر حمید تیہ چن اسلام کی کشتی دیکھنے لگا۔ پستہ قد ڈاکٹر سلمان بڑا پھر تیلا تھا۔ وہ بار بار کسی لیسدار چھلکی کی طرح چن کی گرفت سے پھسل جاتا تھا۔

”اب سر جنٹ تم مجھے کھول دو۔“ کرتل نے حمید سے کہا۔

حمد جھو متا ہوا اس کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ تیہ چن نے انگریزی میں کہا۔

”سر جنٹ وہ دونوں نائیان اٹھا کر سلمان کے ہاتھ باندھ دو۔“

تیہ چن سلمان کو اونڈھا گرا کر اس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ پکڑ دیئے تھے۔ اچانک سلمان کسی غیر ملکی زبان میں زور سے چینا۔ جس پر تیہ چن نے ہنس کر کہا ”میں ان سب کو پہلے ہی ٹھکانے لگا پکا ہوں۔“

”واہ.... وا.... شباباش....!“ کرتل نے قہقهہ لگایا۔ ”تیہ چن میں تمہیں بہت بڑا بنا دوں گا۔“

”جناب کا شکر یہ۔“ تیہ چن نے بڑے سعادت مندانہ انداز میں کہا۔

اس دوران میں حمید نے ڈاکٹر سلمان کے ہاتھ باندھ دیئے تھے اور اب بیرون ہاتھ رہا تھا۔ پھر تیہ چن نے ڈاکٹر سلمان کو گریان سے پکڑ کر اٹھایا اور ایک کرسی پر ڈال دیا۔ ”تیہ چن زندہ باد۔“ کرتل نے نعرہ لگایا اور پھر آہستہ سے بولا۔ ”تیہ چن! سر جنٹ نے بہت

دکی ہے اور یہ ہمارے پیشے سے بھی واقع ہو گئے ہیں لہذا انہیں بھی سنچال لو۔“

حمد بوكھلا گیا۔ تیہ چن نے آگے بڑھ کر اس کا گریان پکڑ لیا۔ حمید کے لئے اب لپٹ جانے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا۔ لیکن اُسے بڑی حیرت ہوئی جب تیہ چن نے اس کے دلوں کاں چوم کر اس کا گریان چھوڑ دیا۔

”ہم چینیوں میں رسم ہے۔“ اس نے حمید سے کہا۔ ”کہ مارڈا لئے سے پہلے ہم اپنے دشمن کا ضرور پوچھتے ہیں تاکہ وہ ہماری طرف سے کدورت لے کر قبر میں نہ جائے۔“

”تم بڑے پر مذاق ہو تھیں!“ کرتل نہیں پڑا۔

”اور سنو میرے دوست۔“ تیہ چن نے حمید سے اردو میں کہا۔ ”اس شہر میں صرف دو وقوف رہتے ہیں، ایک اسپکٹر فریدی اور دوسرا سر جنٹ حمید۔“

”اُرے تم اردو بھی بول سکتے ہو تھے چن۔“ کرتل نے حیرت سے کہا۔

”ہاں کرتل۔“ تیہ چن نے اردو ہی میں کہا۔ ”میں دنیا کی پچیس زبانوں پر قدرت رکھتا ہوں۔“

”تم کسی اہل زبان کی طرح اردو بول لیتے ہو۔“

”ہاں کرتل۔“

حمد جھیڑتے سے آنکھیں پھاڑاے تھے چن کو دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ اب یہ تیہ چن کی آواز نہیں تھی۔

”اور تم اردو بولنے میں ہکلاتے بھی نہیں ہو۔“ کرتل نے کہا۔ ”حالانکہ اپنی مادری زبان دلنے میں بھی ہکلاتے ہو۔“

”کرتل....!“ حمید تیزی سے کرتل کی طرف مڑ کر بولا۔ ”یہ تیہ چن نہیں بلکہ تمہاری اور سلمان کی موت ہے۔“

”تیا.....؟“ کرتل اور سلمان کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

”ہاں کرتل سر جنٹ حمید ٹھیک کہہ رہا ہے۔“ تیہ چن نے اردو ہی میں کہا۔ ”اس نے پہلے گل ایک پچیس بات کی تھی کہ یہ اسپکٹر فریدی اور حمید کی مملکت ہے۔“

”تم.... تم....!“ ڈاکٹر سلمان ہکلا کر رہ گیا۔

”ہاں میں اسپکٹر فریدی ہوں۔“ تیہ چن پیچا توکل رات سے میری قید میں ہے لیکن کہ کبھی الیامک اپ دیکھا تھا۔“

فریدی خاموش ہو گیا اور کمرہ قبرستان معلوم ہونے لگا۔

”یہ کیا لغویت ہے۔“ تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر سلمان عصیل آواز میں بولا۔ ”تم نے اس دونوں کو کیوں باندھ رکھا ہے۔ میں تم پر مقدمہ قائم کر دوں گا۔“

”دھیرج! میرے عقائد تین انسان۔“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اس وقت تمہارا ایک بھی آزاد نہ ہو گا۔ تمہارے وہ پندرہ آدمی بھی حوالات میں ہوں گے، جنہیں تم نے اس عا کے گرد پھیلا دیا تھا اور تمہارے ساتھی گوس کو میرے ہی ایک آدمی نے تم پر پھیلا تھا؟

شاید یہ نہیں معلوم کہ میں چھ دن سے تمہارے پیچھے لگا رہا ہوں۔“

”بکواس ہے! مجھے کھول دو ورنہ اچھا نہ ہو گا۔ تم اگر فریدی ہو تو نہ جانے کیوں میرے پڑ گئے ہو۔ تم نے میری چڑھتائی۔ لوگ جو بی اسری کہ کام لے کر مجھے پڑھاتے ہیں۔“

”آف فوف!“ فریدی ہنس کر بولا۔ ”تو کیا اتنے اعتراضات کے بعد بھی تم اپنے پاگل بن کی آزلو!“

”باگل...!“ سلمان ہنس کر بولا۔ ”تم دونوں کے علاوہ اور کون جانتا ہے.... عدالت بھی جانبدار شہادت کو قابلِ اعتماد نہیں سمجھتی اور کر قل بھی شائد میر اسی ساتھ دیں۔“

”باگل! ہم دونوں ایک ہی ناؤ پر سوار ہیں۔“ کر قل نے کہا۔

”مگر وہ اعتراضات جو تمہاری جیب میں موجود ہیں۔“ فریدی بولا۔

”اوہ....!“ سلمان ہنس پڑا۔ ”کر قل بڑی صفائی سے کہہ سکتے ہیں کہ ان پسکڑ فریدی نے میری پر پستول کی نال رکھ کر ان اعتراضات پر مستحکم کرائے تھے تاکہ مجھ سے اپنی پرانی دشمنی نکال سکیں۔“

”ڈاکٹر سلمان۔“ فریدی گھٹ کر بولا۔ ”کیا چیاگ کے قتل میں تمہارا ہاتھ نہیں تھا۔“

نے اس لئے نہیں مردا لا کہ وہ تم سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ تم بھی مثلاً کے ناجائز لین دین کرنے والے ایک گروہ کے سرگرم کارکن ہو۔ وہ گروہ جو میں الاقوای گروہ جا سکتا ہے۔ مانا اوز کی بر لش ربر سپلائی کپنی جس کا ہیئت آفس مانا اوز ہے۔ کیا کر قل داراب بھی کی ایک شاخ کا انجصار ج نہیں ہے۔ وہ شاخ جو یہاں کام کر رہی ہے۔ کیا تم نے اپنے بیٹے کی موہ اپنی بادداشت کو پیشئے کا بہانہ نہیں بنایا تھا۔“

”تم بہت کچھ جانتے ہو۔“ ڈاکٹر سلمان مسکرا کر بولا۔ ”لیکن سب بیکار ہے تم کی باد شہوت بہتر پہنچا سکو گے۔ کیا فائدہ... مجھ سے ایک کروڑ روپیہ لو اور مزے کرو۔ تم ایک ڈا

”ووکے ہو لہذا تمہیں نوابوں ہی کی شان سے رہنا چاہئے۔“
”میں رشوت لئے بغیر بھی نوابوں کی طرح رہ سکتا ہوں.... شکریہ۔“ فریدی نے خٹک میں کہا۔ ”اور کر قل داراب تم! تم پر بھی خون ہے۔ ہوئی ڈی فرانس والے حادثے میں مارا نہ والہ تھا را منتظر ہے۔“

داراب کچھ نہ بولا لیکن ڈاکٹر سلمان نے پر تشوش لبھ میں پوچھا۔ ”تم میرے متعلق اور کیا تھے ہو۔“

”سب کچھ جانتا ہوں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”کر قل یہاں کی شاخ کا انجصار تھا۔ اس نے ہبائی تجارت کا تین کروڑ روپیہ مار کر اپنے نام سے بینک میں جمع کر دیا۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ہبائی تجارت کا تین کروڑ روپیہ مار کر اپنے نام سے بینک میں جمع کر دیا۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ نے یہاں کی شاخ کو بالکل ہی الگ کر لیا اور خود ہی پورے کار و بار کا مالک بن بیٹھا گروہ والوں پھی بھادیے اس لئے وہ بھی اس کی مٹھی میں آگئے۔ اب ضرورت اس بات کی ہوئی کہ ہبیڈن کسی کو اس کی سر کوبی کے لئے سمجھے۔ اس کی نظر انتخاب تم پر ہی پڑی، مگر دشواری یہ تھی کہ ہاں کے حقوق شہریت لے چکے تھے اس لئے اگر تم یہاں آتے بھی تو ایک معینہ مدت تک کے اور یہ ضروری نہیں تھا کہ تم اس معینہ مدت میں کامیابی حاصل ہی کر لیتے۔ لہذا دوسری چال اگلی۔ تمہارے ہیئت آفس نے ہاں کے حکام کو بھاری رشوت دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ اسے شہری حقوق سلب کر لئے جائیں اور تمہیں پاگل قرار دے کر پھر تمہیں تمہارے شہر میں بکار دیا جائے، چنانچہ بھی ہوا لیکن تم پورے پاگل بننے بنے۔ اگر پورے پاگل بننے تو تمہیں بھاری اسٹ پاگل خانے میں بھجوادیتی اور ظاہر ہے کہ پھر وہ کام نہ ہو سکتا جس کے لئے تم یہاں سمجھے تھے۔ لہذا تم اپنی یادداشت کو بیٹھنے اور وہ بھی محض جو بی اسری کہ کے سلسلے میں۔ پلان ذہانت سے بھر پور تھا۔ تم نے وہ طریقے اختیار کئے جس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ تمہارے میئے کی اچانک اسٹ کی وجہ سے یہ ذہنی تبدیلی ہوئی ہے۔ اس طرح تم باہر نفیات کے لئے ایک ٹکا سیکل قدم کا میں بن گئے۔ ایک طرف ماہر نفیات تم میں دلچسپی لیتے رہے اور دوسری طرف تم اپنا کام اسٹ رہے۔ کر قل داراب تمہاری آمد کے مقصد سے واقف تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ تم اچھے اسے ہو۔ میئے کی موت نے تم پر کبھی کوئی رہا۔ تم نہیں ڈالا تھا، لہذا اس نے کوشش کی کہ تمہیں ہبیڈن کی نظر دل میں اور زیادہ پُر اسر ار پیدا کئے اور پوپلس تمہارے پیچھے لگ جائے اور نتیجے کے طور

پر تمہیں بہاں سے بھاگنا پڑے۔ اس مقصد کے لئے والگ نے ایک بیر و زگار آدمی کو پچانزا زرینہ دکھائی گئی۔ والگ نے اُسے ایک پیکٹ دیا اور سمجھا دیا کہ وہ زرینہ سے ملے اور اس کے وہ اُسے ڈاکٹر سلمان کے متعلق ایک راز کی بات بتانا چاہتا تھا۔ ہوٹل ڈی فرانس اس کا، لئے تجویز کیا گیا۔ اس پیکٹ میں ایک نائم بم تھا لیکن اس آدمی سے کہا گیا کہ اس میں گھری وہ گھری آٹھ بج کر پانچ منٹ پر زرینہ کو دی جائے گی، لیکن اس بم کے پیشے کا وقت ساڑھے بجے تھا۔ وہ غریب آٹھ بج کر پانچ منٹ ہونے کے انتظار میں اسے جیب ہی میں ڈالا ہبھ حال وہ ساڑھے سات بجے اس کی جیب میں چھٹ گیا۔ اس غریب کو جتنا بتایا گیا وہ اتنا ہے سکا۔ نائم بم اس کی جیب میں تھا۔ اس نے زرینہ صرف زخی ہو گئی۔ مقصد بھی یہی تھا کہ زندہ رہے اور اس کے متعلق پولیس کو پیلان دے۔ یہ تو ہوئی کرتل داراب کی حرکت اور اپنی حرکتیں سنو۔ تم بھی اس فکر میں تھے کہ پولیس کو کرتل پر کسی قسم کا شہبہ ہو جائے اور اس نے تم نے مجھے اور حید کو منتخب کیا۔ اپنے لے بیوقوف کے ذریعہ ہم دونوں کو کھلائی کے، میں پھانسا اور اپنی ایک مشین کے ذریعے خاصے کر جب دکھائے۔ وہ مشین اس وقت آدمیوں کے قبضے میں ہو گئی، حالانکہ تم نے اُسے بہت چھپا کر رکھا۔ ہبھ حال صبح ہوش میں کے بعد جب ہم لوگ جائے وقوع پر پہنچے تو ہمیں وہاں نادورہ کا ایک بھیر کلپ ملا جس کا مطلا تھا کہ اچھل کو دچانے والی نادورہ ہی تھی اور وہ جال کرتل نے پھیلایا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا لوگ کرتل کے پیچے لگ جائیں اور کرتل بوكھلا کر کاروبار ان تین کروڑ روپیوں سمیت تم حوالے کر دے۔ ویسے حقیقتاً تو دونوں کی کوشش بھی تھی کہ اصل معاملے کی خبر پولیس ہونے پائے اور تم میں سے کسی ایک کا کام بن جائے۔ کیوں کرتل تم خاموش کیوں ہو کیا ہا کہہ رہا ہو۔ ویسے تمہیں اس نے فکست ہوئی کہ سلمان نے تمہارے آدمیوں کو توڑ لیا۔

کرتل کچھ نہ بولا لیکن سلمان نے کہا۔ ”میں آج تمہاری ذہانت کا قائل ہوں مگر میر تم ہمارے خلاف کوئی ٹھوٹ بھئن پہنچا سکو گے۔ میرے آدمی لوہے کے بنے ہیں وہ مر جائیں لیکن اقبال نہ کریں گے۔“

”مھن تمہارا ہی اعتراف کافی ہے ڈاکٹر۔“ فریدی سگار سلکتا ہوا بولا۔ اس دوران میں حید نے گوس اور والگ کو بھی باندھ لیا تھا۔ تھوڑی دیر تک خاموش

ختم شد

پیش رس

”چیختے در تپے“ ان شاہ کار ناولوں میں سے ایک ہے جس کی مقبولیت کا راز اس کے عجیب و غریب کردار اور ان کی مضمکہ خیز خصوصیات ہیں۔ ڈاکٹر زیبو، پروفیسر چنگھاڑنی اور پروفیسر ٹی۔ اے جھوس کے نام ہی ایسے ہیں، جو تقبہ اگنیز ہیں ان کی خصوصیات اور بھی حیرت اگنیز ہیں۔ مثلاً ٹی۔ اے جھوس کو ایک اصل مرغ کی تلاش ہے اور پروفیسر چنگھاڑنی ایک اٹھ سے تین زردیاں پیدا کر چکا ہے۔ اسی طرح ایک ایسی لڑکی بھی ہے جو نمائی سے چڑھتی ہے، جس کے لئے ایک انوکھا لفظ ”بُوں ٹُر“ ایک مصیبت بن گیا ہے۔

یہ تمام واقعات، جو بظاہر محض تفریحی نظر آتے ہیں، دراصل ایک دلکش اور سنسنی خیز کہانی کی کڑیاں ہیں اور جرام کے ایسے پہلو سامنے آتے ہیں، جو چونکا دینے والے بھی ہیں اور قابل غور بھی! اس کہانی کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا تحریر اور اس کا جرم ہے! جرم کے سامنے آتے ہی قاری کے ذہن کو جھٹکا لگتا ہے اور پھر وہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے اور ابتدائی تفریحات کی نوعیت بالکل ہی سنجیدگی میں بدل جاتی ہے۔

(مکمل ناول)

چیختے در تپے

آجائے۔” فریدی نے کہا، جو ایک آرام کر سی پر پڑا آج کا اخبار دیکھ رہا تھا۔
میک خاتون...!“ دیتر نے اندر داخل ہو کر کہا۔
آنے والے!“ فریدی نے اخبار رکھ کر سیدھے بیٹھتے ہوئے کہا۔
وسرے لمحے میں حمید کے مر جھائے ہوئے چہرے پر تازگی دوڑ گئی کیونکہ اندر آنے والی
بنت نہ صرف جوان تھی بلکہ حسین بھی تھی۔

فریدی اُسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور حمید کو بھی اس کی تلقین کرنی پڑی۔
”اوہ آپ ہیں۔“ عورت نے منہ سے بے اختیار نکلا۔ لمحے میں بھلی سی خوشی بھی شامل تھی۔
”بیٹھئے۔“ فریدی نے کری کی طرف اشارہ کیا۔

حمد کو اس کا چہرہ پچھے جانا پچھانا سا معلوم ہو رہا تھا لیکن یہ یاد نہیں آ رہا تھا کہ اس نے اُسے
لماں اور کب دیکھا تھا۔
”مجھے توقع تھی کہ ڈیڑی آپ ہی کو بھیجن گے۔“ عورت نے فریدی سے کہا اور پھر وہ حمید
طرف دیکھنے لگی۔

”یہ سر جنت حمید ہیں۔“ فریدی بولا۔
”اوہ.... اچھا.... مجھے بڑی خوشی ہے کہ آپ لوگ تشریف لائے۔ اب میں کافی مطمئن
ہوں۔“

حمد نے فریدی کی طرف گھور کر دیکھا اور پھر ہونٹ سکوڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ وہ
ہر رہا تھا کہ یہ کس قسم کا ڈیڑی ہو سکتا ہے جس نے فریدی عیسیے سُنگ خار کو اپنی بے بی کے پاس
ٹکرایا اور فریدی صاحب دوڑتے چلے آئے۔

”جلوید صاحب کی صانت ہو گئی؟“ فریدی نے پوچھا۔
”تھی ہاں! پرسوں رہا ہوئے ہیں اور ایک عجیب بات ہے۔ پرسوں وہ ذرہ برادر بھی فکر مند
کیا نہ رہتا تھے، لیکن کل رات سے ان کی حالت ابتر ہے۔“

اس پر حمید نے عورت کو گھور کر دیکھا اور اُسے سو فیصدی یقین ہو گیا کہ جلال آباد بھی اس
لذامت ہی لے آئی ہے۔ حمید نظر تکام چوریا کامل نہیں تھا لیکن فریدی کی طرح ہر وقت اپنے
کام کا بھوٹ سوار کئے رکھنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔

لنگرخانی کو ٹھٹھی

سر جنت حمید بہت زیادہ اداس تھا۔ اداس کی بات بھی تھی۔ اُسے توقع تھی کہ قیام کی
ہوٹل میں ہو گا جہاں دچپیاں ہوں گی، لیکن جلال آباد پہنچ کر فریدی نے ایک ایسے ہوٹل
قیام کیا جہاں دچپی تو الگ رہی کوئی چیز سیکھ کی نہیں تھی۔

فریدی کو اچانک جلال آباد آنے کی سوچ بھی تھی اور اس نے اپنے بیٹک سے کافی روپیہ
آباد کے ایک بیٹک میں منتقل کر دیا تھا۔ اس نے حمید کو اپنے اس سفر کی وجہ نہیں بتائی
حقیقت تو یہ ہے کہ حمید نے پوچھنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی تھی! وجہ بھی صاف تھی۔
تجربات کی بناء پر حمید کو یقین تھا کہ وہ پوچھنے پر بھی نہ بتائے گا لہذا خواہ مخواہ اپنی زبان کو تھکانا
بہترنہ معلوم ہوا۔

حمد اپنی زندگی کی یکسانیت سے عاجز آچکا تھا اس نے اس نے سوچا کہ تھوڑی سی تبدیلی
غیرمیں ہے! اپنی کیا کم تھا کہ وہ اپنے شہر سے ذور ایک دوسرے شہر کی فضائیں سانس نے ا
ایسے شہر میں جہاں نہ اس کا آفس تھا اور نہ وہ بیز تھی جس پر وہ دن بھر میٹھے کر فالکوں میں
کرتا تھا۔

بچھلی شام کو وہ جلال آباد پہنچ تھے اور آج صبح سے فریدی کسی کا منتظر تھا۔ اس بار حمید
جس تھبیہ کر لیا تھا کہ وہ کسی بات میں بھی دخل نہ دے گا۔ اس کا اندازہ تو اُسے پہلے ہی ہو گیا
فریدی کسی بہت ہی اہم کام کے سلسلے میں آیا ہے۔ حمید خود کو ہر بات سے قلعی بے قلع
کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ٹمک نوبجے کسی نے ان کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔

"حالات ابتر ہونے سے آپ کی کیا مراد ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"یعنی ایک طرف وہ بیکی کہے جا رہے ہیں کہ میں بے گناہ ہوں اور دوسرا طرف انہیں جانے کیوں اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ انہیں پچائی ہو جائے گی۔ کل رات سے بہت زیاد پریشان ہیں۔ پچھلی رات ان کی وجہ سے گھر کا کوئی فرد نہیں سو سکا۔" "کیا بات تھی؟"

"بس بار بار اٹھ کر ٹھیلنے تھے اور پھر ان پر غشی کا دورہ پڑ جاتا تھا۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا ہا پھر بولا۔ "کیا انہوں نے اس کا اعتراف کر لیا ہے کہ وہ روپیں کا تھا۔"

"جی ہاں انہوں نے بے دھڑک اپنا بیان دیا تھا اور یہ بات پولیس کو جتنا بھی دی گئی کہ کسی اُن کو پھنسانے کے لئے سازش کی ہے اور گرفتار ہونے سے قبل بھی وہ ہنس کر کہا کرتے کہ ان کا باال بھی کوئی پیکا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ بے گناہ ہیں۔ مگر کل رات سے انہیں نہ جانے ہو گیا ہے۔"

"پولیس نے انہیں شہبے کی بیان پر گرفتار کیا تھا؟" فریدی نے پوچھا۔

"شہبہ کہاں! پولیس کو تو یقین ہو گیا ہے۔ انہوں نے جاوید کو سخت اذیتیں دی ہیں،؟ اعتراف جرم نہ کر سکے اور فریدی بھائی کل رات سے خود جاوید ہی بنے کہنا شروع کر دیا ہے انہیں اب کوئی پچائی سے نہیں بچا سکتا۔"

"عجیب بات ہے۔" فریدی بولا۔ "انہوں نے اقرار جرم نہیں کیا۔۔۔ اور یہ بھی کہتے ہیں پچائی ۔۔۔!"

"اسی پر توجیہت ہے۔" عورت نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا معاہ ہے اور وہ کچھ بتاتے بھی نہیں۔"

فریدی تھوڑی دیر کچھ سوچتا ہا پھر بولا۔ "کیا وہ کل شام کو کہیں باہر گئے تھے۔" "جی ہاں گئے تو تھے۔"

چند لمحے خاموشی رہی۔ حمید اپنے پاپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔

فریدی اُس کی طرف مڑ کر بولا۔ "بڑا لوچپ کیس ہے۔"

"چھا۔۔۔!" حمید نے حیرت کا انہما کیا۔ لمحہ میں ہلاک سا طنز بھی شامل تھا اور طنز کی تہہ میں بغاٹت تھی۔

فریدی پھر اُس عورت سے مخاطب ہو گیا۔ "آخر انہوں نے اس بات کا اعتراف کیوں کر لیا۔ وہ روپاں انہیں کا تھا، اُسے وہ بڑی آسانی سے نظر انداز کر سکتے تھے۔" "وہ ایک بہت بڑی مجبوری تھی۔" عورت نے معموم لمحہ میں کہا۔ "گھر کے تقریباً سارے رواں کے بہتیرے احباب اُس روپاں کو پہچانتے تھے۔"

"یا اس میں کوئی خاص بات تھی۔"

"اُسے بد قسمتی ہی کہنا چاہئے۔ وہ روپاں دراصل فرانس سے اُن کے ایک دوست نے بھجا اُس میں یہ خصوصیت تھی کہ اس پر نی ہوئی تصویریں انہیں میں چکنے لگتی تھیں اور چکنے والے حروف میں اس پر اُن کا نام بھی لکھا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ چیز انوکھی تھی اس لئے جاوید اُسے قریب قریب اپنے سارے دوستوں کو دکھایا تھا اور گھروالے تو خیر و اقتدی تھے۔"

"اُس عمارت میں کوئی نہیں رہتا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں۔۔۔ وہ شکستہ حالت میں ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ کو وہاں تک لے جاؤں۔"

"میں خود ہی دیکھ لیوں گا۔ آپ مطمئن رہئے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن آپ جاوید سے بھی بات کا تذکرہ نہ کیجئے گا کہ آپ کسی سے مدد لے رہی ہیں۔ دوسرا بات کیا اس عورت کے ملک آپ مجھے کچھ بتا سکیں گی۔"

"اتا ہی کہ وہ اچھی عورت نہیں تھی۔"

"کیا وہ آپ کے گھر کے قریب ہی کہیں رہتی تھی۔"

"تو ہوڑے ہی فاصلے پر۔۔۔ اور ایک بات اور بھی سننے میں آرہی ہے۔ وہ یہ کہ اُس کی زندگی برثمد ہی۔ پچاس ہزار کا یہ س تھا۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ اس کے شوہر ہی کی حرکت ہو سکتی بھاں نے نیتے کاروپیہ حاصل کرنے کے لئے اُسے قتل کر دیا۔"

"خیال نہ رہا نہیں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "آپ نے ابھی کہا ہے کہ وہ اچھی عورت نہیں تھیں۔"

نم نہ انہیں پہچانا نہیں۔ یہ ہمارے ذمی۔ آئی۔ جی کی بڑی صاحبزادی محترمہ سعیدہ ہیں۔ ”
حمد نائٹ میں آگیا۔ ہر حال اُسے خوشی ہوئی کہ فریدی نے اُسے نقشی میں ٹوک دیا۔
بِدَنَةَ جَانَےِ كِيَا بَكَ گَيَا ہوتا۔

”اوہ! بڑی خوشی ہوئی۔“ حمید نے پاپ سلاگانے کا رادہ متوجہ کرتے ہوئے کہا۔
”میرا خیال ہے کہ اُس کی ایک چھوٹی بہن ہے اور اس کے شوہر کے ہی پاس رہتی ہے۔“
پہنے کہا اور فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”یہ بہت اچھی بات ہے۔“ اس نے کہا۔ ”ہمیں اس سے بہت مدد ملتے گی۔ ہاں ایک بات،
یہ صاحب سے ملاقات کب ہو سکتی ہے۔“

فریدی کے اس سوال پر حمید کو حیرت ہوئی۔ ظاہر ہے کہ فریدی کسی خاص کام کے لئے
آئی۔ جی ہی کی طرف سے بھیجا گیا تھا اور اس کام سے اس جاودی کا بھی تعلق تھا۔ پھر آخر
یہ اُس سے ملاقات کے سلسلے میں اس طرح کیوں پوچھ رہا تھا۔

”ہاں یہ سوال غور طلب ہے۔“ سعیدہ کے چہرے پر تشویش کے آثار پیدا ہو گئے، وہ چند لمحے
ہو چکی رہی پھر بولی۔

”پروڈیز صاحب کو تو آپ نے دیکھا ہی ہے اور شائد وہ بھی آپ کو پہچانتے ہیں۔ آج شام کو
نہ انہیں پروڈیز صاحب ہی کیسا تھہ برادر ہوڑ کلب بھجواؤں گی۔ برادر ہوڑ کلب کی عمارت...!“
”مجھے معلوم ہے! جلال آباد میرا دیکھا ہوا ہے۔“ فریدی نے اُس کی بات کاٹ دی۔ ”مجھے
بننے ہے کہ پروڈیز صاحب مجھے پہچان جائیں گے۔ خیر فکر نہیں۔ میں انتظام کرلوں گا۔“

اس کے بعد فریدی نے کسی نامعلوم کیس کے سلسلے میں اور بھی بہت سی معلومات ہم
پہچائیں۔ حمید کی اکتاہٹ بڑھتی رہی، چونکہ اُسے کسی بات کا علم نہیں تھا اس لئے وہ خاموش بیٹھا
گا تھا اور اسے اپنی سیکی بیکاری کھل رہی تھی، ورنہ کسی خوبصورت عورت کا قرب ہی اُسے چکانے
کا لئے کافی ہوتا تھا۔

لیکن اُسے جلد ہی بولنے کا موقع مل گیا کیونکہ اب وہ دونوں ذاتیات پر گفتگو کر رہے تھے۔
”اور آج کل کیا مشغله ہے۔“ سعیدہ کہہ رہی تھی۔ ”کہنے آپ اب بھی سائب پالتے ہیں۔“
”مگر ہاں! اب تھوڑے سے رہ گئے ہیں! صرف ڈیڑھ سو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”میں کیا بہترے بھی کہتے ہیں۔ وہ پر لے سرے کی او باش تھی۔“

”جاودی صاحب سے اُس کے تعلقات تو نہیں تھے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”ظاہر تو ایسا نہیں معلوم ہوتا لیکن پولیس نے اپنی رپورٹ میں بھی لکھا ہے۔“

”آپ کو یقین نہیں ہے۔“ فریدی نے سوال کیا۔

”میں جاودی کے متعلق ایسا نہیں سوچ سکتی۔ وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔“

”ہوں....!“ فریدی کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر اس نے پوچھا۔ ”ایسا
بات مقتولہ کے شوہر نے پولیس کو بتائی تھی۔“

”اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔“

”شوہر بُوڑھا آدمی ہے۔“

”جی نہیں۔“

”اس کی ماں حالت کیسی ہے۔“

”وہ ایک دولت مند تاجر ہے۔“

”کیا مقتولہ کا آپ کے یہاں آنا جاتا تھا۔“

”نہیں! وہ ہمارے یہاں کبھی نہیں آئی۔“

”اور جاودی صاحب! کیا اس کے شوہر سے ان کے تعلقات تھے۔“

”غالباً کار و باری حد تک۔“

”کیا جاودی صاحب کا بھی کوئی کار و بار ہے۔“

”جی نہیں.... وہ دادا جان کے تجارتی نمائندے ہیں۔“

”تھوڑی دیر کے لئے پھر سکت ہو گیا۔... اب حمید نری طرح الجھنے لگا تھا۔“

”کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ سہ کس کمپنی کا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”یوریشن انڈر نش کمپنی کا۔“

”اوہ....!“ فریدی پھر کچھ سوچنے لگا۔

”حمد بھی کچھ بولنے کے لئے نرمی طرح بے تاب تھا۔“

”اس عورت کی کوئی چھوٹی بہن بھی ہے۔“ حمید نے پوچھا اور فریدی نے جلدی سے کہا۔ ”جب“

"تھوڑے سے۔" سعیدہ حیرت سے بولی۔ "ڈیڑھ سو کم ہیں۔"
"پہلے میرے پاس پانچ سو سانپ تھے۔" فریدی بولا۔

"جی ہاں۔" حمید بولا۔ "اس نگھے میں آنے سے قل ہم لوگ میں بھی بجا لیا کرتے تھے۔"
سعیدہ بے اختیار مسکرا پڑی اور فریدی نہ کہ بولا۔ "حمید صاحب بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔
"میں نے نہا ہے۔" سعیدہ نے کہا اور اپنے دامنے ہاتھ کے ناخن دیکھنے لگی۔
اور پھر جب سعیدہ چل گئی تو حمید سر کے بل کھڑا ہو گیا۔ لیکن فریدی۔ وہ پھر اخبار دیکھنے
تھا۔ حمید نے دیکھا کہ فریدی نے اس کی حرکت کی طرف توجہ ہی نہیں دی تو وہ اپنی اُ
حالت پر آگیا۔

"آپ شاکر یہ سوچ رہے ہوں گے میں آپ سے کچھ پوچھوں گا؟" حمید نے چیخ کر پوچھا
"پوچھو! کیا پوچھنا چاہتے ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔
"مردگک کے کہتے ہیں۔"
فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید چند لمحے اُسے گھوٹا کر پھر بولا۔ "میں آپ سے ہر گز یہ نہ پوچھتا
گا کہ آپ یہاں کس لئے تشریف لائے ہیں۔"
"مجھے خوشی ہو گی۔" فریدی نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر میں فون کار ریسور اٹھالیا۔ دوسرا۔
میں وہ کسی سے گلگلو کر رہا تھا۔

"نمبر پلیز! اودہ شکر یہ۔ دیکھنے ذرا رفت صاحب کو کلکٹ کر دیجئے۔ شکر یہ! یہلو! کیا رغماً
صاحب ہیں.... اوہ.... اچھا.... روئی کا بازار کیسا ہے.... کیا.... دوپیسے گرگئے.... میرے غا
کل بازار پھر چڑھے گا۔ اُسے لکھ لیجھ۔ اگر آج شام کو برادر ہوڑ کلب میں میرا سات بجے تک
انتظار کیجھ گا تو بہتر ہو گا.... مجھ سے تعاون کیجھ۔ اگلے مینے تک ہم یہاں کے کائن کلگ ہوں
گے.... برادر ہوڑ کلب.... جی ہاں.... میز نمبر پندرہ میرے لئے مخصوص ہے.... اکا؛
انتظار کیجھ.... بس سات بجے آجائیے.... شکر یہ۔"

فریدی نے ریسور کہ کر سگار سلاکیا۔ اور پھر ریسور اٹھالیا۔

"یہلو برادر ہوڑ کلب.... سیکریٹری صاحب.... اوہ.... دیکھنے میں کمی ایکچھ سے بول رہا
ہوں.... رفت نیم کے نام سے آج شام کے لئے میز نمبر پندرہ بک کر لیجھے.... اوہ شکر یہ....

یہ شکر یہ.... میں رفت نیم ہی بول رہا ہوں۔"

زیدی ریسور کہ کر حمید کی طرف مڑا اور بڑے دلاؤز انداز میں مسکانے لگا۔

"آپ نے روئی کا کار و بار کب سے شروع کر دیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"آج ہی سے.... کیا یہ تمہیں پسند نہیں۔"

"مجھے صرف یہ پسند ہے کہ روئی کی کاشت کرنے والے سراغ رسان نہیں ہوتے۔ کیا آج
بیوی نہیں کریں گے۔"

"جب کوئی اچھا جلد نہ سو جھا کرے تو خاموش ہی رہا کرو۔"

"میں تو صحیح ہی سے خاموش ہوں۔" حمید نے کہا اور پھر کچھ نہ بولا۔

اس کا اندازہ تو کوئی موٹی عقل رکھنے والا بھی لگا سکتا تھا کہ وہ کوئی قتل کا کیس تھا جس کا قتل
وہ عورت تھی اور جاوید غالباً شہی میں دھر لیا گیا تھا اور اب اس نے فریدی کی زبان سے ایک
رام سناتھا۔ رفت نیم! آخر یہ کون تھا؟ فریدی نے اُسے فون پر دھوکا کیوں دیا۔ اس سے کہا
ਗواں بنے پندرہ نمبر کی میز بک کرائی ہے، لیکن بعد میں بکگ بھی رفت ہی کے نام سے کرایا۔
فریدی اخبار میں ڈوب گیا تھا اور حمید کا ذہن ان معاملات میں الجھ رہا تھا۔ آخر سعیدہ کا اس
ملے سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ اتنا تو اسے پہلے سے بھی معلوم تھا کہ ذہی۔ آئی۔ جی کی لڑکی
ل آباد میں بیا ہی گئی تھی۔ تو کیا یہ جاوید اس کا شوہر تھا؟ مگر پھر یہ رازداری کیسی؟

اس نے سر اٹھا کر فریدی کی طرف دیکھا۔ فریدی بھی اس دوران اسی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"کیوں....؟" فریدی مسکرا دیا۔

"کچھ نہیں....!" حمید نے بڑی معمویت سے کہا۔

"چلو کہیں گھوم آئیں۔" فریدی بولا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں صرف اپنے محور پر گھومتا ہوں۔" حمید نے بڑی بے تعلقی سے کہا۔

"یہ جملہ کہا ہے تم نے بڑی دیر بعد۔ چلو پہنچو کپڑے۔ میں یہاں تمہاری دلچسپیوں میں حارج
نکل بھوں گا۔ تمہارے نقطہ نظر سے جلال آباد بڑی اچھی جگہ ہے۔"

"سنئے جتاب۔" حمید بھنا کر بولا۔ "میں آج کل سراغ رسانی کے موڑ میں نہیں ہوں۔"

"لا جلو ولا قوتہ! حمید صاحب آپ اور سراغ رسانی! آپ میں سراغ رسانی کی صلاحیت بھی
ہوں.... رفت نیم کے نام سے آج شام کے لئے میز نمبر پندرہ بک کر لیجھے.... اوہ شکر یہ....

حید اور ٹماڑ

سلسلہ منقطع ہو جانے کے بعد بھی حید بوکھاہٹ میں کئی سینڈسٹک "بیلو بیلو" کرتا رہا اور بے اسے کوئی جواب نہ ملا تو ریسیور کو اس طرح گھورنے لگا جیسے سارا قصور اسی کا ہو۔ اگر اسے یہ معلوم ہوتا کہ سعیدہ کہاں سے بولی تھی تو وہ اسے دوبارہ فون کر کے یہ ضرور ہاکہ یہ لنگری کوٹھی کس چڑیا کا نام ہے۔ اب کوٹھیاں بھی لوٹی لنگری ہونے لگیں۔ بہر حال یہ صرف ایک بات کے متعلق بڑی سمجھیگی سے سوچ رہا تھا۔ بھی کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے، رہے سے نکل جھاگے۔ ورنہ یہ کم بخت میں فون زندگی تلخ کر دے گا۔ اسے اس نام معمول ایجاد بڑی نفرت تھی۔ اگر اس کا موجود ایک بار بھی اسے دستیاب ہو جاتا تو وہ اسے پھٹے پرانے ل کاہد پہنائے بغیر نہ مانتا۔

میں فون کا استعمال وہ طوعاً و کرہا کرتا تھا اور گفتگو کرتے وقت اس بات کی کوشش کرتا تھا کہ کاچھرے کسی لاش کے چہرے کی طرح بیجان نظر آئے۔ ایسے موقع پر اسے اپنے سیکھن کا ہیڈ پ ضرور یاد آتا تھا، جو فون پر اپنے آفیسروں سے گفتگو کرتے وقت بڑی عازیزی سے دانت ہاریا کرتا تھا۔ وہ لڑکیاں یاد آتیں، جنمیں حید نے فون پر گفتگو کرتے وقت مسکراتے جاتے اور اسے دیکھا تھا۔

"وہ سب اسے انوکے پٹھے اور احق معلوم ہوتے تھے اسی لئے فون پر گفتگو کرتے وقت وہ بچہرے کو بیجان بنائے رکھنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔

اس نے بڑی کراہت کے ساتھ ریسیور رکھ دیا اور بکس سے کپڑے نکالنے لگا۔ وہ اپنے ذہن اسی بے سروپا کیس میں نہیں الجھانا چاہتا تھا۔... جاوید.... رفتہ فیم... سعیدہ.... فلم.... اندر ہرے میں چکنے والا رومال.... اور لنگری کوٹھی.... لا حول ولا قوۃ! انداھا ان.... کافی عمارت! گوناگونیکہ! اس نے جھاکر سوٹ کیس خیخ دیا۔

لباس تبدیل کر کے وہ فارغ ہی ہوا تھا کہ پھر فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے دانت پیس کر ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے شائد سعیدہ ہی کہہ رہی تھی۔ "فریدی صاحب! کیا فریدی صاحب ہیں۔" "تھی نہیں میں سرجنت حید ہوں۔ فریدی صاحب کہیں باہر گئے ہیں۔"

ہے! میں تو آپ کو صرف مکرہ سمجھتا ہوں۔"

"چلنے ہیں کہیں! آپ مجھے تاؤ نہیں دلاتے۔"

"تاؤ تو صرف شاہی نسلوں کے لوگوں کو آتا ہے۔" فریدی نے فخر یہ انداز میں سینہ تانہ میں جانتا ہوں کہ آپ کا سلسلہ براور است محمد تلقن سے ملتا ہے۔ "حید ہونٹ بولا۔" لیکن ضروری نہیں کہ آپ ذرا ذرا اسی بات پر اس کا حوالہ دیتے پھریں۔"

"جب کوئی تمہاری تعریف کرتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اس کا گلا گھونٹ دوں۔" "میں جانتا ہوں کہ خود کشی آپ کیلئے مقتدر ہو چکی ہے۔" حید نے پاپ سلاکتے ہوئے کہ "بہر حال مجھے افسوس ہے کہ مفت میں تمہیں اتنی شہرت نصیب ہو گئی۔" فریدی ہوا بولا۔ "تو تم نہیں چلو گے۔"

"بھی نہیں..... میں اپنی پچھلی نیند پوری کر دوں گا۔"

فریدی نے پھر کچھ نہیں کہا۔ حید اسے باہر جانے کے لئے بس تبدیل کرتے دیکھتا رہا "اچھا تو پھر چچے شام کو برادر ہوڑ کلب کے قریب ملا۔" فریدی نے کہا اور آخری نظر ڈالتا ہوا ایک چھوٹا سا سوٹ کیس اٹھا کر باہر نکل گیا۔

حید کچھ سوتا چاہتا تھا۔ پچھلی رات اسے اچھی طرح نیند نہیں آئی تھی۔ اس نے دین کر دوپھر کا کھانا منگوایا۔

اور جب وہ کھانا ختم کرنے کے بعد لینے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ میں فون کی گھنٹی بجتے گی۔ نے جھلا کر ریسیور اٹھایا۔

"بیلو....!" دوسری طرف سے ایک نسوی آواز آئی۔ "کون! فریدی بھائی۔"

"بھی نہیں سرجنت حید۔"

"اوہ دیکھئے میں سعیدہ بول رہی ہوں۔" لبھے میں گھبراہٹ تھی۔ "فریدی بھائی سے دیکھئے کہ پچھلی رات کو بھی لنگری کوٹھی میں وہ عجیب و غریب روشنیاں دکھائی دیں تھیں۔ اپڑوں کے اطلاع دی ہے۔"

گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"اوہ.... جاوید پر بیوہ شی کا دورہ پڑا گیا ہے۔ خیر جانے دیجئے۔ میں پھر ملوں گی۔ میں پریشان ہوں۔"

"جی....!"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔ حمید ایک جھنکے کے ساتھ رسیور کہ کر دروازے کی طرف مڑ گیا۔

ہوش سے نکل کر فٹ پا تھے پر کھڑا ہو کر وہ سوچ رہا تھا کہ کہاں جائے۔ اس سے قبل اس کی بار جلال آباد آچکا تھا۔ اس لئے اُسے زیادہ الجھن نہیں ہوتی۔ بہر حال اُس نے فٹ پا کھڑے ہی کھڑے تہیہ کر لیا کہ اس ہوش میں تو ان کا قیام نہیں رہے گا۔

بس وہ یونہی بے مقصد ایک طرف چلنے لگا۔

تقریباً ایک گھنٹے تک آوارہ گردی کرنے کے بعد وہ ایک ایسی عمارت کے سامنے کھڑا جس کے ایک حصے پر اُسے "کرایہ کے لئے خالی ہے" مکا بورڈ نظر آ رہا تھا۔

عمارت کافی طویل و عریض تھی جس کے سامنے ایک خوبصورت پائیں باغ کی چہرہ دیا پر مختلف قسم کی پھولدار بیلیں پھیلی ہوتی تھیں۔

حمدی سوچنے لگا کہ کیوں نہ اس مکان کے لئے بات چیت کی جائے۔ یہ بات تو اس پر خلا ہو چکی تھی کہ یہاں ان کی مدت قیام طویل بھی ہو سکتی تھی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو فریڈی اس روضہ جلال آباد کے بیکوں میں کیوں نہ انسفر کرتا۔

حمدی نے دیکھا۔ پائیں باغ کا چھانک کھلا ہوا تھا۔ اس نے اپنی نائی کی گرد و رست کی اور چپ پر رومال پھیرتا ہوا چھانک میں داخل ہو گیا۔ سامنے ایک لمبی سی روشن تھی، جو عمارت برآمدے کی سڑی ہیوں تک چلی گئی تھی۔ روشن پر درویہ مہندی کی بڑا ہیں تھیں۔ حمید سب ایک ہی نظر میں دیکھ لیا، ورنہ شاید اس کی نوبت ہی نہ آتی کیونکہ جیسے ہی اس نے چھانک قدم رکھا تھا ایک بھاگتا ہوا نوجوان اس سے آنکرایا تھا۔ پھر جو نہیں وہ جھپٹ کر اس کے سامنے ہٹا کوئی چیز بڑی قوت سے اس کی پیشانی پر پڑ گر پھٹ گئی اور اس کا چہرہ بھیگ گیا۔ اگر آنکھیں ہی بند نہ ہو جاتیں تو شاکرہ پھیجی اور پھسلنے والی سیال چیز اس کی آنکھوں میں بھی چلی گئی ہوتی۔

حمدی نے بوکھلا کر یقینے دیکھا۔ یہ ایک ٹماڑ تھا اور سامنے برآمدے میں ایک لڑکی اپنے

میں دوسرا ٹماڑ لئے ہوئے اُسے گھوڑی تھی۔ حمید نے جیب سے رومال نکال کر چہرہ صاف کیا۔

لہڑے کے کچھ تھا اس کے کوٹ کے کارپر بھی پڑے تھے۔ انہیں انگلیوں سے جھلتا ہوا وہ آگے بڑھا ی تھا کہ کسی نے پیچھے سے اس کی کمر پکڑ لی۔ یہ وہی نوجوان تھا جس سے وہ نکر لیا تھا۔ اس نے لفکھا ہوئے لجھے میں کہا۔ "بس خدا کے لئے! چپ چاپ یو نہیں کھڑے رہئے۔"

"کیوں! یہ کیا بد تیزی ہے۔" حمید جھلا کر پلانا۔

"میں معافی چاہتا ہوں، لیکن خدا کے لئے بس یو نہیں کھڑے رہئے۔ وہ چلی جائے۔"

"براؤ کرم آپ سامنے سے بہت جائیے۔" برآمدے سے آواز آئی۔ حمید اُس لڑکی کو دیکھنے لگا۔ آواز بڑی سریلی اور ریڑھ کی بڑی میں سر سراہٹ پیدا کر دینے والی تھی۔

"مسٹر اخدا کے لئے۔" نوجوان حمید کی کمر پکڑے ہوئے آہستہ سے بڑھ لیا۔

"اگر آپ نہیں ہیں گے۔" لڑکی نے چیخ کر کہا۔ "تو چو جیس ٹماڑ آپ کو برداشت کرنے ہیں گے۔"

حمدی نہی طرح بوکھلا گیا۔

"دھمکی! محض دھمکی۔" نوجوان آہستہ سے بولا۔ "آپ ہرگز نہ ہٹے گا۔"

"اسلم! سامنے آؤ۔" لڑکی نے پھر لکارا۔ "ورنہ اڑتا لیں ٹماڑ۔"

"آپ بھاگتے کیوں نہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"ناممکن..... بالکل ناممکن.... بھاگنے کی صورت میں مجھے اڑتا لیں ٹماڑ برداشت کرنے ہیں گے۔"

"سنئے جتنا.....!" لڑکی نے چیخ کر حمید کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ "آپ نہیں جانتے تو یہ یقین۔"

ساتھ ہی اس کے چہرے پر دوسرا ٹماڑ پڑا۔

حمدی کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ وہ پلٹ کر اس نوجوان سے لپٹ پڑا۔

"شکریہ! شکریہ!" برآمدے سے آواز آئی۔ "آپ بہت جائیے۔"

وہنا حمید کی رگ شرارت بھی پھڑک انٹھی۔ اس نے اس نوجوان کو دیوچ کر اپنے سامنے کر لیا۔

"شکریہ۔" لڑکی برآمدے سے چینی اور ایک ٹماڑ اس نوجوان کے چہرے پر پڑا۔

"چھوڑئے....!" نوجوان مچلنے لگا۔

"خدا کے لئے... مسٹر!" حمید نے اُسی کے لباس میں الجا کی۔

ٹھماڑ لگتے رہے۔ حمید اپنی پوری قوت صرف کر رہا تھا۔ نوجوان پہلے تو اس کی گرفت سے جانے کے لئے جدوجہد کرتا رہا۔ لیکن پھر اُس نے بھی بے بھی سے ہنسنا شروع کر دیا۔

"ٹھماڑ ختم ہو گئے۔" برآمدے سے آواز آئی۔ "بقیہ پھر بھی۔"

حمید نے اُسے چھوڑ دیا لیکن وہ اس کے محلے کے لئے تیار تھا۔ اُسے توقع تھی کہ وہ چھوڑی ہا تھا پائی پر آمادہ ہو جائے گا۔ مگر وہ کچھ کہنے کی وجہے دوڑتا ہوا برآمدے کی طرف چلا گیا۔ اُسے دیکھ کر ہنس رہی تھی۔

حمید جب برآمدے میں پہنچا تو وہ شاکنڈ اندر جا چکا تھا۔ لڑکی البتہ اب تک وہیں تھی اور حیرتی اور انداز میں دیکھ رہی تھی۔

"کیا ڈیڈی سے ملنا ہے۔" لڑکی نے اُس سے پوچھا۔

"جی ہاں.... میں دراصل اس خالی حصے کے لئے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

لڑکی حسین تھی لیکن اس کی آنکھیں بہت کمزور معلوم ہوتی تھیں کیونکہ اُس نے بڑے موٹے شیشوں کی عینک لگا کر لکھی تھی۔

"خالی حصے کے لئے گفتگو کرنے سے کیا فائدہ۔" لڑکی نے خشک لہجے میں کہا اور حمید۔ گھومنے لگا۔ اس کا کامیاب جواب قطعی بے تکا تھا۔

"میں اُسے کہانے پر لیما چاہتا ہوں۔"

"کہا نے پر لیما چاہتے ہیں۔" لڑکی آنکھیں چھاڑ کر بولی۔ "بھلا اتنا برا مکان آپ سے اٹھے گا۔" حمید جھمجنگھلا گیا۔

"آپ کے ڈیڈی کہاں تشریف رکھتے ہیں۔"

"آپ غیر ضروری الفاظ استعمال کرنے کے عادی معلوم ہوتے ہیں۔" لڑکی نے ہونا سکوڑ کر کہا۔ "خیر مجھے کیا؟ ویسے آپ پوچھ سکتے تھے کہ ڈیڈی کہاں ہیں.... اونہہ.... تشریف.... اور پھر رکھتے ہیں! غیر ضروری الفاظ....!"

"کیا شریف آدمیوں پر ٹھماڑ پھینکنا کوئی ضروری حرکت ہے۔" حمید جل کر بولا۔

"اوہ.... وہ اسلام! بہت بور کرتا ہے۔ صح سے ٹھماڑ کی خصوصیات پر پچھر دے رہا تھا۔ مجھے

امل و نامنجز سے چڑھ ہے۔ میں اے سے زیڈ تک سارے و نامنجز پر لعنت صحیحی ہوں۔"

"آپ کے ڈیڈی۔"

"میرے ڈیڈی۔" اُس نے جلدی سے بات کاٹ دی۔ "بہت بڑے سانشست ہیں۔ وہ آج مرغی کے ایک اٹھے میں تین زردویاں پیدا کرنے کے امکانات پر غور کر رہے ہیں۔" "اوہ کیا تھے؟" حمید حیرت سے آنکھیں چھاڑ کر بولا۔

"جی ہاں! کیا میں جھوٹ کہہ رہی ہوں۔"

"تب تو آپ مجھے فوراً آن کے پاس لے چلے! انہیں میری ضرورت ہے۔"

"ضرورت تو انہیں صرف ایک عدد اصلی مرغے کی ہے۔" لڑکی نے ماہی سے کہا۔ "میں ایک اصلی مرغے کے فرانچس بھی انجام دے سکتا ہوں۔" حمید نے بڑی سعادت ری سے کہا۔

"اوہ.... اچھا تو آئیے۔" لڑکی نے جھپٹ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور ایک کرے میں گھیٹ لے لیکن پھر اچانک اُس نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور رک کر اُسے گھوڑتی ہوئی بولی۔ "کیا کہا تھا آپ نے۔"

"میں نے یہ عرض کیا تھا کہ میں اصلی مرغے مہیا کر سکتا ہوں۔"

"تو آئیے.... ڈیڈی آپ کی بہت عزت کریں گے۔ میں آپ کو ان کی تحریر بہ گاہ میں لئے تی ہوں۔"

تحریر بہ گاہ میں بہنچ کر حمید کو ہنسی ضبط کرنا دشوار ہو گیا۔ کیونکہ ایک انتہائی سنجیدہ صورت اور اُردی ایک مرغے کو گھیر گھیر کر ایک گوشے میں او ٹکھی ہوئی مرغی کی طرف ہاٹک رہا تھا۔ مل کے ایک ہاتھ میں انجشن لگانے والی سیر پیچ تھی۔

حمدید اور اُس لڑکی کو دیکھ کر اُس نے اپنا بیالیں ہاتھ اٹھایا اور آہتہ سے بولا۔ "پلیز.... پلیز مر جی نہ ہر ہر یعنے۔"

تقریباً پانچ جھنٹ منٹ تک وہ مرغ کے ساتھ اچھلا کو دتارہ پھر رک کر ماہی سے سر ہلاتا ہوا نال "ماؤں میں نہیں ہے۔"

اک دوران میں وہ شاکنڈ اُن دونوں کی موجودگی بھی بھول گیا تھا۔

"اوہ! سلیمہ!" وہ ان کی طرف مرتے ہی چونکہ پڑا۔ پھر اپنی ناک پر عینک جھاتا ہوا بولا۔ نہ کچوئے کے بچے میں سے مرغی کے اٹھے... دنیاۓ سائنس میں ایک عظیم کارنامہ۔ آپ کی تعریف۔"

"آپ اصل مرغ مہیا کر سکتے ہیں۔" سلیمہ نے حید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "آپ کو کسی ہاں کرانے پر....!"

"مفت میرے پیارے لڑکے۔" بوزھے نے اُس کی بات کاٹ دی۔ باکل مفت...."

"تشریف رکھے! تشریف رکھے۔" اُس نے جھک کر ایک کرسی کی طرف اشارہ کرنے پر چھڑا۔

ہوئے کہا۔ "یعنی سلیمہ آپ کے لئے چائے کو کہو۔" "چھڑا۔" حید نے صحیح کی۔ سلیمہ چل گئی۔

"ٹھیک ہے! ٹھیک ہے۔" بوزھا سر ہلا کر بولا۔ "پروفیسر چنگھاڑی کے لئے میں پوری عمارت

"اصل مرغ....!" سلیمہ کا ڈیٹھی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میں عرصے سے تلاش میں ہوں گرف کر سکتا ہوں۔ لیکن میں بہت اواس ہو گیا ہوں.... پانچ زردویاں.... میرے خدا۔" بہاں سب دوغلے ملتے ہیں۔ آپ کو مکان بھی چاہئے۔"

"انہوں نے زردویوں کی رنگت تک تبدیل کر دی ہے۔ ایک ہی اٹھے میں چار مختلف رنگوں از زردویاں تھیں! ابزر، سرخ، نیلی اور پیلی۔"

"بلں کچھ.... بلں کچھ۔" بوزھا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ورنے مجھے بلڈ پریشر ہو جائے گا۔ اف رے خدا.... چار زردویاں.... انقلاب دنیاۓ سائنس میں عظیم انقلاب اور پیارے پروفیسر ٹھاڑا۔ تم انسانیت کے بہت بڑے محنت ہو.... چار زردویاں۔"

"تو پھر آپ مکان کے لئے کیا کہتے ہیں۔" حید نے پوچھا۔

"جب دل چاہے آجائیے.... ضرور آجائے۔"

"کرایہ کیا ہو گا۔"

"کچھ نہیں.... باکل نہیں.... پروفیسر چنگھاڑی سے کرایہ نہیں لیا جائے گا۔"

"یہ تو مناسب نہیں۔" حید بولا۔

"قطعی مناسب ہے مسٹر....!"

"لوگ مجھے ڈاکٹر زینو کہتے ہیں...." حید نے شرم کر کہا۔

"مالی ڈیگر.... ڈاکٹر زینو.... چشم ما روشن دل ما شاد بنا۔ شوق سے آپ لوگ تشریف

ایسے۔ آپ میرے مہمان رہیں گے، لیکن وہ اصل مرغ نہ بھولے گا۔"

"میں کل ہی اے... نہ لکھ دوں گا۔ پروفیسر چنگھاڑی کے گھر پر پانچ درجن اصل مرغ ہیں۔"

"پانچ درجن اصل۔" بوزھا حیرت سے بولا۔ "مالی ڈیگر ڈاکٹر زینو.... پروفیسر چنگھاڑی

"بات دراصل یہ ہے کہ میرے ساتھی پروفیسر چنگھاڑی بھی اسی چکر میں ہیں۔"

"کس چکر میں ہیں؟"

"اب وہ کوشش کر رہے ہیں کہ ایک اٹھے میں کم از کم پانچ زردویاں پیدا کی جائیں۔"

"کیا....?" بوزھا ہاچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"جی ہاں.... چار زردویوں تک کامیابی ہوئی ہے۔"

"افسوں" بوزھا اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر آرام کر سی پر گر گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے

حید کی طرف دیکھ رہا تھا.... حید کچھ نہ بولا۔

"چار زردویوں تک کامیابی اور میں دو بھی نہیں پیدا کر سکا۔" بوزھا بڑا ہاتھا۔ "نہیں نہیں

مسٹر میں یقین نہیں کر سکتا۔ کیا نام بتایا تھا آپ نے۔"

"پروفیسر چنگھاڑی۔" حید بولا۔

"میرے خدا.... چار زردویاں.... میری زندگی بر باد ہو گئی.... میں تباہ ہو گیا۔"

"پروفیسر چنگھاڑی نے مرغی کے اٹھے نے کچوئے کے بچے نکالے تھے۔" حید نے کہا۔

"میرے پیارے لڑکے۔" بوزھا حالت جوش میں کھڑا ہو گیا۔ "کہاں ہے وہ قابل قدر"

پرستش کے قابل ہیں۔

”آپ پروفیسر سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔“ حمید نے کہا۔

”قطیعی ڈاکٹر زینو... قطیعی۔“ بوڑھا سر ہلا کر بولا۔ ”ڈاکٹر زینو... آپ ڈاکٹر ہیں۔“

جگہ خراب ہے۔ خون خراب ہے۔ کیا آپ میراطنی معانکہ کرنے کی رحمت گوارا کریں گے۔“

”میں دراصل آنس کریم کا ڈاکٹر ہوں۔“ حمید نے شرم کر کہا۔

”آنس کریم کا ڈاکٹر۔“ بوڑھے نے منہ چلا کر آہتہ سے کہا۔

”جی ہاں... ایک نئی قسم کی آنس کریم ایجاد کرنے کے سلسلے میں نبراس کایوں نور سمی نے ڈاکٹریٹ دی تھی۔“

”اوہ! آپ بھی موجود ہیں۔“ بوڑھا اس کا ہاتھ دباتا ہوا بولا۔ ”ڈاکٹر زینو آپ بھی انہاں کے بہت بڑے حسن ہیں۔“

سلیمانہ چائے کی ٹربے لئے ہوئے اندر و داخل ہوئی۔

”سلیمانہ! پروفیسر چنگھاڑی کی آرہے ہیں۔“ بوڑھے نے اُسے مخاطب کیا۔

”پروفیسر چنگھاڑی۔“ سلیمانہ نے حیرت سے کہا۔

”تم پروفیسر چنگھاڑی کو نہیں جانتیں۔ ارے وہ انسانیت کا محنت۔“ قابل قدر پروفیسر چنگھاڑی جواب تک چار زدیوں والے انٹے پیدا کر چکا ہے۔ جس نے کچھوے کے پنجے سے مرغی۔

”ڈونٹ ناک اٹ ڈیٹی۔“ وہ منہ سکوڑ کر بولی۔

”ڈاکٹر زینو سے پوچھ لو۔“

”ڈاکٹر زینو...!“ لڑکی حمید کو گھورنے لگی۔

”آپ ڈاکٹر کھایا کیجھے۔“ حمید نے اُس سے کہا۔ ”وہ ایک صحت مند غذا ہے۔“

”کیا...؟“ سلیمانہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ ”آپ مجھے بور کریں گے۔“

”مجھے افسوس ہے کہ آپ ڈاکٹر کے فوائد سے واقف نہیں۔“

”بکواس بند کیجھے۔“ سلیمانہ جیج کر بولی۔ اس کا چہرہ غصے سے ڈاکٹر ہو گیا۔ ”آپ احتیٰ ہیں۔“

اس نے پیر ٹھیک کر کھا اور کچھ بڑا ہاتھ ہوئی کمرے سے چلی گئی۔

”اوہ مانی، یہ ڈاکٹر زینو...!“ بوڑھے نے اُنکار آمیز لمحے میں کہا۔

”بے بی کو ڈاکٹر کے تذکرے پر غصہ آ جاتا ہے۔ وہ اسلام ہے نا! اس سے بڑی جنگ ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر اُس کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔“

”اسلم صاحب کون ہیں؟“

”صاحب نہیں... وہ میرا بھتیجا ہے۔“ بوڑھے نے رازدارانہ انداز میں کہا۔ ”میرا رادہ ہے رہیں بے بی سے اُس کی شادی کر دوں.... مگر ڈاکٹر...!“

”یکوں... ڈاکٹر کیوں؟“

”اوہ اُسے ڈاکٹر بہت پسند ہیں... وہ دن رات ڈاکٹروں کے قصیدے پڑھا کرتا ہے، لیکن بے بی... اُسے ڈاکٹروں سے نفرت ہے۔ میں نے کہا تاکہ ڈاکٹر اُسکی سب سے بڑی کمزوری ہے۔“

”لیکن میں اُسے ڈاکٹر کھلا سکتا ہوں۔“ حمید نے کہا۔

”نا ممکن! مانی ڈاکٹر زینو... بالکل ناممکن ہے۔“

”ڈاکٹر لی آنس کریم... کیا خیال ہے؟“

”لڑکا! ایکیں نہ! ڈاکٹر زینو ونڈر فل!“ بوڑھے نے حیرت سے آنکھیں چھاڑ کر تیز قسم کی رگوشتی کی۔

”میں پروفیسر چنگھاڑی کا دست راست ہوں۔“ حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”چھاڑ ابلاست دیجئے۔“ ارے میں کس قابل ہوں کہ ابلاست دون۔“ بوڑھے نے خاکسارانہ انداز میں کہا۔ پھر

ٹلکی سے بولا۔ ”ارے چائے تو رکھی ہی رہ گئی۔ لیجئے ڈاکٹر زینو۔“

ڈاکٹر زینو پھر بیٹھ گیا۔ دونوں خاموشی سے چائے پیتے رہے۔ بوڑھا کبھی کبھی کونے میں کڑی اونٹھتی ہوئی مرغی کو پر تشویش نظروں سے دیکھنے لگتا تھا۔

”اُسے ڈاکٹر کی آنس کریم کھلا دیے۔ یہ کچھ معلوم ہوتی ہے۔“ حمید نے کہا۔

”ڈاکٹر کی آنس کریم۔“ بوڑھا اُسے گھورنے لگا۔

”یہ بہت ضروری ہے۔ پروفیسر چنگھاڑی بہیش یہی کرتی ہیں۔“ درستہ چار زدیاں مشکل کام ہے۔ ڈاکٹر کارس کسی کنواری لڑکی کے ہاتھوں نکلوا یا جائے۔ کیا سمجھے اور مرغ کو بھی کھلا دیے وہ کچھ

انفل کے لئے نامرغ ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں آپ اُسے شیری پورٹ اور وہ بسکی کی کاک ٹیلی

پا کر دوبارہ اصلی حالت پر لا سکتے ہیں۔ کیا سمجھے، تین زردیوں کا ذمہ میں لیتا ہوں۔“

فریدی کی عجیب حرکت

تقریباً نوبجے رات کو حمید ہوٹل میں واپس آیا۔ فریدی کرے میں موجود تھا اور اُسے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔ فریدی نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھا، لیکن کچھ بولا نہیں۔

مگر جب حمید کپڑے اتارنے لگا تو اس نے کہا۔

”ٹھہر وہ! ہم اسی وقت یہ ہوٹل چھوڑ رہے ہیں۔“

”کیوں! خیریت.... اب کہاں جھک مارنے کا رادہ ہے۔“

”میں یہاں کا حساب صاف کر چکا ہوں۔ تم تیکسی لے آؤ۔“

”کہاں چلے گا۔“

”کسی دوسرے ہوٹل میں؟“

”ہوٹل بیکار ہے۔“ حمید نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

”کیوں؟“ فریدی اُسے گھونٹنے لگا۔

”آپ گھورتے کیوں ہیں؟“

”چلو! جلدی جاؤ! اور نہ کسی الجھن میں پڑ جائیں گے۔“

”میں نے ایک مکان کا انتظام کیا ہے۔“

”کیا مطلب....؟“

”آپ مکان کا مطلب نہیں سمجھتے۔ آج جانے کیا بات ہے کہ ہر آدمی پروفیشنل اے۔“

”جوس بنا جا رہا ہے۔“

”میاں بک رہے ہو۔“

”میں نے ایک مکان کا انتظام کر لیا ہے۔ بڑی آرام دہ جگہ ہے۔ آپ کو صرف تھوڑی کا

مرغ بازی کرنی پڑے گی۔ اپنا نام پروفیشنل چنگھاڑنی بتانا پڑے گا۔“

”دماغ خراب ہوا ہے۔“

”اور آپ کو یہ ظاہر کرتا پڑے گا کہ آپ ایک بہت بڑے سائنسدان ہیں۔ ایک اٹھے سے بچا رزدیاں پیدا کر چکے ہیں اور اب پانچوں کے امکانات زیر غور ہیں۔“

”بہبودہ بکواس پھر کسی وقت پر اخخار کھو۔“ فریدی نے اسامنہ بتا کر بولا۔

اس پر حمید نے دن بھر کی کار گذاریوں کی روپورٹ پیش کر دی۔ فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا۔

لا۔

”اس کا نام کیا ہے؟“

”پروفیشنل۔ اے جھوس۔“

”ئی۔ اے جھوس۔“ فریدی یادداشت پر زور دیتا ہوا بولا۔ ”وہی تو نہیں جس کی ایک آنکھ ہے۔“

”ہائیں اتو کیا آپ اُسے جانتے ہیں۔“ حمید اچھل پڑا۔

”اس کی سات پتوں سے واقف ہوں۔ وہ ایک بہت بڑا حق ہے۔ اُسے تجربات کا خط ہے، تمہیں یہ معلوم کر کے حرمت ہو گی کہ وہ ایک بہت ہی معمولی پڑھا لکھا آدمی ہے۔ ویسے درکافی ہے اور خود کو سائنسدان ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور جر من سائنسدانوں کی سی ناٹے رکھتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے فرزند کو وہ مجھے پہچانتا ہے۔“

”میک اپ....!“ حمید بولا۔ ”آپ ایک معمر آدمی کا میک اپ کر لیجھ۔“

”تو ضرورت ہی کیا ہے... کہیں اور ٹھہریں گے۔“

”میں تو وہیں ٹھہر دیں گا... میرا نام ڈاکٹر زینو ہے اور میں آس کریم کا ماہر ہوں۔ کیا سمجھے۔“

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

”تم برادر ہوڑ کلب میں کیوں نہیں ملے۔“

”تیا تو کہ میں مکان تلاش کر رہا تھا۔“

”رفعت نعیم بھی قتل کر دیا گیا۔“

”رفعت نعیم.... اوہ.... وہی جسے آپ نے فون کیا تھا۔“

”ہالا وہی.... وہ بیچارہ کلب آیا تھا۔ بڑی دیر تک پندرہ نمبر کی میز پر میرا انتظار کرتا رہا لیکن۔“

”تو دراصل اُسے دیکھنے کے لئے بایا تھا۔ اُس سے ملنے کا رادہ قطعی نہیں تھا۔ جب وہ انتظار

ل کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ وہ کیوں نہ اپنے پاپ کو پورے واقعات لکھ کر ان سے ملب کرے لیکن جاوید کے دادا میاں نے اُسے اپنی شان کے خلاف سمجھ کر اُس کی تجویز ردی۔ سعیدہ بہت پریشان تھی۔ اُس نے خفیہ طور پر ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کو خط لکھا۔ اس ہے کہ خاندان کی عزت خاک میں مٹے والی ہے اور دادا صاحب اپنی جھوٹی خودداری لئے ہے۔

”کیوں! آخر وہ بوڑھا مخالفت کیوں کر رہا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”بھگی ہے.... بہو کے میکے والوں سے مذلیتا کسر شان سمجھتا ہے، بہر حال ڈی۔ آئی۔ جی کی کے مطابق چھپ کر اس کیس کی تفتیش کرنی ہے۔“

”لیا وہ خاندان لنگڑی کو بھی میں مقیم ہے۔“

”نہیں لنگڑی کو بھی تو ایک قدیم طرز کی عمارت کے کھنڈروں کا نام ہے، لیکن وہ ان کی عمارت سے متعلق ہے۔“

”اور ان روشنیوں کا کیا قصہ ہے؟“

”لوگوں کا خیال ہے کہ لنگڑی کو بھی بد ارواح کا مسکن ہے۔ وہاں اکثر راتوں کو ڈراونی چینی کی گئی ہیں۔ بسا اوقات لوگوں کو روشنی بھی دکھائی دی ہے۔“

”آنگی شامت۔“ حمید اپنا ہنگال رگڑتا ہوا بولا۔

”رفعت نیم کے اچاک قتل کے بعد یہ کیس بڑا پچپ ہو گیا ہے۔ پہلے تو یہ سوچا جاسکتا کہ رفت نیم نے یہ کے پچاس ہزار روپے حاصل کرنے کے لئے اپنی بیوی کو قتل کر دیا، باہم اُسے کیا کہیں گے۔“

”رفعت نیم کا کوئی وارث جو اس کی موت کے بعد فائدہ اٹھا سکے۔“ حمید بولا۔

”رفعت نیم کا کوئی ایسا وارث نظر نہیں آتا۔ میں نے آج دو پھر کو چھان میں کی تھی۔ البتہ مکی ایک سالی ہے، جس کا قیام اسی کے ساتھ تھا مگر وہ غیر شادی شدہ ہے۔“

”کیا غیر شادی شدہ عورتیں قتل نہیں کر سکتیں۔“

”کر سکتی ہیں، لیکن وہ لڑکی پیدا کئی اپانے گھر ہے۔ اُس کی دونوں ٹانگیں بیکار ہیں۔“

فریدی خاموش ہو گیا۔ حمید اپنے پاپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔

کرتے کرتے تھک گیا تو اس نے میز مخصوص کرانے والے کے متعلق سیکریٹری سے پوچھا۔ سیکریٹری بھس پڑا۔ کیونکہ میں نے وہ میز خود رفت نیم ہی کے نام سے مخصوص کرانی تم بہر حال وہ بڑی دیر تک سیکریٹری سے المختارہا اور پھر وہ اٹھ کر چلا گیا۔ اب مجھے جاوید اور پر انتظار تھا، لیکن وہ دونوں سرے سے آئے ہی نہیں...: ماں تو... رفت نیم کے جانے کے لمحوں کے بعد باہر شور سنائی دیا۔ پھر برآمدے میں میں نے رفت نیم کی لاش دیکھی۔ اُز بائیں پسلی میں ٹھیک دل کے مقام پر ایک خنجر پیوست تھا لیکن قاتل کو کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ ”لیکن یہ رفت نیم تھا کون؟“

”متولہ کا شوہر۔“

”آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے متولہ میری منکوحہ رہی ہو۔“ حمید جھنجلا کر بولا۔ ”میر بھی نہیں جانتا کہ وہ دوسرا جاوید کون الوکا پڑھا ہے۔“

”جلاوید... سعیدہ کے شوہر کا چھوٹا بھائی ہے اور اس پر رفت نیم کی بیوی کے قتل کا الزام ہے۔ تو آپ جاوید سے اُسکے گھر پر کیوں نہیں ملے۔ آخر اتنی رازداری کی کیا ضرورت تھی۔ بتاتا ہوں۔“ فریدی سگار سلاکتا ہوا بولا۔ ”متولہ کی لاش ایک اجائزی ٹوٹی بھوٹی عمارت میں پائی گئی اور وہ عمارت دراصل سعیدہ کے سرال والوں کی ملکیت ہے۔ لاش کے قرب ہے کاروں مال پایا گیا ہے۔“

”اور اس عمارت کا نام لنگڑی کو بھی ہے۔“ حمید اپنے دیدے نے چاکر بولا۔

”تو تم تفصیل سے واقف ہو۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”پچھلی رات کو پھر لنگڑی کو بھی میں روشنی دیکھی گئی تھی۔“

”کیا...؟“ فریدی یک کھڑا ہو گیا۔

”جی ہاں... سعیدہ کے بعض پڑوسیوں نے کچھ عجیب و غریب قسم کی روشنیاں دیکھی تھیں۔“

”تمہیں کیسے معلوم ہوا؟“

”آپ کے جانے کے بعد سعیدہ نے فون پر کہا تھا۔“

”اوہ....!“ فریدی اٹھ گیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”اس واردات کے بعد پولہ نے نہ صرف جاوید کو گرفتار کر لیا بلکہ اُس کے خاندان والوں کو بھی پریشان کرتی رہی۔ سعیدہ...“

”خود کوئی اے جھوس لکھتا ہے۔“ فریدی سکرا کر بولا۔ ”پہلے وہ شاعری کرتا تھا اور ابنا حقیقی تھا کہ اس کی بے گناہی ثابت ہو جائے گی۔ لیکن کل سے اس پر دورے پڑنے لگے تھے اسے بار بار پھانسی کا پھندہ اپنے سامنے لکھتا دکھائی دیتا ہے۔ آخر اس کی پاواجہ ہو سکتی ہے۔ کل اس کی یہ حالت ہے اور آج رفتہ قتل کر دیا گیں۔“

”یہ چیز غور طلب ہے۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔

”اب دوسری بات.... رفتہ کے قتل کے بعد میں یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ ہم اس ہر میں ٹھہریں۔ ظاہر ہے کہ وہ میز میں نے ہی مخصوص کرائی تھی اور اس کے لئے فون پر بھی مٹھی تھی، جسے ہوٹل کے ٹیلی فون آپریٹر نے ضرور سننا ہوا گا۔ ہو سکتا ہے کہ کل کے اخبارات میں مل صورت میں منظر عام پر آؤ۔ کل کا اخبار ہمارے لئے خطرناک ہو گا۔“

”مگر میں تو پروفیسر جھوس سے اپنی اصلی صورت میں مل چکا ہوں۔“

”ای لئے میں نہیں چاہتا کہ ابھی ہم وہاں جائیں۔ کل کا اخبار اور دیکھ لیا جائے اور یہ معلوم جائے کہ ہوٹل کے ٹیلی فون آپریٹر نے اخبار دیکھ کر کوئی روپورٹ تو نہیں دی۔“

”پھر آپ ہی کچھ فرمائیے۔ میں تو اس وقت اُس ٹماڑیزیزار لڑکی کے متعلق سوچ رہا ہوں۔ وہ بھی اپنے باپ ہی کی طرح سنکھی ہے۔“

”لڑکیوں کے علاوہ اور تم سوچ ہی کیا سکتے ہو۔“ فریدی نے بیزاری سے کہا۔

”لڑکیوں کے علاوہ میں اُن کے ملنگتوں کے متعلق بھی سوچتا ہوں، اور یہ بھی سوچتا ہوں اپنے ملنگتوں کیوں کہلاتے ہیں۔ اگر چچھوندر کہلاتے ہوتے تو ہمیں بھی سیکھنا پڑتا۔“

”وہ بھی اپنی بکواس جاری ہی رکھنا چاہتا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ اُس نے اٹھ کر انہوں کھول دیا۔ سامنے ایک باور دی سب انپکٹر پولیس کھڑا تھا اور اس کے پیچے ہوٹل کا دویٹر تھا۔

”انپکٹر نے تیز نظر دیں سے کمرے کے اندر دیکھا اور پھر مڑ کر دویٹر کو واپس جانے کا اشارہ کیا کرے میں داخل ہو گیا۔ پہلے وہ باری باری سے فریدی اور حمید کو گھورتا پھر اس نے

”آپ دونوں حضرات کے نام شائد احمد کمال اور ساجد حمید ہیں۔“

”دونوں میرے لڑکے ہیں۔“ فریدی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ حمید نے دیکھا کہ اُس کی لفڑی سے آنسو بہر رہے ہیں۔

”سب انپکٹر اسے تحریر ان نظر دیں سے دیکھنے لگا۔“

”تو ہمیں نے اُسی وقت گڑھ لئے تھے جب میں نے پھانک پر لگی ہوئی نیم پیٹ پر اس کا ٹام دیکھا تھا۔“

”اب دوسری بات.... رفتہ کے بعد میں یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ ہم اس ہر میں ٹھہریں۔ ظاہر ہے کہ وہ میز میں نے ہی مخصوص کرائی تھی اور اس کے لئے فون پر بھی مٹھی کی تھی، جسے ہوٹل کے ٹیلی فون آپریٹر نے ضرور سننا ہوا گا۔ ہو سکتا ہے کہ کل کے اخبارات میں رفتہ نیم کے قتل کی کہانی شائع ہو اور اس میز کا بھی تذکرہ آئے۔“

”بات تو تھیک ہے“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”ہو سکتا ہے کہ ٹیلی فون آپریٹر کو آپ کی کالی یاد آجائے۔ فریدی بھر کچھ سوچنے لگا۔

”اچھا تھہر و....!“ اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

دوسرے لمحے میں وہ اپنے ایک چھوٹے سوٹ کیس سیست عسل خانے میں تھا۔

اور پھر جب آدھ گھنٹے کے بعد غسلخانے کا دروازہ کھلا تو حمید کے سامنے مغربی وضلع کا ایک بوڑھا کھڑا تھا اس کے پیچے پر فریخ کٹ ڈاڑھی تھی اور گالوں پر جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔ جید اُسے آنکھیں چھڑا چھڑا کر دیکھ رہا تھا۔

”ڈاکٹر زینو۔“ فریدی نے اُسے کپکپاتی ہوئی آواز میں مخاطب کیا۔ ”تمہیں یہ سن کر خوشن ہو گی کہ پروفیسر ٹی۔ اے جھوس جاوید کے رشتہ داروں میں سے ہے اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ تم اُسی سے جا ٹکرائے۔ اُس کے یہاں رہ کر ہم بھتیری معلومات حاصل کر سکیں گے۔“

”شامت....!“ حمید دانت پیس کر بولا۔ ”کہیں چین نہیں ہے۔ لعنت ہے اس زندگی؛ مقدار ہی وامیات ہے۔ لیکن یہ جھوس کیا بلاء ہے۔ میں نے آج تک اس فلم کی کنیت نہیں سنی۔“

”چکھاڑی اور زیبو کے متعلق کیا خیال ہے۔“

”وہ تو میں نے اُسی وقت گڑھ لئے تھے جب میں نے پھانک پر لگی ہوئی نیم پیٹ پر اس کا ٹام دیکھا تھا۔“

ہباجان۔ ”حید کھٹی کھٹی سی آواز میں چینا اور پھر اُس کے منہ سے ”بھوں بھوں“ اُسی نکلنے لگیں، جیسی عموماً بسط کرنے کی کوشش کے سلسلے میں ہے اختیاراتہ نکتی ہیں۔

”آخر بات کیا ہے؟“ سب انپکٹر جلا کر بولنا۔

”میرے بیٹے کی لاش....!“ فریدی کھٹی کھٹی سی آواز میں بولا۔

”لاش....!“ سب انپکٹر پھر اچل پڑا۔ ”کہاں ہے لاش۔“

”غلخانے میں۔“ فریدی لٹکھ رہا تھا۔ آئیے... ہائے کیا اس کے مرنے کے دن تھے۔“ فریدی دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ اس کے پیچے سب انپکٹر بھی گھسا۔ ساتھ ہی حید نے کے گرنے کی آواز سنی۔ وہ حیرت سے منہ کھولے کھڑا رہا۔ شائد ایک منٹ بعد فریدی اپنے بھڑاتا ہوا باہر نکلا۔

”اور تم کھڑے منہ دیکھ رہے ہو۔“ اس نے غلخانے کا دروازہ بند کرتے ہوئے پر اطمینان میں کہا۔ ”لٹکو یہاں سے مغربی سرے پر، جوزینہ ہے وہ تمہیں باور جی خانے میں پہنچا دے گا، کاپر ونی دروازہ لگی میں ہے۔ ٹیکی اشینڈ پر میرا منتظر کرتا۔“

حید نے کچھ کہنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ فریدی بولا۔ ”چلو جاؤ... کسی قسم کی بکواس نہیں۔“

حید چپ چاپ کرے سے نکل آیا۔ مغربی گوشے والے زینوں نے اسے باور جی خانے میں بیا... پھر وہاں سے ٹیکی اشینڈ تک رہ سیدھی تھی۔

حید ٹیکی اشینڈ پر کھڑا ہو چکا کہ آخر اس حماقت کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ فریدی نے سب انپکٹر کو یقیناً بیوہش کیا ہے۔ اس بار اس کا طریق کار کچھ عجیب سامعلوم ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے فریدی کو دیکھا، جو ایک ہاتھ میں سوت کیس لٹکائے ہوئے بڑے ہلان سے اس کی طرف چلا آ رہا تھا۔ اُس کے قریب پہنچ کر اُس سے مخاطب ہونے کی بجائے وہ ٹیکی ڈرائیور سے گفتگو کرنے لگا۔

”حید کا ذہن کچھ اس بُری طرح الجھا ہوا تھا کہ اُس نے ان کی گفتگو پر دھیان تک نہ دیا۔ اس انفر کی بار بار ہوٹل کی طرف اٹھ جاتی تھیں جس کا ناصل ٹیکیوں کے اٹے سے زیادہ نہیں تھا۔ ”چلو بیہو۔“ فریدی نے حید کے کانڈھے پر ہاتھ روکھ کر کہا۔ وہ چونک کر اُس کی طرف الڈرائیور ان کے لئے ٹیکی کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔

”یہ ساجد حید ہے۔“ فریدی نے حید کی طرف اشارہ کیا۔ ”اپنے بڑے بھائی احمد کمال ساتھ سائے کی طرح لگا رہتا ہے کیونکہ احمد کمال کچھ مختلط الحواس ساتھا۔ کئی دن ہوئے وہ مگر نکل بھاگا۔ ساجد اس کے ساتھ ہی رہا۔ کمال نے یہاں اس ہوٹل میں قیام کیا۔ ساجد بھی سینے پڑا۔ اس نے مجھے یہاں سے تار دیا۔ ہم لوگ دولت ہباد کے رہنے والے ہیں۔ میرا نام والا نققی ہے۔ ہائے میں بہت دری میں پہنچا... میراچہ... میرا احمد کمال...!“

فریدی اس طرح خاموش ہو گیا جیسے اپنی آواز پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہو۔ حید دیکھا محاملہ نازک سا ہے لہذا اس نے بھی تنقیہ پھلا چلا کر دوچار آنسو کال لئے تھے اور نہ اس بل شوں شوں کر رہا تھا۔

”کیا بات ہے؟“ سب انپکٹر نے پوچھا۔

”ساجد کا بیان ہے کہ اس نے آج...!“ فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”آپ خاموش کیوں ہو گئے کہئے۔“ سب انپکٹر نے توکا۔

”آج اس نے شائد سینما ٹھیٹر میں اپنے لئے ایک نشت مخصوص کرائی تھی اور اس اپنام رفتہ قیمتیاً تھا۔“

”جی...!“ سب انپکٹر چوک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

”آپ بھول گئے۔“ حید نے ہنگلے لے کر نکلا اگایا۔ ”کسی کلب میں شائد ایک سوبارہ نہیں مخصوص کرائی تھی۔“

”پندرہ نمبر کی میز۔“ سب انپکٹر جلدی سے بولا۔ ”برادر، ہوڑ کلب۔“

”ہدہ کلب۔“ فریدی اس طرح دیکھنے لگا جیسے وہ بہرہ ہو۔

”جی نہیں! برادر ہوڑ کلب! میز نمبر پندرہ۔“ سب انپکٹر نے ذرا اوپر جی آواز میں کہا۔ ”مکن ہے تھیں رہا ہو۔“ حید بولا۔

”پھر دوپہر کو ساجد غلخانے میں تھا کہ کمال کہیں غائب ہو گیا، اور ساجد اس کی ملائی تکل گیا۔ شام کو میں ہوٹل پہنچا تو ان کا کمرہ بند تھا۔ میں نیچے بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ ساجد واپس آیا۔ ہم دونوں کمرے میں آئے... اور ہائے... اور ہائے... میرا کمال۔“ فریدی منہ ڈھانپ رونے لگا۔

تحوزی ہی دیر بعد نیکی شہر کے درانے کی طرف جا رہی تھی۔ حمید کچھ پوچھنے کے بیتاب تھا۔ کئی بار بولنا بھی چاہا، لیکن فریدی نے اس کا شانہ دبادیا۔ نیکی پختہ سڑک سے اتر کر پر ہوئی تھی۔ دھنگے لگ رہے تھے اور ہر دھنگے پر ڈرائیور بربادا جا رہا تھا۔

”ڈرائیور گاڑی روک دو۔“ فریدی نے کہا۔

ڈرائیور نیکی روک کر اُس کی طرف مڑا۔

”ہم آگے نہیں جائیں گے۔“ فریدی نے کہا۔ ڈرائیور آنکھیں چھاڑ کر اُسے گھونٹنے لگا۔ ”یہ لو...!“ اُس نے جیب سے دس دس کے پانچ نوٹ نکالے، ڈرائیور کی جیرت بڑھ گئی معاملہ صرف میں روپیوں پر طے ہوا تھا اور انہیں شہر سے دس میل کے فاصلے پر جے رام پور، نے بھی رات کو پورٹ داغ دی تھی اور وہ حرast میں لے لیا گیا تھا۔ اخبارات نے بڑی جاشیہ آرائیاں کی تھیں۔ فریدی اور حمید ریلوے اسٹیشن کے وینگ روم میں بیٹھے ایک

پنے سامنے پھیلائے ایک دسرے کو گھوڑہ رہے تھے۔ ”دیکھتے کیا ہو! رکھو ان روپیوں کو درنے گولی مار دوں گا۔“ فریدی نے گرج کر کہا اور ساتھ اس کے جیب سے روپیوں بھی نکل آیا۔ حمید کی بوکھاہٹ پھر بڑھ گئی، لیکن وہ کچھ بولا نہیں... ادھر ڈرائیور نے کاپٹے ہوئے ہاتھ سے نوٹ پکڑ لئے۔ اس کی نظریں اب بھی فریدی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

”ہمارے سوٹ کیس میں کوتوال شہر کے لڑکے کی لاش ہے! کیا سمجھے۔“ فریدی اپنی آپ کے آنکھ دبا کر بولا۔

ڈرائیور کو گویا سانپ سوچنے لگا۔

”جی صاحب۔“ اُس نے بوکھاہٹ ہوئے لجھ میں کہا۔

فریدی سوٹ کیس لئے ہوئے نیچے آت گیا۔ حمید بھی اتر لیکن اُسے اختلاج ہونے لگا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر فریدی کرنا کیا چاہتا ہے۔

”چلو جاؤ۔ گاڑی پھردا! اگر پلت کر دیکھا تو گولی مار دوں گا۔“ فریدی نے ڈرائیور کے

کہا۔ ”اس واقعے کی رپورٹ پولیس میں ضرور کرنا تمہیں وہاں سے بھی انعام ملے گا۔ اس سوٹ

کیس میں کوتوال شہر کے لڑکے کی لاش ہے۔ چلو بھاگ جاؤ۔“

کار فرائے بھرتی ہوئی چلی گئی۔ فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ ”بھی واپس چلتے ہیں۔ دوں

آبادوالي بس آرہی ہو گی، لیکن اس سے پہلے ہمیں دوسرا میک اپ کرنا پڑے گا۔ کہو کہیں رہی۔“

لیا ہو ریت پھیلائی ہے آپ نے۔“
بس دیکھتے جاؤ۔ اس کیس میں ذہنی جنائیک نہیں کرنا چاہتا اس بار تم مجھے ایک بالکل ہی
یقہ کا موجود پاؤ گے۔“

سوٹ کیس میں موت

بزری صحیح جلال پور کے اخبار بیچنے والوں کے لئے بڑی منفعت بخش تھی۔ شائد نیکی
معاملہ صرف میں روپیوں پر طے ہوا تھا اور انہیں شہر سے دس میل کے فاصلے پر جے رام پور،
ڈاک بنگلے تک جانا تھا، لیکن ابھی آدھا فاصلہ بھی نہیں طے ہوا تھا۔
”دیکھتے کیا ہو! رکھو ان روپیوں کو درنے گولی مار دوں گا۔“ فریدی نے گرج کر کہا اور ساتھ
اس کے جیب سے روپیوں بھی نکل آیا۔ حمید کی بوکھاہٹ پھر بڑھ گئی، لیکن وہ کچھ بولا نہیں...
ادھر ڈرائیور نے کاپٹے ہوئے ہاتھ سے نوٹ پکڑ لئے۔ اس کی نظریں اب بھی فریدی کے چہرے
پر جمی ہوئی تھیں۔

”متعاف کیجئے گا مجھے ایسی حرکتوں سے دلچسپی نہیں۔ اگر پکڑے گئے تو پہلے تو عزت اتری
لی۔“

”کون ایسے موٹی عقل والے ہمیں پکڑیں گے۔ کیا تم وہ تجویری سا والا کیس بھول گئے جس میں
اپنے ہی شہر میں کیا کچھ نہیں کر دالتا تھا۔“

”مگر مجھے یہ طریقہ بالکل پسند نہیں۔“

”تم خود کو دھوکا دے رہے ہو۔ درنے یہ حقیقت ہے کہ جو کچھ مجھے پسند ہے وہی تم بھی پسند
ہو۔“

”غلاد فہمی ہے آپ کی۔“ حمید نے اسمانہ بنا کر بولا۔ ”اور میں یہ جنمایا چاہتا ہوں کہ اب مجھے
مارنے سے کوئی روک نہیں سکتا۔“

”ایک نہیں چار فرزند... مگر ابھی مجھے بور مت کرو۔“

”میں تو چلاڑا اکثر جھوس کے پہاں۔“ حمید احتضا ہوا بولا۔

نہ ہوتی۔“

”لیکن وہ بیچارہ جیکسی ڈرائیور مفت میں پکڑا گیا۔“

”وہ چھوڑ دیا جائے گا... اُسے فی الحال شے میں روکا گیا ہو گا۔“

”لیکن آپ جاوید کو نہ دیکھ سکتے۔“

”جاوید۔“ وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”جاوید کی پوزیشن میرے ذہن میں صاف نہیں ہے۔“

”آپ اُس کی طرف سے منتکوک ہیں۔“ حمید نے پوچھا۔

”منتکوک نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس کار دماں لاش کے قریب ہی پایا گیا ہے۔“

”تو پھر آپ نے خواہ مخواہ اتنی اچھل کو دیکھوں کی۔“

”سانپ کو اس کے مل سے نکالنے کے لئے۔“

”کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ ارے صاحب اب تو صحیح مجرم مطمئن ہو گیا ہو گا۔“

”سانپ اس وقت تک مل سے نہیں لٹکا جب تک اپنی سلامتی کی طرف سے مطمئن نہیں ہو جاتا۔“

”میا مجرم مولوں کو اس بات کی فکر ہو گی کہ ان کا جرم اپنے سرمنڈھنے والے کوں ہو سکتے ہیں۔“

”اگر فرض کیجھ جاوید ہی ہوا تو۔“

”ہم اُسے سعیدہ کی روپورٹ کے خلاف ہشاش بٹاٹ پائیں گے۔“

”خوبزی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔“ متولہ رفت نیم کی بیوی تھی۔ اس کی پالیسی

پاں ہزار کی تھی۔ اُسے کسی نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد رفت نیم بھی مارا گیا۔... ورنہ شہبہ

لپر بھی ہو سکت تھا۔“

”اور کیا تم نے اخبار میں یہ نہیں دیکھا کہ رفت نیم کی زندگی بھی بیسہ شدہ تھی، اس کی پالیسی

گیا پچاس ہزار کی تھی۔“

”تب تو معاملہ صاف ہے۔ یہ کسی اپنے آدمی کی حرکت ہے جسے ان دونوں کی موت توں سے

اندوں پہنچ سکتا ہے۔“

”اُس پایاں لوکی کے علاوہ اور کسی کو کوئی حق نہیں پہنچتا۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”اگر میں اس پایاں لوکی کو ایک نظر دیکھ لوں تو کیا حرج ہے۔“ حمید نے کہا۔

”ختم کرو یہ قصہ! ہم کب تک بیہاں پیشے رہیں گے۔“

”اس شکل میں۔“ فریدی اس کی مصنوعی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

”کسی خوبصورت سے میک اپ میں۔“ حمید بڑا بیل۔ ”خدا کی قسم میں اس کی عینک... ہائے گا۔“

”شت اپ فضول باقی چھوڑو۔ اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ جاوید پر بیثان کیوں ہے۔“

”اور مجھے یہ دیکھنا ہے کہ ملک الموت آج کل کیا تخلص کر رہے ہیں۔“

”ہشت....!“

”اب میں سمجھا۔“ حمید سنجیدگی سے سر ہلا کر بولا۔

”کیا سمجھے؟“

”یہی کہ اگر ایسی قوت کو کھیاں اور پھر مارنے میں صرف کیا جائے تو انسانیت کی بہت بڑی خدمت ہو سکتی ہے۔“

”پھر کو اس کرنے لگے۔“

”ارے سر بکار میں توازنی خبی ہوں لیکن کیا میں ایشیاء کے عظیم ترین سراغ رسالے

پوچھنے کی رحمت گوارا کر سکتا ہوں کہ اس نے ایک معمولی سے قتل کے کیس میں اتنا چیز ہو رہا

کیوں اختیار کیا ہے۔“

”ایشیا کا عظیم ترین سراغ رسالہ کبھی کبھی تفریق کے موڑ میں آتا ہے۔“

”اور یہ تفریق۔“ حمید ہونٹ پھینک کر ہنسا۔ ”کچھ اس قسم کی ہے کہ بال پیچے دار اس نیکپڑوں کو غسلخانہ دیکھا دیا جاتا ہے۔ مانتا ہوں فریدی صاحب پچھلی رات آپ سے غلطی ہوا

لیکسی ڈرائیور سے دراصل یہ کہنا چاہئے تھا کہ میرے سوٹ کیس میں کو توال شہر کی بیوی کے پرانے سینڈل ہیں اور ان سینڈلوں سے میں اپنی محبوبہ کے اباکا مقبرہ تیزیر کروں گا۔“

”یہ تو دیکھو کہ وہ اخبارات، جو جاوید کو ایک کھلا ہوا مجرم گردان رہے تھے وہی اب اُنہیں

بیگناہی میا بت کرنے پر قتل گئے ہیں۔“

”تو آپ نے یہ سب کچھ اسی لئے کیا تھا۔“

”ارادہ تو نہیں تھا، مگر یہ سب کچھ اچاک ہو گیا۔“ فریدی نے کہا۔

”ایک بات کی خوشی ہے کہ بیہاں کی پولیس ست نہیں ہے۔ برادر ہوڑ کلب میں ہوئے ہی وہ پہلی ہاتھ آئی کڑی پر دوڑ گئے اگر وہ سب نیکپڑ اچاک نہ پہنچ جاتا تو واقعات کی:

جب تک کہ کسی ٹرین سے کوئی خوبصورت لڑکی نہ اترے۔ آپ نہیں جانے! حسین؟
ایک اچھا ٹکون ہے۔

”چلوا ٹھو...!

”بہتر ہے! اب غالباً میر کو کسی سرائے میں قیام ہو گا۔“

”اگر وہیں پناہ مل جائے تو بھی غیمت ہے۔“ فریدی بولا۔

”کیوں؟“

”آج سے جلال آباد میں دو آدمی ایک ساتھ مشتبہ نظرودن سے دیکھے جائیں گے، خصوص
ہو ٹلوں میں۔“

”تب تو پھر پروفیسر جھوں۔“

”یہی میں بھی سوچ رہا ہوں۔“

”لیکن میں میلاد خوانوں جیسی ڈاڑھی کا کر ہرگز نہ جاؤ گا۔“ حمید نے منہ بنا کر کہا۔ ”اپ
کی ڈاڑھی آرٹنک ہے۔“

فریدی نے دھکے دے کر اسے وینگ رومن سے باہر نکلا۔

”لیکن اس سامان کا کیا ہو گا، جو ہوٹل میں رہ گیا۔“ حمید نے کہا۔

”وہ اس وقت کو تو اسی میں ہو گا اور مٹی کے شیر اسے اچھی طرح الٹ پلٹ کر دیکھ رہے ہو
گے۔ بہر حال اب بہتر اسaman دوبارہ خریدنا پڑے گا۔ میرے خیال سے تجویز یہ بہتر رہے گی کہ
ضروری سامان خرید کر پروفیسر جھوں کے یہاں پلے جاؤ۔ اس سے کہتا کہ تم پروفیسر چلتھارنی کے
اسٹشنس ہو۔ ڈاکٹر زینٹ کے متعلق پوچھے تو کہہ دینا کہ پروفیسر نے اسے اصل مرغوں کے
کہیں بھیجا ہے۔“

”مگر میری ڈاڑھی۔“

”بغیر ڈاڑھی کے بھی تم پہچانے نہ جاسکو گے۔“

”مگر مجھے یہ صورت پسند نہیں۔“

”ارے اوکم بخت کیا تم یہاں عشق لڑانے آئے ہو۔“ فریدی چھنجلا کر بولا۔

”نہ لڑانے کی قسم تو کھا کر نہیں آیا۔“

”جہنم میں جاؤ۔“ فریدی بڑا بڑا ہوا آگے بڑھ گیا۔ حمید اس کے پیچھے پکا۔ اس کے ہاتھ میں
ی کیس تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس سوت کیس کی بدولت وہ درمانہ جائے۔

فریدی اٹیشن بے باہر نکلتے ہی ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر کسی طرف جل دیا تھا۔ حمید کبھی سوت
ہ پر قہر بھری نظریں ڈالتا تھا اور کبھی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنے لگتا تھا۔

چند لمحے وہ اپنی گدی سہلا تارہ پھر اٹیشن کے اندر چلا گیا۔ وینگ رومن میں پہنچ کر اس نے
اوہر نظریں دوڑا میں اور میدان صاف دیکھ کر سوت کیس سیت ایک غسلخانے میں گھس گیا۔

یہاں اس نے آئینے کے سامنے اپنی ڈاڑھی الگ کی۔ پھر سوت کیس کھول کر دو تین شیشوں
تحوڑا تھوڑا سیال لے کر اپنے چہرے پر مٹا رہا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پہلا میک اپ بالکل ختم ہو گیا

اس کی اصل صورت ظاہر ہو گئی۔ اس اثناء میں اس نے اندر لگا ہوا پاپ پوری دھار سے کھول
ناتاکہ باہر والے غسلخانے خالی نہ سمجھ کر دروازے کو دھکا دیئے کی زحمت گوارانہ کریں۔

پھر وہ میں منت کی محنت سے اس نے اپنے خدو خال بدل دیئے اور انہیں ایک حد تک
ب توجہ بھی بنا لیا۔ معاملہ چونکہ ایک خوبصورت لڑکی کا تھا اس لئے اس نے فریدی کی گذشتہ

تیں بالکل ہی فراموش کر دی تھیں۔ فریدی کا قول تھا کہ سراغ رسال کا میک اپ ایسا ہو تا
پہ کہ وہ عام آدمیوں کی بھیز میں کسی نہیں خصوصیت کا حامل نہ ہو، سو اسے ایسے حالات میں

پہ کہ وہ خود ہی لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہو۔

یہ موقع بھی کچھ اسی قسم کا تھا کہ حمید کو اس کے قول پر عمل کرنا چاہئے تھا۔ مقامی
آلی ڈی کے آدمی شہر کے چھپے چھپے پر پھیل گئے تھے اور وہ کسی مشتبہ آدمی کو چیک کے بغیر

نقدم بھی آگے نہیں بڑھنے دے رہے تھے۔

حمد سوت کیس لٹکائے ہوئے غسلخانے سے برآمد ہوں۔ وہ ایک شدید قسم کی الجھن میں جلا
اور الجھن کی وجہ وہ سوت کیس تھا جس میں فریدی نے وہ سب اہم چیزوں رکھ لی تھیں جنہیں

اسنے اپنے سامان کے ساتھ ہوٹل میں چھوڑنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ اسے الجھن بالکل نہ ہوتی مگر
اسنے غسلخانے سے نکلتے ہی وینگ رومن کے دروازے سے کچھ پولیس کا نشیلوں کو دیکھ لیا تھا جو

اسکے پیچے ہوئے مسافروں کے سامان کی تلاشیاں لے رہے تھے۔

حمد نے چاہا کہ چپ چاپ نظریں چھا کر نکل جائے، لیکن ان کا نشیلوں کے انچارج نے

سب اپکنے سوٹ کیس کھول ڈالا اور حمید دم سادھے کھڑا رہا۔ اس کے ذہن میں اخبار کا جملہ گونج رہا تھا۔ اخبارات نے پچھلی رات کے بھروسے کے متعلق یہ بھی لکھا تھا کہ شاندار ایک نے بوڑھے کامیک اپ کر کھا تھا۔

سب اپکنے پائچھے منٹ تک سوٹ کیس کو الٹا پلتارہا۔ پھر سیدھے کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ اڑتا ہوا مسکرا کر بولا۔ ”محبے افسوس ہے لیکن کیا کیا جائے ہمیں تو شہے میں علاشی لئی ہی پڑتی ہے، مجھے امید ہے کہ ڈائریکٹر سلمان صاحب کو ہمارا شہر ہر لحاظ سے پسند آئے گا۔“

”اگر ان کے سوٹ کیس میں بھی افون شہ ہوتی۔“ حمید بولا۔ ”اوہ کیا کیا جائے۔“ سب اپکنے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ ”پھر اس نے پلٹ کر اپنے ماتخوں کو بات دینی شروع کر دیں۔“

حمید نے سوٹ کیس بند کیا اور اطمینان سے ٹہتا ہوا ٹھیکیوں کے اوٹے تک آیا۔ اسے فریدی نری طرح غصہ آرہا تھا۔

بہر حال سوٹ کیس اس کے لئے وباں جان ہو رہا تھا اور وہ کسی نہ کسی طرح اس سے پیچا ٹڑانا چاہتا تھا۔ اس نے ایک ریستوران کے ایک کیبن میں ٹھس کر چائے کا آرڈر دیا، لیکن اب سے اپنی حمact کا احساس ہوا۔ کیبن میں پر دھو تو تھا ہی نہیں، ورنہ اس نے سوچا تھا کہ ناشتے کے ران میں سوٹ کیس سے اشد ضروری چیزیں نکال کر اُسے وہیں چھوڑ دے گا۔

اس نے ناشتہ آگیا اور وہ طوعاً و کرہاً نوالے ٹھونٹارہا۔ اس نے سوٹ کیس ایک کونے میں ہوڑ دیا تھا۔ بات تو کچھ بھی نہیں تھی، لیکن یہاں پھر فریدی کے اسول اس کا بھیجا چھاڑ رہے تھے۔ فریدی کا کہنا تھا کہ کسی کیس کی تفتیش کے دوران میں ایسے پولیس والوں کے ہتھے چڑھ جاؤ نہیں تم جانتے نہ ہو تو ان پر اپنی حقیقت ہرگز نہ ظاہر ہونے دو۔

بھلامہٹ میں اس کا دل چاہا کہ اپنے ہی منہ پر تھپٹ مارنا شروع کر دے۔ چائے کی ایک پیالہ کر کے اس نے دوسری لبریز کی اور اسے اپنے ہونٹوں کی طرف لے ہی جا رہا تھا کہ ایک زور اڑ دھاکہ ہوا۔ پیالی اس کے ہاتھ سے چھوٹ پڑی اور وہ خود اچھل کر میز پر چڑھ گیا۔... اُرے لمحے میں اس نے میز پر سے چھلانگ لگائی کیونکہ دھوئیں میں اس کا دم گھنٹے لگا تھا، لیکن لکی حاضر دماغی کی داد دینی پڑتی ہے کیونکہ کیبن سے باہر نکلتے ہی اس نے چاروں طرف زور

اُسے دیکھ لیا۔

”اے ہے مسٹر۔“ اُس نے اُسے آواز دی۔

حمدیر کیا۔ سب اپکنے اسے گھورتا ہوا تیزی سے آتے بڑھا۔ اُس کی نظریں اس پر پاس طرح جی ہوئی تھیں، جیسے وہ اُسے پیچانے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر وہ اپنی نوٹ بکھول کر اُس کے صفحے پر نظر جاتے ہوئے بڑھا نے لگا۔ ”اوچی پیشانی.... رنگت گوری۔ ڈاڑھی موجھیں صاف.... پیلا سوٹ کیس۔“

اُس نے نوٹ بک بند کر کے چکلی بجائی اور حمید کو گھورتا ہوا بولا۔ ”ہمیں تمہاری تلاش تھی،“ ”کیوں! کس لئے؟“ حمید جھنجلا کر بولا۔

”اوہ! اب یہ بھی بتانا پڑے گا۔“ اُس نے طفر آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ پھر اس اپنے ساتھیوں نے چیخ کر کہا اور وہ حمید کے گرد اکھا ہو گئے۔

”آخر بات کیا ہے؟“ حمید تیز لمحے میں بولا۔

”سوٹ کیس میں کیا ہے۔“

”ڈاڑھیاں.... موجھیں.... پاکڑ! اکریم! اعطر! یونڈر.... اور میک اپ کا دوسرا اسمان۔“

”اور کو کیں....!“ سب اپکنے زہر خند کے ساتھ بولا۔

”کیا....!“ حمید آنکھیں چھاڑ کر بولا۔ ”ایک فلم ایکٹر کے پاس کو کیں کا کیا کام۔“

”فلم ایکٹر....!“

”جی ہاں کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ملک کے مشہور فلم ڈائریکٹر مسٹر سلمان اپنی تاریخی فلا۔“

”محمد شاہ روشنیلے، جلال آباد کی تاریخی عمارت میں قمانے کا رادہ درستھے ہیں۔ ہماری پوری ٹیم دوسرا

ٹرین سے یہاں پہنچے گی۔“

”مگر ہمیں اطلاع ملی ہے کہ آپ کے سوٹ کیس میں افون اور کو کیں ہیں۔“

”جو چیزیں میں نے آپ کو بتائی ہیں ان کے علاوہ آپ کو اور کچھ نہیں ملے گا۔“ حمید ا

جھنجلا کر سوٹ کیس سب اپکنے کے سامنے ٹھنڈیا۔

”اُسے کھولنے۔“

”آپ ہی کھولئے۔“ حمید نہ بکڑ کر بولا۔ ”اس میں تلا نہیں ہے۔“

سے کہا۔

”یہ کیا ہوا...؟ یہ دھماکہ کہاں ہوا۔“

وہ لوگ، جو اس کے کیبن کی طرف بے تھا شہر ہے تھے رک گئے۔ ”ارے آگ“ ان میں سے کسی نے جیچ کر کہا۔ کیبن جل رہا تھا۔ سارے لوگ آگ کا شور مچاتے ہوئے مڑک پر آگئے۔ حید بھی انہیں میں تھا اور وہ چپکے سے کھک گیا۔

تمہوڑی دیر بعد وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھا ہوا اپنے چہرے کا پیسہ خٹک کر رہا تھا اور اس کی سانس دھوکی کی طرح پل رہی تھی۔ دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے اس سوت کیس کے چیڑھے اڑتے دیکھے تھے، جس سے وہ چچا چڑھانا چاہتا تھا۔ اسے اچھی طرح یقین تھا کہ فریدی اس قسم کا جان لیوانداق نہیں کر سکتا اور پھر اس وقت بھی اسے سوت کیس میں کوئی اسکی خطرناک چیز نہیں نظر آئی تھی جب وہ وینگ روم کے غسلخانے میں میک اپ کر رہا تھا۔ پھر آفرودہ نائم بم کہاں سے پٹکا تھا۔ اچانک اسے وہ سب انپکڑیا آیا جس نے اس سوت کیس کی ٹلاٹی لی تھی۔ مگر وہ اس قسم کی کوئی حرکت کیوں کرتا۔ حید خیالات میں الجھا رہا اور ٹیکسی پروفیسر جھوس کی کوئی نہیں کے سامنے رک گئی۔

اتفاق سے سلیمہ برآمدے ہی میں کھڑی ہوئی تھی۔ حید بڑے ادب سے اپنی فلکت ہیٹ اڑا کر تمہوڑا سا جھکا اور پھر سیدھا ہو گیا۔

”کیا پروفیسر جھوس تشریف برکتے ہیں۔“

”جی ہاں.... فرمائیے۔“ سلیمہ رک رک کر بولی۔ وہ حید کو عجیب نظر وہ سے دیکھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی جوبہ ہو۔

”کیا پروفیسر چنگھاڑی آگئے۔“

”جی نہیں!“ سلیمہ نے نہ اسامنہ بنا کر کہا۔ ”ان کا فون آیا تھا کہ ان کا سیکریٹری سامان لے کر آئے گا۔“

”میں ان کا سیکریٹری ہوں۔“

”ہوں گے۔“ اس نے لاپو دائی سے کہا اور جانے کے لئے مڑی۔

”اوہ.... منے تو سکی۔“

”جھن سننے کافی تھا۔ اس میں تو سہی کے اضافے کی کیا ضرورت تھی۔“
”میں اپنے الفاظ والپیں لیتا ہوں۔“

”شوق سے لے جائیے۔“

”کہنے کا مطلب یہ ہے۔“ حید ہکایا۔

”تو آپ کہیں گے بھی اور مطلب بھی بتائیں گے۔ گویا بور کریں گے۔“

”مجھے پروفیسر جھوس کے پاس لے چلے۔“

”چلے! اپنے ہی کہہ دیا ہو تا اتنا وقت کیوں برباد کیا؟“

وہ اسے کمرے میں لے آئی جہاں چھپلے روز حید نے پروفیسر جھوس سے ملاقات کی تھی۔ عی سلیمہ نے پروفیسر کو یہ بتایا کہ وہ پروفیسر چنگھاڑی کا سیکریٹری ہے پروفیسر بے اختیار اچھل رہ مضری بانہ اندراز میں اپنادہنہا تھے ہلا کر بولا۔ ”اوہ! ماں! ذیز سر! فوراً شرماروڈ کے کینے ڈی رہیں چکنے۔ پروفیسر چنگھاڑی آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہاں ایک ایسے مرغ کو ذرع نے سے بچانا چاہتے ہیں جس میں پانچ زردیاں پیدا کرنے کی صلاحیتوں کے امکانات پائے جاتے۔ پروفیسر نے پدرہ منت قمل مجھے فون کیا ہے۔ جلدی سمجھے ذیز سر سیکریٹری۔

حید اسے پاؤں واپس ہوا۔ سلیمہ بھی اسکے ساتھ تھی۔ برآمدے میں اس نے اسے روک لیا۔ ”آخر یہ کیا مذاق ہے۔“ اس نے حید کو گھوڑ کر کہا۔

”میں نہیں سمجھا! محترم۔“

”یہ چنگھاڑی کیا بلاء ہے۔“

”جھوس کے کہتے ہیں۔“ حید نے اسی کے لمحے کی نقل اتاری۔

”اوہ یہ تو انگریزوں کی حرکت ہے۔“ سلیمہ ٹر سے بولی۔ ”کم بختوں نے موج کو جھوس بل بالکل اسی طرح جیسے ٹھاکر کو ٹیکور کر دیا۔“

”اوہ! اور چندور اوڑنل کے جرمنوں نے پروفیسر چکارنی کو ٹکاڑ کر چنگھاڑی بنا دیا۔“

”جرمن در اوڑ نہیں آریائی نسل سے ہیں۔“ سلیمہ جھنجلا کر بولی۔

”ضروری نہیں کچھ در اوڑ بھی ہیں بلکہ میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ وہ قوالی بھی سننے لدے۔“

ہیں صاحب میں تو فلمی سخنے گوپ کی طرح خوش ہوں۔ لیکن اس کا افسوس ضرور نہ براحت جان ہوں۔“
بچوں کو گے بھی۔“

میں آپ کی ایکیم کے مطابق مر نہیں سکا۔“ حمید نے اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا اور پھر ہنپتے کار ادھ کر رہا تھا کہ فریدی نے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے کہا
س وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔“
غاؤ تو میں مذاق کر رہا ہوں۔ آخر سوت کیس میں بم رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔“
بم....!“ فریدی چوک کر بولا۔“ کیا بکتے ہو۔“

لیا؟ آپ نے اس میں بم نہیں رکھا تھا۔“

یہی کوئی جواب دینے کے بجائے پہ خیال انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ چند اس نے کہا۔

تم نے وہ سوت کیس کہاں چھوڑا تھا۔“

چھاتی سے تو چپکائے رہا تھا آپ پوچھتے ہیں کہاں چھوڑا تھا۔“

آخر بات کیا ہوئی؟“

نید چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر اُس نے شروع سے آخر تک پورا واقعہ دھرا دیا۔
صرف اسی سب اسکپڑ نے ملاشی لی تھی۔“ فریدی نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔
”نہیں اس کے سرال والے بھی آئے تھے۔“

” حمید خدا کے لئے بخوبی ہو جاؤ۔“

”اگر میں بخوبی ہو تو خود کشی کر لیتا جاتا۔“

فریدی خاموش ہو گیا۔ اس کے ماتھے پر سلوٹیں اُبھر آئی تھیں اور ہر وقت یہم غنوڈگی کی ہی میں رہنے والی آنکھوں میں بلکی سی چک پیدا ہو گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ” تو مطلب یہ ہے کہ کچھ نامعلوم لوگ موجودہ حالت میں بھی ہماری اصلاحیت سے واقف ہیں۔“

”کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ بم اسی سب اسکپڑ نے رکھا تھا۔“ حمید نے حرمت سے کہا۔
” اس کے متعلق واقعہ سے نہیں کہا جاسکتا۔ ہو سکتا ہے کہ ملاشی کے دوران میں کسی

”فضول! آپ مسخرے ہیں۔“

”جی نہیں میں سائنسٹ ہوں۔ میں فلائم کے بیچ سے ٹھاڑا گا سکتا ہوں۔“
”کیا؟“ سلیمان ایک قدم پیچھے ہٹ کر چلتی۔

”جی ہاں اور اس میں استنبتے ہی دنامن پائے جاسکتے ہیں جتنے کہ اٹھے میں ہوتے ہیں۔“

”جتنی جلد ہو سکے یہاں سے چل دیجئے ورنہ میراغصہ بڑا خراب ہے۔“

”کیوں محترمہ....!“ حمید نے سہم جانے کی ایکنگ کی۔ ”کیا مجھ سے کوئی گستاخی ہوئی؟“

”آپ جاتے ہیں یا میں اپنے کتوں کو آوازوں۔“

حمید نے بڑے ادب سے فلک بیٹھ اتاری اور قدرے جھک کر ایک معزز مہماں کی طرح رخصت ہو گیا۔

تیسرا لاش

فریدی کیفے ڈی سائپر لیں میں حمید کا انتظار کر رہا تھا۔ حمید راستے پھر سوچتا آیا تھا کہ ثالیہ فریدی اُتے نئے میک اپ کی وجہ سے نہ پچان سکے۔

کیفے ڈی سائپر لیں ایک چھوٹا سا لیکن سیلیقے کیفے تھا۔ دہاں بکشکل تمام پندرہ یا تین میزیں رہی ہوں گی، لیکن اس کے باوجود بھی وہ کم از کم متوسط طبقے کے لوگوں کے لئے بہت مناسب تھا۔ فریدی دروازے کے قریب ہی والی میز پر بیٹھا تھا۔ جیسے ہی حمید اندر دا خل ہوا فریدی کی مسکرا کر اُسے آگھہ ماری۔

”واقعی آپ اپنہائی خطرناک ہیں۔“

”کیوں ایک اسلئے کہ تمہیں ایک ہی نظر میں پچان لیا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”ذرا آہستہ بولا۔“ ”آہستہ و اہستہ کی ایسی نیسی۔“ حمید بھجنگلا کر بولا۔ ”اگر آپ میری جان لینا چاہتے ہیں تو دیسے ہی گولی مار دیجئے۔“

”خیریت۔“ فریدی اُسے گھور کر بولا۔ ”کیا بات ہے۔ بچ جنم تم کچھ جھلانے ہوئے ملنے ہو رہے ہو۔“

میں ایک گیت گانا چاہتا ہوں! جس کے بول ہیں، نندی رے نندی تیری گھوڑی پتے کے میں۔“

”میں تمہارا اسر توڑوں گا۔“ فریدی غریلای۔

”زبر کی کاشت بر باد ہو جائے گی اور بنتجے کے طور پر چوٹ گم سے محروم ہو جائیں گے۔“
”جید کیوں شامت آئی ہے۔“

جید نے کوئی جواب نہ دیا کیونکہ اب اس کی توجہ کام رکنڈ لڑکیاں بن گئی تھیں جو ابھی ابھی اُر ان کے قریب ہی کی میز پر بیٹھی تھی۔

”و چند لمحے انہیں دیکھتا رہا پھر فریدی کی طرف جھک کر آہنہ سے بولا۔“ دونوں ٹکڑے ہی مہوتی ہیں۔“

فریدی سچ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ جید نے سوچا کہ اب اُسے زیادہ تاؤ دلانا مناسب اس لئے وہ سمجھیدہ ہو جانے کی کوشش کرنے لگا۔

”اور اس جاوید کا کیا رہا۔“ اس نے اپنے پاس پیٹ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ ”میں اُسے ایک دیکھا چاہتا ہوں۔“

”کیا کرو گے۔“ فریدی نہ اسامنہ بنا کر بولا۔ ”یہ ساری چیزوں تم مجھے غیر سمجھیدہ آدمی کی کل نہیں۔“

”سنئے جتاب۔“ جید اپنا اورپی ہونٹ بھینچ کر بولا۔ ”کیا آپ سچ یہ چاہتے ہیں کہ میں ہو جاؤں۔ اگر اس حادثے کے بعد بھی آپ کو میری خوش طبعی کرال گذرا رہی ہے تو میں باز الٹ گئے سے! چنانچہ گرم بخچ کر زندگی بس کر لوں گا۔“

”بل اتنے ہی میں پاگل ہو جانے کا خدشہ لا حق ہو گیا۔“ فریدی نے زہر خدہ کے ساتھ کہا۔
لمانے کئی کئی دن سننا تی ہوئی گولیوں کے درمیان گذارے ہیں۔“

”خدا آپ کی بات الگ ہے۔“ جید منہ سکوڑ کر بولا۔ ”نہ میں بارو دیکھا لکھا ہوں اور نہ پڑوں اہوں۔“

”جیسیں صرف ندیدے کتے کی طرح عورتوں کے پیچھے بھاگنا آتا ہے۔“

جید پاسپ سلاگا نے لگا۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ جید پاسپ سلاگا نے کے بعد پھر لڑکیوں کی

”دوسرا نے یہ حرکت کی ہو۔“

”تامگن ہے۔“ جید نے خود اعتمادی کے ساتھ کہا۔ ”میری نظریں ایک پل کے سوٹ کیس سے نہیں ہیں تھیں۔“

”تمہاری نظریں بہک بھی سکتی ہیں۔“ فریدی بولا۔ ”مثلاً کے طور پر میں تھیں، کر کے تمہاری جیبوں سے اس کینے کے چمچے چھریاں اور کانے برآمد کر سکتا ہوں۔“

”اچھا تو پچھلی رات آپ ہی نے میری جیب کاٹی تھی۔“

”میڈ فضول بکواس نہیں..... یہ کام کا وقت ہے۔“

”اگر بھی حالت رہی تو انشاء اللہ جلد ہی کام تمام ہو جائے گا۔“

”وہ لوگ کون ہو سکتے ہیں۔“ فریدی نہ دیکھا اندماز میں زیر لب برو بولایا۔

”میرے دلماڈ کے سازھوں کے سالے کے بنتجے کے دادا زاد بھائی۔“

فریدی اُسے محض گھور کر رہ گیا۔ اندماز سے ایسا معلوم ہوا رہا تھا جیسے کچھ بولنے پر ان خیالات کی کڑیاں ٹوٹ کر بکھر جائیں گی۔

”میں کہتا ہوں اگر وہ سوٹ کیس میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں کہاں ہوتا۔“ جید میز پر مار کر بولا۔

”چھتم میں۔“ فریدی جیب سے سگار کیس نکالتا ہوا بڑا بولایا۔ اس نے خالی الذہنی کے سے میں ایک سگار منتخب کیا اور اُسے ہونٹوں میں دبا کر پھر کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

”کیا وہ ریلوے پولیس کا عملہ تھا۔“

”جی ہاں! ریلوے پولیس ہمیشہ حاملہ رہتی ہیں۔“

”تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔“ فریدی جھنجھلا کر بولا۔

”اس دھماکے کے بعد سے میں اپنی یادداشت کو بیٹھا ہوں اور اب مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میری کھوپڑی پر روپڑ کی کاشت ہوتی ہو۔ آج اتوار ہے اور کل جمعرات ہو گی۔ سات دیں صرف ایک بھی محترمہ موٹ ہیں! ابھی وجہ ہے کہ روز جمعرات رہتی ہے۔“

فریدی اُسے تھر آلو نظروں سے گھورتا رہا اور جید کی بڑی براہمی جاری رہی۔ ”درادیکے آپ کے قاؤ نین پن میں کیا وقت ہوا ہے۔ میرا قاؤ نین پن تو ساڑھے بارہ بجارتا ہے۔ دیے

”اپ نے مجھے دیں کیوں نہیں بتایا۔“
”نم خبیر نہیں تھے۔“ فریدی نے اس انتہا بنانے کا کام کیا۔ ”بعض اوقات تم شدت سے کھلنے لگتے ہو۔“
”جید خاموش رہا۔“

فریدی کی تیکسی آگے جانے والی تیکسی سے کافی فاصلے پر تھی۔
”یہاں آپ محض اس بنا پر اس کا تھا قب کر رہے ہیں کہ اس کا ساتھی صورت سے اچھا آدمی معلوم ہوتا۔“ جید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”میں صبح یہی سے اس کا تھا قب کر رہا ہوں۔“ فریدی بولا۔

”لیکن آپ تو اسے پہچانتے ہی نہیں تھے۔“
”میں صبح اس کے گھر گیا تھا۔“

”گھر گئے تھے۔“ جید نے تھیر ان لمحے میں دہرایا۔

فریدی خاموش رہا۔ اس کی نظریں آگے والی تیکسی پر جھی ہوئی تھیں۔

جید تنگ آکر پروفیسر جھوس کی لڑکی کے متعلق سوچنے لگا۔
”تھوڑی دیر بعد اگلی تیکسی میون پسل گارڈن کے چانک پر رک گئی۔“

”آگے بڑھ چلو۔“ فریدی نے ڈرائیور سے کہا اور پچھلے شیٹ سے باہر کی طرف دیکھنے جید نے بھی اس کی تقلید کی۔ ان کی تیکسی آگے نکل آئی تھی۔ رکی ہوئی تیکسی سے دو آدمی مارکیوں پسل گارڈن میں داخل ہو گئے۔ فریدی نے مڑ کر ڈرائیور سے تیکسی روکنے کو کہا۔
میون پسل گارڈن کا شمار شہر کی بہترین تفریق گاہوں میں ہوتا تھا۔ باغ کے مشرقی سرے پر انہیں ایک طویل و عریض دارالطاععہ تھا جس کی بالائی منزل بعض پیک تقریبات کے دونوں پر نشست گاہ کا کام بھی دیتی تھی۔

فریدی نے باغ میں داخل ہر کران دو آدمیوں کی طرف اشارہ کیا، جو دارالطاععہ کی طرف ہلکے تھے۔ پھر انہوں نے ان دونوں کو اپری منزل کے زینوں پر چڑھتے دیکھا۔

جلاید کے متعلق اندازہ لگانے میں جید کو بھی کوئی دشواری نہ ہوئی کیونکہ اس کا چہرہ ستا ہوا فلادر آنکھوں میں عجیب طرح کی وحشت پائی جاتی تھی۔ ویسے چند روز پیش روہ یقیناً ایک قبول گورت اور ہنس کر نوجوان رہا ہو گا۔

طرف متوجہ ہو گیا تھا اور وہ لاکیاں صرف اپنے سامنے رکھی ہوئی پلیٹوں کی طرف دھیان رہی تھیں۔

جید کچھ کہنے کے لئے فریدی کی طرف مڑا۔ لیکن فریدی کی کہتی خالی تھی۔ وہ برا چاروں طرف دیکھنے لگا۔ میز پر وہ سگار جوں کا توں پڑا تھا جسے فریدی نے گفتگو کے دوران میں کے لئے نکالا تھا۔

جید اس کا انتظار کرتا رہا۔ پندرہ منٹ گزر گئے اور پھر جید کی آلتاہٹ بڑھنے لگی۔ وہاں ارادہ کرنے رہا تھا کہ ایک چھوٹا سا لڑکا اس کے قریب آگر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے جب میں ڈال کر ایک مڑا تھا سا کاغذ نکالا اور جید کے ہاتھ میں پکڑا کر کھڑا ہو گیا۔ کاغذ پر تحریر تھا۔ لوگ کے کو ایک چونی دے دو اور تم فوراً جی روڈ کے کراسنگ پر آجائو۔“ نیچے فریدی کے دھمکا جید نے لڑکے کو چونی دی۔ جی روڈ کا چوراہا زیادہ دور نہیں تھا۔

جید نے فریدی کو دیکھا، جو ایک تیکسی کے پائیڈ ان پر پیر رکھ کے شاندار اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ قریب پہنچنے پر اس نے اسے اندر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی بیٹھ گیا۔ تیکسی چل پڑی۔

”اس طرح کیوں غائب ہوئے تھے۔“ جید نے آہستہ سے پوچھا۔

”جاوید۔“ فریدی زیر لب بڑھ رکھ رہا گیا۔

”میاں یہ تیکسی ڈرائیور۔“

”نہیں وہ اگلی تیکسی میں ہے۔“

”کہاں تھا۔“

”وہیں جہاں ہم بیٹھے ہوئے تھے۔ میں وہاں وقت گزاری نہیں کر رہا تھا۔“

”وہاں تھا۔“ جید نے جھرت سے کہا۔

”وہاں وہ کسی کا انتظار کر رہا تھا اور جب تم ان لڑکیوں کو سو نگھنے میں مشغول تھے تو ایک نے فٹ پاٹھ سے اسے کسی قسم کا اشارہ کیا تھا۔ جس کے جواب میں وہ وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ اب دونوں اگلی تیکسی میں جا رہے ہیں۔“

”دوسرा آدمی کون ہے؟“

”کوئی بھی ہو.... لیکن وہ اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔“

خنول ہے۔ ”اس نے جاوید کی بات کاٹ دی۔ ”میں سمجھتا تھا کہ تم آج معاملات صاف
کرے۔ مگر تم بڑے تاکہجھ ثابت ہوئے۔ خرپولیس خود ہی سمجھ لے گی۔“

”دوسرا آدمی جانے کے لئے مژد۔

”غیرہ تو سکی۔“ جاوید اسے روک کر بولا۔ ”میں اس وقت پندرہ ہزار دے سکتا ہوں۔“
”چکاں ہزار ریکھشت۔ اگر ایک ہفتہ کی بھی دنیبھی تو ایک لاکھ۔ اس کے بعد تو پھر تم
بھی ہو۔“

”تینی میں جلد ہی دے دوں گا۔“

”بیکار ہے! میں یکھست چاہئے۔ ایک مالدار آدمی کی زندگی کیلئے یہ رقم بہت زیادہ نہیں ہے۔“

”بھ تو مجھے خود کشی ہی کرنی پڑے گی۔“

”بہت مناسب ہے۔“ دوسرا آدمی بے دردی سے بولا۔ ”ہم ایک جھنجھٹ سے فتح جائیں
تمہاری وجہ سے ہمارا بہت وقت برپا ہو تاہے۔“

جاوید اسے ایک لمحہ گھورتا رہا۔ اس کے نئے ہوئے بیجان چہرے پر دفعہ اسرار خی جھکلنے لگی اور
نے اس کی آنکھوں میں ایک خوفناک چمک دیکھی۔

”تم ایک ہفتے کی بھی مہلت نہیں دے سکتے۔“ اس نے دوسرا آدمی سے کہا۔ ”میں صرف
مہلت کے لئے تمہیں پندرہ ہزار دے سکتا ہوں۔ اور پچاس ہزار کا انعام میں ایک ہفتے میں
لگا۔“

”میں کیا کروں دوسرا نہیں مانتے۔“ اس بار دوسرا آدمی کا لہجہ نرم تھا۔

”یا مہلت کے لئے پندرہ ہزار ایسے کم ہیں۔“

”پولو... بلدی کرو... یہ لو۔“ جاوید کا ہاتھ جیب میں گیا اور پھر باہر نکل آیا۔ اس کی گرفت

اعشار یہ دوپائچ کا نخساپ توں چمک رہا تھا۔ دوسرا آدمی چونکہ کرایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

”نکلو...!“ جاوید کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ ”وہ بنڈل میرے حوالے کر دو۔ ورنہ نہیں
کروں گا۔“

”دوسرا آدمی حرمت سے آنکھیں چڑائے اسے دیکھا رہا۔“

”نکلو...!“ جاوید دانت پیس کر بولا۔

فریدی اور حمید بھی اوپری منزل پر پہنچ گئے اور انہیں ان دونوں کی نظر دیں سے پورے
رہنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی کیونکہ ہال کے ایک گوشے میں فرنچپر کا انبار لگا ہوا تھا۔ وہ دروازہ
اس گلکری سے گذرتے ہوئے اُس دریچے میں داخل ہو گئے جس کے سامنے فرنچپر کا انبار تھا۔
جاوید کا ساتھی ایک یحیم شیم آدمی تھا جس نے صرف ایک چتوں اور قمیض پہن رکھی تھی
کہر میں فولادی کیلیں جڑی ہوئی چھڑے کی بیٹھی تھی اور اس کا بھاری جبڑہ اس کی اذیت پسند طیور
غمازی کر رہا تھا۔

”میں سمجھتا تھا کہ تم سمجھدار آدمی ہو۔“ وہ جاوید سے کہہ رہا تھا۔

”میں مجبور ہوں.... بالکل مجبور ہوں۔“ جاوید کپکاٹی ہوئی آواز میں بولا۔

”کوئی یقین نہیں کر سکتا۔“ دوسرا آدمی لاپرواٹی سے شانے ہلا کر بولا۔

”تم لوگ کروڑ پتی ہو۔“

”میں کیسے بتاؤں کہ دادا جان...!“

”دادا جان۔“ دوسرا آدمی طنزیہ لجھ میں بات کاٹ کر بولا۔ ”میں کس طرح یقین کر لوں
انہیں تمہاری زندگی عزیز نہیں۔“

”میں نے انہیں یہ نہیں بتایا۔“

”تو بتا دو۔“

”وہ پولیس کو اطلاع دے دیں گے۔“

”جس کا نتیجہ تمہاری چھانی کی ٹکل میں ظاہر ہو گا۔“ دوسرا آدمی سکر اکر بولا۔

”میں جانتا ہوں، وہ ضدی آدمی ہیں۔ انہیں سمجھانا بیکار ہو گا۔“

”تو پھر تم انتظار کرو۔“ دوسرا آدمی نے کہا۔

”میں قیامت تک نہیں کر سکتا۔ میرے ہاتھ میں پکھ نہیں۔“

”یہ غلط ہے! جھوٹ بولنے کی کوشش نہ کرو۔ میں جانتا ہوں کہ برسیں تمہارے ہاتھ میں ہیں۔“

”لیکن میں صرف فیجر ہوں۔ حلبات دوا جان گر رکھتے ہیں۔ بینک میں بھی انہیں کام چلا جائے۔“

”تم جانو۔“ دوسرا آدمی نے پھر لاپرواٹی سے اپنے شانوں کو حرکت وی۔

”میں تھوڑا...!... تھوڑا کر کے۔“

حید پچھے کہنے کے لئے فریدی کی طرف پلنا، لیکن وہ پھر غائب ہو چکا تھا۔ اُسے حیرت؛ لیکن وہ اس مسئلے کو ایک لمحے سے زیادہ کے لئے اپنے ذہن میں نہ رکھ سکا کیونکہ ہال کا مظاہر کہیں زیادہ تحریر انگیز تھا۔

”اچھا! تو اس طرح دھمکاؤ گے۔“ دوسرا آدمی جاوید سے کہہ رہا تھا۔

”پیکٹ نکالو۔“ جاوید غریب۔ اس کے جواب میں دوسرا آدمی جس نے اپنی حالت پر قابو تھا، پہلا ساقہ تھہ لگا کر بولا۔ ”میں اتنا حق نہیں ہوں کہ وہ پیکٹ اپنے ساتھ لاتا اور تم یہ سمجھو کر میں تھہا ہوں۔“

دفاتر حید نے اپنے دبائے شانے پر بوجھ سامحوں کیا۔ وہ چوک کر مڑا۔ دوسرے ہی میں ایک روپ اور کامندہ الہ اس کی کپٹی سے چپک گیا۔

”چلو آواز نہ نکلے۔“ بھاری بھر کم آدمی نے در پیچے کی طرف اشارہ کیا۔ حید چپ چاپ نکل۔ وہ اسے ہال میں لے آیا۔ اتنی دیر میں نقشہ ہی بدلتا گیا تھا۔ اب ہال کی آدمی تھے اور فرش پر چوتھا گہرے سائز لے رہا تھا۔ شاید اسے بیہوش کر دیا گیا تھا۔ ایک آدمی بھکر کی تلاشی لینے لگا۔

”واقعی پدرہ ہزار لایا تھا۔“ وہ نوٹوں کی ایک گذی سنبھالتا ہوا سیدھا ہو گیا۔

”ارے۔“ وہ آدمی جو جاوید کے ساتھ آیا تھا، گھبرائے ہوئے انداز میں اپنی جیبیں ٹوٹا بولا۔ ”وہ پیکٹ کہاں گیا۔“

”کیا....!“ بھاری بھر کم آدمی غریب۔

”جی ہاں.... وہ پیکٹ میری اس جیب میں تھا۔“

”گدھے! انکو کے پٹھے۔“ بھاری بھر کم آدمی راتت پیس کر بولا۔ ”اس کا گلگھونٹ دو۔“ تین آدمی اس پر ٹوٹ پڑے۔ اس نے چینتا چاہا، لیکن اس کا منہ دبایا گیا اور پھر حید نے منتظر دیکھا کہ اسے اپنی آنکھیں بند کر لئی پڑیں۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے سر پر بھی کوئی وزنی چیز ماری گئی اور وہ تکلیف کی شدہ سے بوکھلا کر ایک آدمی پر چھپت پڑا۔ پھر دوسرا اور بیہوش ہی کردینے والا ثابت ہول ”لہما“ فرش پر آگرا تھا۔

خطرناک گروہ

حید ایک تاریک کوٹھری کے فرش پر چلتا ہے اپنے دکھتے ہوئے سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا، جس پچھلے ہے کا درم ایک دوسرا سر معلوم ہونے لگا۔ حید نے دل ہی دل میں اپنے سر پر ”ایک ایک بٹاچار“ کی پھیت کی ہی اور پھر اپنے مقدار کو کوئے لگا۔ اس کی زندگی میں اس حتم کا پہلا واقعہ میں تھا۔ وہ متعدد بار ائم خطرناک آدمیوں کے پتھے چڑھ چکا تھا۔

حید سوچ رہا تھا کہ شاید فریدی نے پہلے ہی سے خطرے کی بو سوگھ لی تھی۔ اسی لئے وہ مک گیا تھا۔

حید پر پھر جھلات کا درودہ پڑ گیا۔ اُسے فریدی کا یہ طریقہ انتہائی ناپسند تھا کہ وہ اُسے بھاڑ میں بیک کر خود الگ ہو جاتا تھا۔ اپنا مطلب نکلنے کے لئے دیدہ دانتہ اُسے خطرات کے حوالے دیتا تھا۔ لیکن ان خیالات کے باوجود بھی حید کو یقین کامل تھا کہ فریدی اس کی طرف سے نفل نہ ہو گا۔

دفاتر کوٹھری کا دروازہ چڑھا ہٹ کے ساتھ کھلا اور کسی نے اندر داخل ہو کر بر قی روشنی دی۔ حید کو دو ایسے آدمی نظر آئے جنہیں اس نے میوں جل مگرڈن کے دار المطالعہ میں نہیں بھکھا تھا۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ ان کی سمجھنی ڈاڑھیاں مصنوعی ہیں۔ انہوں نے اپنی آنکھوں تاریک شیشوں کے چشمے چڑھا رکھے تھے۔

”پیارے بزرگو۔“ حید نہایت ادب سے بولا۔ ”میں اپنے بیرون سے جمل سکتا ہوں، لیکن اپنے میری ربر کی کاشت بر باد کر دی۔ آج اتوار ہے یا جمعرات۔“

وہ دونوں کچھ نہ بولے۔ ان میں سے ایک حید کا بازو معموق طی سے قائم ہوئے اُسے اٹھری سے نکال رہا تھا۔ پھر وہ کئی راہداریوں سے گذرتے ہوئے ایک وسیع کمرے میں داخل ہوئے جہاں تقریباً پندرہ میں آدمی اکٹھا تھا، لیکن ان میں ایک ایسا آدمی بھی تھا جس نے اپنا چہروہ قلب میں چھپا رکھا تھا۔ وہ اٹھ کر حید کی طرف بڑھا ہے وہ ایک معزز مہمان کی حیثیت سے اس کا مقابل کرنا چاہتا ہو۔ اس نے اپنا ہاتھ معاٹھے کے لئے حید کی طرف بڑھا لیا۔... حید نے بھی ان گر مجھوں کا انظہار کیا۔ ایک خالی کرسی پیش کی گئی۔ حید دل ہی دل میں خود کو ٹھر بنانے کی

کوشش کر رہا تھا۔

”آپ کا سر تو نبڑی طرح دکھ رہا ہو گا۔“

”ہمیں....!“ حمید جہرست سے آنکھیں چھاڑ کر بولا۔ ”آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میرا سرد کھے کر رہا ہے؟“

نقاب پوش کچھ نہ بولا۔ اُس نے اپنے ساتھیوں پر ایک اچھتی سی نظر ڈالی اور پھر حمید کی دریختنے لگا۔

” بتائیے تا۔“ حمید پھر بولا۔ ”آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ میرا خیال ہے کہ میں نے ایک بار بھی سے یہ نہیں کہا کہ میرا سرد کھر رہا ہے۔ کیا آپ روشن فخری ہیں؟“

”آپ کے سر میں کچھ دیر قبل چوتگی تھی۔“ نقاب پوش نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ حمید بوکھلا کر اپنے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ ... پھر اس کا ہاتھ سر کے اُس حصے پر رک گیا اور مم ہو گیا تھا۔

”چوتگی...!“ وہ آہستہ سے بڑھا لیا۔ ”ہے تو سکی... مگر یہ کیسے گی۔ مجھے کچھ یاد نہیں، آخر بنا کیا بات ہے۔“

دفعہ نہ نقاب پوش نہیں پڑا۔

”بھی چوتگی ہے اور آپ نہیں رہے ہیں... وہ... وہ... وہ...“ حمید جھنجھلا کر بولا۔

”میرے دوست مجھے اُو بنا نے کی کوشش نہ کرو۔“ اس نے چھتے ہوئے لجھے میں کہا۔ ”میں یہ لگا دہ سب انپکٹر نہیں ہوں جسے تمہارے ساتھی نے غسلخانے میں بیوشاں کر دیا تھا۔“

”ٹھیک آپ بہت زیادہ پی گئے ہیں۔“ حمید نہیں پڑا۔

”ختم کرو یہ ڈھونگ۔“ نقاب پوش نے کہا۔ ”کام کی باتیں کرو۔ میں بڑھ کر رکنا چاہتا ہوں۔“

”خود رکھ جئے۔ بہت اچھی چیز ہے۔“ حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”مگر میں ہوں کہاں آپ کوں لوگ ہیں۔ میری بد تیزی معاف کیجئے گا۔ میں نے ابھی تک آپ لوگوں سے آپ شکل کچھ نہ پوچھا۔“

”لیا میو پل گارڈن کے دار المطالعہ میں آپ ہمارے متعلق کوئی اندازہ نہیں لگا سکے۔“

”ز جانے آپ کیسی بے سر و پا باتیں کر رہے ہیں۔“ حمید جھنجھلا کر چینا۔

”میں نے اس سے پہلے آپ لوگوں کو کہیں نہیں دیکھا اور پھر آپ اپنی بات کر رہے ہیں۔“

”اس وقت آپ کو اپنے درمیان پا کر ہم خوشی محسوس کر رہے ہیں۔“ نقاب پوش نے کہا۔ ”میں بھی باغ باغ ہو رہا ہوں۔“ حمید اپنا اوپر ہونٹ بھیج کر بولا۔

”آپ شاید نہ راض ہیں۔“

”نہیں تو خوشی کے مارے میرا پیشاب خطا ہوا جا رہا ہے۔“ حمید نے پھر اسی لجھے میں کہا۔ ”ہم مجبور تھے۔“ نقاب پوش نہ امت آمیز لجھے میں بولا۔ ”اس وقت اس کے علاوہ ہمیں اور کوئی تمیر نہیں سو جھی۔ ویسے ہم آپ کی دل سے قدر کرتے ہیں۔“

”آخر اس عزت افرائی کی وجہ۔“

”ریکھئے! جناب!“ نقاب پوش نہیں کر بولا۔ ”آپ کا یہ شریفانہ لہجہ مجھے نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ بھی وہی ہیں، جو ہم ہیں۔“

”بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔“ حمید نے جہرست سے کہا۔ ”میں قلندر علی ہوں اور آپ دلدار خان بھی ہو سکتے ہیں۔ تفضل حسین بھی آپ کا نام ہو سکتا ہے.... اور....!“

”آپ کی باتیں دلچسپ ہیں۔“ نقاب پوش ہاتھ انداز کر بولا۔ ”ماش ہم پہلے سے ایک دوسرے کو جانتے ہو تے۔“

”اگر جانتے بھی ہوتے تو کچھ نہ ہوتا۔“ حمید نے معموم لجھے میں کہا۔ ”یوکہ شاکر میں اپنی یاد داشت کھو بیٹھا ہوں۔“

”کیوں.... کس طرح۔“ نقاب پوش نے جہرست کا انہصار کیا۔ ”بھلا بلائیے۔ اگر بھی یاد ہوتا تو میں یہ کیوں کہتا کہ میں اپنی یاد داشت کھو بیٹھا ہوں۔ میں مجھے تو اپنا نام بھی نہیں یاد رہ گیا۔“

”رفعت نیم کا قتل تو یاد ہی ہو گا۔“

اس جھلے پر حمید نہائی میں آگیا۔ وہ سوچتے لگا کہ کیا وہ لوگ اُسے پہچان گے ہیں۔ وہ پھر آہستہ سے بڑھ رہا اور چند لمحے پر خیال انداز میں نقاب پوش کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد بولا۔

”اس نام سے کان تو کچھ کچھ آشنا معلوم ہوتے ہیں، لیکن مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے یہ نام کہاں سناتا۔“

آپ کی آواز میں تو زمانہ پن تھا، لیکن آپ مجھے کوئی پرده نہیں خاتون معلوم ہوتے ہیں۔ ”
کمرے کے بہتیرے آدمی نہیں پڑے، لیکن نقاب پوش کی گھورتی ہوئی آنکھوں نے انہیں
اس طرح خاموش کر دیا جیسے قہقہوں میں اچانک بریک لگ گئے ہوں۔
”دیکھنے جتاب۔“ اس نے سخت لمحے میں کہا۔ ”آپ ہمیں یہ قوف بنانے کی کوشش نہ کریں
تو ہبہتر ہے۔“

”اچھا میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب یہ قوف نہ بناؤں گا۔“ حمید نے بڑے سعادتمندانہ لمحے میں کہا
”آپ نہیں باز آئیں گے۔“ نقاب پوش گرج کر بولا اور حمید بول کھلا کر اس طرح چاروا
طرف دیکھنے لگا جیسے یہ معلوم کرنا چاہتا ہو کہ نقاب پوش کا مخاطب کون ہے۔

”اے۔“ نقاب پوش نے اپنے ایک آدمی کو مخاطب کر کے کہا۔ ”اے دھکے دے کر بھا
سے نکال دو۔ ان گدھوں کے بغیر بھی ہمارا کام چل سکتا ہے۔ میں نے تو چاہا تھا کہ شرافت
کوئی معابدہ ہو جائے۔“

”دیکھتا ہوں۔ کون دھکے دے کر نکالتا ہے۔“ حمید بچھر گیا۔ ”تم کون ہو نکالنے والے یہ میں
مکان ہے، تم بغیر اجازت اندر کیوں گھس آئے۔ میں پولیس کو فون کرتا ہوں ابھی تک میں نہ
بجھ رہا تھا۔“

ایک آدمی حمید کی طرف بڑھا۔ اس کے پیچھے کھڑے ہوئے دو آدمیوں نے اُسے پکڑ لیا۔
ایک تیرے آدمی نے اس کی آنکھوں پر چڑھے کا تو بڑا چڑھادیا۔

”تارے مر۔“ حمید چینا۔ ”دوڑو بچاؤ۔“

”برخوردار ابھی تمہارے منہ سے دودھ کی بو آتی ہے۔“ نقاب پوش مسکرا کر بولا۔

”دیکھ کی ہوگی۔“ حمید نے سمجھ دی گئی سے کہا۔ ”آج صبح میں نے لی پی تھی۔“

”باہر چینک دو اسے۔“ نقاب پوش دوبارہ چین کر بولا۔

شاید چار آدمیوں نے حمید کو ٹانگ لیا۔ اس کی آنکھیں تو بڑے کی وجہ سے بند ہو گئی تھیں۔
اتھا اسے اچھی طرح یاد رہا کہ وہ لوگ اُسے اٹھائے ہوئے دس پندرہ منٹ تک چلتے رہے تھے۔
بچھر کسی جگہ اس کے پیروز میں سے لگے اور وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں پر چڑھے کا تم
اب بھی چڑھا ہوا تھا۔ وہ کسی کے بولنے کا انتظار کرتا رہا مگر اسے کسی قسم کی بھی آواز سنائی نہ دی۔

”میرے پیارے دوستو۔“ حمید آہستہ سے بولا۔

لیکن جواب ندارد۔ قریب یادور کسی قسم کی کوئی آواز نہیں سنائی دی۔

حمید نے اپنی آنکھوں پر سے چجزے کا تمہہ ہٹا دیا، لیکن اس کے علاوہ وہاں اور کوئی نہ تھا۔ وہ
آن دوی غائب ہو چکے تھے۔ دور تک سنان جنگل کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا اور رات اندر ہیری
بکریاں نیلگوں و سعتوں میں تارے چک رہے تھے۔

حمد دو یا تین بار زور زور سے کھانا لیکن اس پر بھی اُسے کوئی آواز نہ سنائی دی۔ اس کے
روے تازہ ہوا پا کر زور زور سے پھولے اور چکنے لگے۔ رات اندر ہیری ہونے کے باوجود بھی
بار تھی۔

حمد کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کہہ جائے۔ اُسے نہیں معلوم تھا کہ شہر کس سمت میں
پورا شہر ہی اس کا دیکھا ہوا نہیں تھا، چہ جائیکہ ان اطراف کے جنگل۔ وہ تن تقدیر ایک
چل پڑا۔ لیکن یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ آخر انہوں نے اسے اس طرح
کیوں دیا، حالانکہ اس نے انہیں ایک قتل کا مر تک ہوتے دیکھ لیا تھا۔ آخر وہ لوگ کون تھے
لے سے کیا چاہتے تھے۔

حمد چلتا رہا اور سوچتا رہا۔ اچانک اس کے پیر سخت قسم کی زمین سے ٹکرا کر گونج پیدا کرنے
اُس نے چوک کر چاروں طرف دیکھا۔

اب وہ ایک پنچتہ سڑک پر چل رہا تھا، جس کے دونوں طرف گھنی جھاتیاں تھیں۔ دفعتا کسی
سے ایک آدمی اُس پر ٹوٹ پڑا۔ حمید خود کو سنبھالتے سنبھالتے ڈھیر ہو گیا۔ دوسرا لمحے
دوسرا آدمی اُس کے سینے پر بسوار تھا۔

”اب تم مجھے گرا کر سیدھے بھاگتے چلے جاؤ۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”تمہارے جیب میں ایک خط ہے۔ زور کر کے اٹھو اور مجھے گرا کر بھاگو۔ شہر کا سیدھا حارستہ۔“

حمد کو زور لگانے کی بھی ضرورت نہیں پیش آئی۔ وہ آدمی خود ہی اچھل کر دور جا گرا اور
کر بھاگا۔ دوسرا آدمی نے زمین سے اٹھتے اٹھتے اس پر دو تین فائر کر دیے اور پھر حمید کے
پر دوڑنے لگا۔ اس نے پے در پے دو تین فائر اور کئے۔

حمد اپنے پیچھے کئی آدمیوں کے دوڑنے کی آوازیں سن رہا تھا۔ وہ بھاگتا ہی رہا۔ یا کیا اس

”جی اس مرغ نے راستے میں تھوڑا پریشان کیا تھا۔“

”اوہ وہ کیمبوں تو۔“ پروفیسر اسے اپنے ہاتھ میں لے کر تولے ہوئے بولا ”ہے زوردار۔“

”فی الحال ڈاکٹر زبتو نے اُسے نامزح کر دیا ہے۔“

”اوپریز مائی ڈائری اوزار آہستہ۔ بے بی برابر والے کمرے میں ہے۔“ پروفیسر آہستہ سے بولا۔

”میں نے ڈاکٹر زبتو سے سنا ہے کہ وہ ٹھماڑ سے نفرت کرتی ہیں۔“

”چھ چھ! خبردار ٹھماڑ کا تذکرہ اس کے سامنے نہ آنے پائے۔ ورنہ ہر بات کے آپ ہی ذمہ دار ہے۔ ویسے بے بی بڑی اچھی لڑکی ہے۔ دوسروں کی عزت کرنا جانتی ہے۔ تھوڑی غصہ در بین زور اس کی ہاں میں ہاں ملائی پڑتی ہے۔ چلتے میں آپ کا کمرہ دکھادوں۔ اسے اپنا ہی گھر چھے اور ہاں بے بی سے کبھی بحث نہ کہجئے گا۔ خیال رہے ٹھماڑ کا۔“

ایک نئی دریافت

دوسری صبح خونگوار ضرور تھی مگر حمید کے جوڑ جوڑ میں درد ہو رہا تھا۔ اس نے کھڑکی سے دع آفتاب کا حسین مظفر دیکھتے ہوئے انگڑائی، اور پاپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ اس کی نظر س میں سوت کیسوں پر جمی ہوئی تھیں، جو فریدی ہی نے پروفیسر کے یہاں پہنچائے تھے۔ اس نے گی ایک انہیں کھولا بھی نہیں تھا۔

پاپ ختم کر چکنے کے بعد وہ انھل۔ سوت کیس کھولے۔ ان میں ریڈی میڈی کپڑے موجود تھے۔

یدنے اپنے لئے ایک عمدہ سا سوت منتخب کیا اور قمیں کے ساتھ نائی کا بیچ تلاش کرنے لگا۔

وزی دیر بعد جب وہ لباس تبدیل کر کے برآمدے میں آیا تو اس کی شخصیت ہی بدلتی چکی تھی۔

لہر نے اس پر ایک اچھتی سی نظر ڈالی اور اپنے بڑے بالوں والے کتے کے سر پر ہاتھ پھیرنے

لاد سیلہ سے تھوڑے ہی فاصلے پر پام کے گلے کی اوٹ میں اسلام بیٹھا شیو کر رہا تھا۔

”صحیحگر مختصر۔“ حمید نے قدر پر جک کر کہا۔

”یہ صحیحگر کیا چیز ہوتی ہے۔“ سلیمان اسے گھور کر بولی۔ ”اللّٰم علیکم نہیں کہہ سکتے تھے۔

پس آپ کام شاند ساجد ہے۔ مسلمان ہی ہوں گے۔“

نے ایک ساتھ کئی فاؤنڈ کی آوازیں سنیں، لیکن اب تھا قاب کرنے والوں کے قدموں آوازیں نہیں آرہی تھیں۔ متوتر آدھ گھنٹے تک وہ دوڑتا رہا۔ دس پانچ منٹ دینے کے بعد وہ چل پڑتا۔ کچھ دور پر بہت سی روشنیوں کے چھوٹے چھوٹے دبے دکھائی دینے لگتے۔ شام کو زندگی تھا۔

شہر پہنچ کر وہ سب سے پہلے ایک کینے میں گھس گیا۔ ایک کہین میں اطمینان سے پہنچنے بعد اس نے وہ کاغذ کا گلکار انکلا جس پر پہل سے ٹکٹے حروف میں تحریر تھا۔

”شہر پہنچ کر ایک اصل مرغ خرید لیا اور اسے لئے ہوئے سیدھے پروفیسر جھوں کے پہاڑ پلے جانا۔ وہ بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہا ہو گا اور بس۔ اب تمہیں کئی دن کے لئے چھٹی ہے آرام کر دو اور باہمیں بناو۔“

تحریر فریدی ہی کی تھی۔ حمید اس کا طرز تحریر اچھی طرح پہچانتا تھا اور پھر اگر وہ فریدی ہو تو اسے خود کو گرانے کے لئے کیوں کہتا۔ اس نے اس کی آواز بھی صاف پہچان لی تھی۔

حمد نے دیوار سے گئے کلاک کی طرف دیکھا۔ آٹھ بج رہے تھے۔ اس پر ہ جھنگلاہٹ کا دورہ پڑا۔ آخر اس وقت اصل مرغ کہاں تلاش کرتا پھرے گا۔

اس کی خوش قسمتی ہی تھی کہ ابھی تک گوشت کامار کٹ کھلا ہوا تھا۔ بہر حال وہ ایک اصل مرغ خریدنے میں کامیاب ہو گیا۔

اور یہ بھی کچی بات تھی کہ ڈاکٹر جھوں اس کا منتظر تھا۔ اس نے اسے برآمدے میں ملک دیکھا۔

”لومائی ڈائری۔“ وہ حمید کی بغل میں مرغ دبا ہوا دیکھ کر چینا۔ ”میں آپ کا منتظر تھا۔ مگر پروفیسر کہاں ہیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ آپ اور وہ دونوں ساتھ ہی تشریف لا میں گے اور نہیں آئے۔ میں معموم ہوں۔“

”میا پروفیسر آئے تھے۔“ حمید نے پوچھا۔

”جی ہاں اسماں لے کر آئے تھے۔ میں نے آپ دونوں کے کمرے ٹھیک کر دیئے ہیں۔ اوہو! کیا آپ کہیں گر پڑے تھے۔“ پروفیسر حمید کی پشت سے مٹی جھاڑنے لگا۔

اُرے شرم نہیں آتی تمہیں جھوٹ بولتے ہوئے۔ ”سلیمہ حلق پھاڑ کر چینی۔ اب آپ خود سوچئے۔“ اسلام رومنی صورت بنا کر بولا۔ ”میا آپ کے بڑے بھائی اکو تھے۔“ نہیں یہ غلط ہے۔“ پروفیسر جلدی سے بولا۔ ”بے بی تمہیں شرم آنی چاہئے۔“ میں نے نہیں کہا۔ یہ جھوٹا ہے۔“ سلیمہ جھلاہٹ میں اپنے بال نوچنے لگی۔ اُرے ازے!“ پروفیسر نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔ اس پر سلیمہ جو چینی مار کر روٹی ہے کوٹھی سر پر اٹھائی۔

پروفیسر اسے لے کر اندر چلا گیا۔ آپ نے بہت بُرا کیا۔“ حید نے اسلام سے کہا۔ اسلام اس انداز سے ڈالا ہی بنا نے میں ہو گیا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔

”چھوڑ یے بھی۔“ اس نے سر اٹھا کر کہا۔ ”یہ توروز کی تفریح ہے۔“ ان کا مضمون فلفہ تو نہیں۔“ حید نے پوچھا۔

”تھی ہاں یہ فلفے میں ایم۔ اے کروہی ہیں۔“ اسلام بولا۔ ”مگر میں نے تمہیہ کر لیا ہے کہ شادی کے کروں گا خواہ یہ فلفے کے ساتھ ہی ساتھ چینی زبان بھی کیجھ لے۔“

”تبھ جائے گی؟“ حید نے پوچھا۔ ”خوب نہیں گی جذاب۔ مجھے لڑنے بھگلنے والی عورتیں بہت پسند ہیں۔ سید ہمی سادی میں مجھے شلبجم یا موگ کی دال معلوم ہوتی ہیں۔“

”بہت خوب۔“ حید مسکرایا۔ ”آپ تو مجھے شاعر معلوم ہوتے ہیں۔“

”بلی مقدر خراب تھا کہ پہلی اور آخری غزل میں نے چودہ سال کی عمر میں کہی تھی۔“ ”تو اب ایک ٹماڑنامہ لکھ ڈالئے۔“

”اوہ او! تو کیا آپ جانتے ہیں۔“ اسلام نے جھرت سے کہا۔

”دوران گفتگو میں پروفیسر نے بتایا تھا۔ آخر آپ بیچاری کو کیوں چھیڑتے ہیں۔“ کپاؤڈی میں ایک کار کے داخلے نے سلسلہ گفتگو منقطع کر دیا۔ کار میں دو عدد بارودی اور مسلح کا نشیل تھے۔ تیرا آدمی سفید قمیں اور سفید ٹالوں میں ملبوس تھا۔ اس کی خصیت صحیح لامیں جاذب توجہ تھی۔ عمر تو چالیس اور پینتالیس کے لگ بھگ رہی ہوگی، لیکن اعضاء

”مجھے افسوس ہے مجھ سے غلطی ہوئی۔“ حید نے ندامت آمیز لمحے میں کہا۔ دفعہ اس رسموس کیا کہ سلیمہ کے چہرے کی تختی زمہٹ میں تبدیل ہو گئی۔

”رات آپ کو تکلیف تو نہیں ہوئی۔“ اس نے بڑی خوش اخلاقی سے کہا۔ ”بہت آرام سے سویا۔ اپنے گھر پر بھی اتنا آرام نہ ملت۔ آپ س کو نہیں شاکد اس شہر میں بہتر ہے۔“

”آپ بہت معاملہ فہم آدمی معلوم ہوتے ہیں۔“ اسلام نے ہنس کر حید کو مخاطب کیا۔ ”ہر لوگ آپ کی تشریف آوری سے بے حد خوش ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ آپ ٹماڑی کی تعریف نہیں کریں گے۔“

”اسلم تم سور ہو۔“ سلیمہ جھنجلا کر کھڑی ہو گئی۔ ”بالکل بد تیز ہو۔... تم میرے سامنے مت آیا کرو۔ ورنہ کسی دن....!“

”آج میں ہمیشہ کیلئے جا رہا ہوں۔“ اسلام نے فلم کے ہیر و کی طرح ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ ”پکواس ہے۔ تم ہمیشہ میرے لئے باعث کوفت بنے رہو گے۔“

”اوہ تو کیا تمہیں منتظر ہے۔“ اسلام خوش ہو کر بولا۔

”شٹ اپ۔“ سلیمہ حلق کے مل چکی اور پر پنچتی ہوئے اندر چلی گئی۔ ”بیٹھنے نا آپ کھڑے کیوں ہیں۔“ اسلام نے حید سے کہا۔

”آپ نے محترمہ کو ناخوش کر دیا۔“ حید بیٹھتا ہوا غمناک لمحے میں بولا۔ ”کریک ہے۔“ اسلام نے اپنی کپٹی کے قریب انگلی نچاتے ہوئے کہا۔

”میا کہا تم نے۔“ سلیمہ جھپٹ کر کرے سے نکلی اور اسلام کے ہاتھ سے سیقی ریز چھوٹ پڑا۔ ”کچ کچ بھی تو نہیں۔“ اسلام ہکلایا۔

”میں کریک ہوں؟“ سلیمہ گری۔ ”ارے بھتی یہ کیا صحیح ہی صحیح...“ پروفیسر جھوں ایک کرے سے نکلا ہوا بولا۔ ”یہ ڈفر مجھے کریک کہتا ہے۔“ سلیمہ نے جھ کر کہا۔

”کیوں اسلام میاں خواہ ہنگامہ برپا کر رہے ہو۔“ پروفیسر بولا۔

”آپ بھی مجھے ہی کہنے لگے۔ سلیمہ نے مجھے الوکا پٹھا کہا تھا۔“

چوڑے چکلے اور مضبوط تھے۔ پیشانی کشادہ اور محراب دار تھی۔

”کیا پروفیسر موجود ہیں۔“ اس نے آگے بڑھ کر حمید سے پوچھا۔

”جی ہاں.... فرمائیے۔“ اسلام سیفی ریز رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

”کوتوال صاحب کی آمد کی اطلاع کرو تجھے۔“ ایک سب انپکٹر بولا۔ اتنے میں پروفیسر

ہی باہر آگیا۔ وہ پولیس والوں کو اپنے چشمے کے اوپر سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”اوہ ہاؤ! لیکن صاحب! تشریف لایے! تشریف لایے۔“

وہ انہیں لے کر ڈرائیکٹر دم کی طرف بڑھا۔ حمید نے اس موقع پر پیچھے رہنا مناسب سمجھا۔ ان کے ساتھ ہی وہ بھی ڈرائیکٹر دم میں چلا گیا۔

”آپ پیلک لا ببری ی کے ممبر ہیں۔“ کوتوال نے پروفیسر کو مخاطب کیا۔

”جی ہاں.... جی ہاں۔ میں یہاں کی کئی لا ببری یوں کامبیر ہوں بلکہ دو ایک تو میرا سر پرستی ہی میں چل رہی ہیں.... فرمائیے۔“

”میں آپ کا پیلک لا ببری ی والا کارڈ دیکھنا چاہتا ہوں۔“ کوتوال نے کہا اور اپنی باریک تر ہوئی نوکدار موچھوں پر زبان پھیرنے لگا۔

”ٹھہریے.... میں دیکھتا ہوں۔“ پروفیسر نے گھٹی جائی۔ دوسرا لمحے میں ایک لڑکے میں داخل ہوا۔

”دیکھو.... ڈرائیکٹر سے لیبارٹری سے اٹھااؤ۔“

”آخر....!“ وہ چند لمحے بعد بولا۔ ”پولیس کو میرے لا ببری ی کے کارڈ سے کیا دلچسپی کرتی ہے۔“

”ابھی عرض کرتا ہوں۔“

نوکر سیاہ رنگ کی ٹرے ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوا۔ اس نے جھوٹی میز پر رکھ کر اسے پروفیسر کے سامنے کھسکا دیا۔ پروفیسر اس میں رکھے ہوئے کافی ذات کو التئے پلٹئے لگا۔

بڑے انہاک کے ساتھ پیلک لا ببری ی کا کارڈ تلاش کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے مایوسی سر ہلاتے ہوئے کوتوال کی طرف دیکھا۔

”مجھے حیرت ہے کہ صرف وہی کارڈ اس میں موجود نہیں ہے۔“ اس نے کہا۔

”آپ نے کسی کو دیا تو نہیں۔“

”ٹھہریے میں بتاتا ہوں۔“ پروفیسر نے کہا پھر نوکر سے بولا۔ ”ذرالسلم کو تجھے دو۔“

چند لمحے خاموشی رہی۔ پروفیسر کچھ مضطرب سانظر آرہا تھا لیکن اس نے اس معاملے کے

لن پھر کچھ نہیں پوچھا۔

”مسلم میاں۔“ وہ اسلام کو دیکھتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ”کیا پیلک لا ببری ی والا کارڈ

مارے پاس ہے۔“

”پیلک لا ببری ی والا کارڈ۔“ اسلام کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”کیا وہ ابھی واپس نہیں آیا۔“

”ہاں سے واپس نہیں آیا۔“ پروفیسر اسے تیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

”بہت عرصہ ہوا جاوید بھائی لے گئے تھے۔ انہیں شاید کسی کتاب کی ضرورت تھی۔“

”لیکن جانتے ہو۔“ پروفیسر گزگز کر بولا۔ ”یہ اصول کے خلاف ہے۔ تم نے اسے کارڈ کیوں

لے جانے دیا تھا۔“

”سلیمان نے دیا تھا۔“

”کسی نے بھی دیا ہو۔“ پروفیسر جھنچھلا کر بولا۔ ”جو چیز اصول کے خلاف ہے وہ ہر حال میں

مول کے خلاف رہے گی۔ کیوں جناب۔“ وہ حمید کی طرف مخاطب ہو گیا۔

”جی ہاں جناب.... قلعی۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔

”بہر حال آپ کا کارڈ ایک لاش کے قریب پایا گیا ہے۔“ کوتوال بولا۔

”جی کیا مطلب۔“ پروفیسر بے اختیار اچھل پڑا۔

”جی ہاں۔“ کوتوال سگریٹ سلاکتا ہوا بولا۔ ”پیلک لا ببری ی کے اوپر ہاں میں۔“

”میں کچھ نہیں سمجھا۔ ذرا جلدی سے وضاحت کیجئے ورنہ مجھے بلڈ پریشر ہو جائے گا۔“

”جاوید آپ کا عزیز ہے۔“

”جی ہاں ہے تو۔“

”آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ رفت نیم کی بیوی کا قاتل ہے۔“

”یہ ابھی کس طرح کہا جاتا ہے۔“ پروفیسر نے کہا۔ ”ابھی تو مقدمے کی ساعت بھی نہیں

شروع ہوئی۔“

"مقتولہ کے پاس اس کارڈ میل پایا گیا تھا اور اس نے اس کی شاخت کی تھی۔"

"تو پھر جس لاش کے پاس میرا کارڈ پینا گیا اس کا قاتل میں ہوں گا۔" پروفیسر لنج لجھے میں بولا۔

"آپ پوری بات تو سن لیجئے۔" کوتال مسکرا کر بولا۔

"تائیے! ورنہ مجھے بلڈ پریشر ہو جائے گا۔"

"لاش کے قریب ہی جاوید بیہوش حالت میں پایا گیا ہے اور آپ کا کارڈ دراصل جاوید ہی کی جیب میں تھا۔ جاوید کے جیب سے اعشاریہ دوپانچ کا ایک پستول بھی برآمد ہوا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ پستول کا لائننس جاوید بھائی کے پاس تھا۔" اسلام بول پڑا۔

"آپ کا خیال درست ہے، لیکن آخر پستول جیب میں لئے پھرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"کیا مقتول اسی پستول کی گولی سے ہلاک ہوا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"یہ سب تو پوست مارٹم کی رپورٹ سے معلوم ہو گا۔" کوتال نے کہا۔ "میں تو اتنا جانتا ہوں کہ وہ گولی جاوید کے پستول سے چلانی گئی تھی اور اس پر جاوید کے انگلوں کے نشانات بھی پائے گئے ہیں۔"

"اور خود جاوید بیہوش پایا گیا ہے۔" حمید طنزیہ لجھے میں بولا۔ "گویا جاوید گولی مارنے کے بعد بیہوش ہو گیا تھا۔ اگر وہ ایسے ہی کمزور دل کا تھا تو اس نے گولی ہی کیوں چلانی۔ آپ کے بیان کے مطابق وہ اس سے پہلے بھی ایک قتل کا مرتكب ہو چکا ہے، لہذا تجربہ کار ہے اسے قتل کے بعد بیہوش تو نہ ہونا چاہئے۔"

"آپ واقعی بہت ذہین آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" کوتال طنزیہ لجھے میں بولا۔ "لیکن اس کا فیصلہ عدالت ہی کرے گی۔"

"جاوید پھر گرفتار کر لیا گیا؟" پروفیسر نے پوچھا۔

"لازی امر ہے۔" کوتال نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اس کی صانت بھی ضبط ہو گئی ہے۔"

"مجھے اس لڑکے کے لئے افسوس ہے۔" پروفیسر بولا۔ "یقیناً کوئی اسے پھنسانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" کوتال نے کہا۔ "کیا وہ کل آپ کے یہاں آیا تھا۔"

"بھی نہیں... میں نے اسے مہینوں سے نہیں دیکھا۔"

"پھر وہ آپ کا کارڈ کب لے گیا تھا۔"

"مجھے یہ بھی نہیں معلوم... کیوں اسلام؟"

"میرا خیال ہے کہ یہ رفت کی بیوی کے قتل سے پہلے کادا قعد ہے۔" اسلام نے کہا۔

"آپ جاوید کے دوستوں میں سے ہیں۔" کوتال نے اسلام سے پوچھا۔

"نہیں، ہم میں بے تکلفی نہیں کیوں نکل وہ عمر میں مجھ سے بڑے ہیں۔"

"بہرحال آپ اس کے عادات و اطوار اور ملنے جلنے والوں سے تو واقعہ ہی ہوں گے۔"

"قطیع نہیں... میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ ایک خوش اخلاق اور علم و دوست آدمی ہیں۔

لئے جلنے والوں سے میری واقفیت نہیں۔"

"اس شخص کو آپ نے کبھی دیکھا ہے۔" کوتال نے جیب سے ایک تصویر نکالتے ہوئے

لہا پھر اس نے وہ تصویر اسلام کی طرف بڑھا دی۔

اسلم اُسے بغور دیکھنے لگا۔ پروفیسر اور حمید بھی اُسے دیکھنے کے لئے آگے کی طرف جھک

آئے۔ حمید ایک ہی نظر میں پہچان گیا۔ یہ اسی آدمی کی تصویر تھی جو جاوید کو پہلے لا بھری ہی میں

لے گیا تھا۔ پروفیسر اسلام کی طرف دیکھنے لگا۔

"مجھے خیال پڑتا ہے کہ میں نے اسے کہیں دیکھا ہے۔" اسلام آہتہ سے بڑا بڑا۔

"بھی جاوید کے ساتھ دیکھا تھا۔"

"میں وہ تو قسے نہیں کہہ سکتا۔ روزانہ سینکڑوں صورتیں نظر سے گذرتی ہیں اور ان میں

سے کچھ ایسی خصوصیات کی حامل ہوتی ہیں، جو عرصے تک یاد رہ جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ آدمی

اچھی شخصیت کا حامل ہے۔ اس نے کبھی نہ کبھی میری توجہ اپنی جانب منعطف کرائی ہو گئی۔"

"یہ اسی آدمی کی تصویر ہے۔" کوتال نے کہا۔ "جس کی لاش پہلے لا بھری ہی میں پائی گئی۔"

کچھ دیر کے لئے خاموشی ہو گئی۔ پھر پروفیسر اسلام سے بولا۔

"ارے بھی! کوتال صاحب کے لئے چاہئے... تم بڑے بد اخلاق نہ ہوں۔"

"نہیں پروفیسر شکریہ۔" کوتال اٹھتا ہوا بولا۔ "ہم ناشتہ کر چکے ہیں۔ ویسے میں آپ کو یہ

الٹاگ دیتے کیلئے آیا تھا کہ اس کارڈ کی وجہ سے ممکن ہے کہ آپ بھی عدالت میں طلب کئے جائیں۔"

"فکر نہیں۔" پروفیسر لا پرواہی سے بولا۔ "کسی زمانے میں مجھے شاعری اور مقدے بازی

ل کی طرف کے حصے کو دیکھنے والا یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس مستحکم دیوار کے پیچے ورنی لے کھنڈر ہوں گے۔ بلے کے ڈھیر میں دبی ہوئی کرم خورہ چوکھیں ہوں گی۔ سختہ دیواریں لگی جن پر پتلی اور لمبی پیسوں والی گھاس آگ آتی ہوگی۔

سرڑک کی طرف کے حصے میں بالائی منزل پر تین کھلے ہوئے درپیچے تھے جن کا پلاسٹر سالہا سے کائی جسے رہنے کی وجہ سے سیاہ ہو گیا تھا اور دراڑوں میں گھاس آگ آئی تھی۔ انہیں پچوں کے متعلق مشہور تھا کہ وہ اکثر راتوں میں چیختنے ہوئے سے معلوم ہوتے ہیں اور ان میں رنگوں کی روشنیاں دکھائی دتی ہیں اور یہ بھی حقیقت تھی کہ انہیں درپیچوں کے پیچے مت نیعم کی یوں کی لاش پائی گئی تھی اس عمارت کے مقابل سڑک کی دوسری جانب جدید طرز میں جادید کاخانہ کا خاندان آباد تھا۔ اسی لائن میں اور بھی کئی اچھی عمارتیں تھیں ایک کوٹھی تھی جس میں جادید کاخانہ کا خاندان آباد تھا۔ اسی لائن میں اور بھی کئی اچھی عمارتیں تھیں ان لٹکڑی کوٹھی کی طرف کا حصہ بالکل دیران تھا۔ البتہ فصلوں پر یہاں چاروں طرف ہرے رے لہبہاتے ہوئے کہیت نظر آتے تھے۔ جادید کے آبا اجداد کے زمانہ میں دراصل یہ ایک ہی علاقہ تھا اور یہاں صرف لٹکڑی کوٹھی ہی ایک بُوی عمارت تھی جس کے سکین یہاں کے گیردار کھلاتے تھے۔

وقت کے ساتھ ہی ساتھ جلال آباد بھی آگے بڑھتا رہا، حتیٰ کہ وہ اس علاقے سے آملاء جہاں لٹکڑی کوٹھی واقع تھی اور اب اس دیہی علاقے کا شمار بھی جلال آباد ہی کی بستیوں میں ہونے لگا تھا۔ بہرحال آخر کل لٹکڑی کوٹھی جلال آباد والوں کے لئے ایک دلچسپ موضوع گفتگو بنی ہوئی تھی۔ دن بھر یہاں لوگوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی لیکن شام ہوتے ہی پھر یہاں قبرستان کا سانسानا چا جاتا تھا۔ خصوصیات کو تو کسی میں بھی اتنی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ لٹکڑی کوٹھی کے قریب سے گزر ہی جائے۔ اس سلسلے میں ایک بات اور بھی مشہور تھی وہ یہ کہ یہاں وہ چیزیں صرف

بھرتات کی شام کو سنبھالی ہیں ورنہ دیکھے سنا ہی رہتا ہے۔

ایک رات ایک خبردار کے منچے روپر ٹرنے لٹکڑی کوٹھی میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی، لیکن اس کی حدود میں قدم رکھتے ہی نہ جانے کہ ہر سے اس پر پنگھاریاں بر س پڑی تھیں وہ بھی دو چار نہیں بلکہ ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں لیکن وہ جلا نہیں تھا۔ اس کی خبر مشہور ہوتے ہی زیارت گاہ بنی ہوئی تھی۔ یہ ایک بو سیدہ سی عمارت تھی جس کا پیشتر حصہ کھنڈر ہو چکا تھا لیکن

سے بڑی دلچسپی تھی اور میں دوسروں کے مقدمات کی پیروی مفت کرتا تھا۔

”اچھا باب اجازت دیجئے۔“ کوتوال نے مصالخے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا ”مجھ فر بھی اس لڑکے سے ہمدردی ہے مگر کیا کرو۔ حالات سراسراں کے خلاف ہوتے جا رہے ہیں میں بھی اسے ایک اچھے لڑکے کی حیثیت سے جانتا تھا۔“

کوتوال کے پلے جانے کے بعد پروفیسر اسلام پر چکھاڑنے لگا۔

”کیا مصیب ہے تم لوگ اتنے گدھے کیوں ہو گئے ہو۔ تم نے اسے میرا کارڈ کیوں را جانے دیا تھا۔ عدالت میں یہ معاملہ پیش ہوا گا۔ سراسرا اصول کے خلاف ہے۔ ساتھ نے پروفیسر نی۔ اے جھوس کی عزت خاک میں مل جائے گی۔“

”آخر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔“ اسلام بولا۔

”بس! ابکو نہیں، ورنہ مجھے بلڈ پریشر ہو جائے گا۔ کوئی بات ہی نہیں انگلستان میں لوگ دوسروں کے کارڈ پر کتابیں نہیں لیشو کرتے۔ تم لوگوں نے پروفیسری۔ اے جھوس کو ساری دنیا میں بدنام کر دیا۔ اف فوہ! اس کے متعلق اخبارات چہ میگوںیاں کریں گے اور یہ اخبارات الگین جائیں گے، امریکہ جائیں گے روپ جائیں گے، فرانس اور جرمنی جائیں گے.... اور پروفیسر نی۔ اے جھوس۔“

پروفیسر کی آواز بھر گئی۔ اس کا چھرہ مغموم نظر آنے لگا تھا۔ آخر اس نے مری ہوئی آدمی میں کہا۔ ”مجھے بلڈ پریشر ہو جائے گا۔“

بول ٹرر،

پروفیسر جھوس کے یہاں رہتے ہوئے ہمید کو تین دن ہو گئے تھے اور اس دوران میں ایک بھی قریبی سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ پروفیسر اکثر اس کے متعلق پوچھتا رہتا تھا لیکن حمید کو بار کوئی نہ کوئی بہانہ تراشا پڑتا تھا۔

اس دوران میں اسے لٹکڑی کوٹھی بھی دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ وہ کئی دنوں سے اخبار نویسونا زیارت گاہ بنی ہوئی تھی۔ یہ ایک بو سیدہ سی عمارت تھی جس کا پیشتر حصہ کھنڈر ہو چکا تھا لیکن

”جہنم میں۔“ سلیمان نے حمید کو گھور کر کہا۔ ”مجھے اسلام کا تذکرہ کرنے والوں سے بھی نفرت ہو جاتی ہے۔ سمجھے آپ۔“

”آپ بھی غیر ضروری الفاظ بولنے لگی ہیں۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ ”بھلا یہاں سمجھے آپ کا نکڑا لگانے کی کیا ضرورت تھی۔ ظاہر ہے کہ میں نا سمجھ نہیں اور آپ نے یہ جملہ تھا تو لاطینی میں کہا تھا اور وہ سنگرت میں۔“

”مجھے افسوس ہے۔“

”اب افسوس کرنے سے کیا فائدہ میری توہین تو ہوئی چلی۔ آپ نے مجھے ذلیل رزدیا۔“
”جید کی آواز کچھ تیز ہو گئی اور پھر اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔“
سلیمان بے بُس سے اُسے دیکھ رہی تھی اور وہ اس طرح ”حادثتی تھی یعنی نادانشگی میں اس کے ہاتھ سے بندوق چل گئی ہو۔“
”جید کے گاؤں پر دو آنسوڑہ حلقک آئے۔“

”ارے ارے۔“ سلیمان پاگلوں کی طرح بولی۔ ”میں معافی چاہتی ہوں۔ آپ عجیب آدمی ہیں۔“
”اب دوسری توہین۔“ حمید نے آنبوؤں کے دوسرے ریلے کے ساتھ کہا۔ ”عجیب آدمی تو پاگل کو کہتے ہیں۔“

”میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں۔“

”لیکن دل کا وہ زخم تو واپس نہیں لے سکتی۔“ حمید کے آنسو تیزی سے چلنے لگے۔

”ارے ارے... آپ بڑے کمزور دل کے آدمی ہیں۔“

”میں کیا کروں! میری ماں میری پیدائش سے پہلے ہی مر گئی تھی۔“

سلیمان اُسے حرمت سے دیکھتی رہی پھر بولی۔

”بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔“

”وہ میرے باپ کی پہلی بیوی تھی۔“ حمید آنسو خنک کرتا ہوا بولا۔ ”میں دوسری بیوی سے ہوں۔“

”ہائیں! یہ کیا بات ہوئی۔ اس سے آپ پر کیا اثر پڑتا ہے۔“

”آپ نے پھر غیر ضروری الفاظ استعمال کئے۔“ حمید نے گلوکیر آواز میں کہا۔ ”ہائیں اور یہ کیا بات ہوئی کے بغیر بھی آپ اپنا مدعا خاہر کر سکتی تھیں۔“

حمدی کے لئے پروفیسر جھوں کا گھر کافی آرام دہ تھا۔ تفریح کے لئے اسلام اور سلیمان
تھے اور سرمادنے کے لئے خود پروفیسر تھا۔ وہ پروفیسر سے بے شکی بھیش چھیڑ کر اسے دریہ
پر بیان کیا کرتا تھا لیکن فریدی کا یہ بیان کہ پروفیسر معمولی پڑھا لکھا آدمی تھا کسی طرح اس
حلق سے نہیں اترتا تھا۔ اس نے کئی بار خالص علمی قسم کے مباحث چھیڑ کر پروفیسر کو آزمایا تو
نے محسوس کیا تھا کہ پروفیسر کی معلومات و سیاق ہیں اور وہ کئی علم پر گہری نظر رکھتا ہے۔

آج صبح ہی سے سلیمان کچھ کھوئی کھوئی سی نظر آرہی تھی اور اسلام بھی صبح ہی سے غائب ہو گیا
تاشے کی بیز پر بھی وہ کچھ نہیں بولی تھی اور پروفیسر بھی خاموش ہی سے تاشے کرتا رہا۔
کی آنکھوں سے معلوم ہوتا تھا یہی رات بھر جا گلتا رہا ہو۔

”آپ کچھ خاموش ہیں۔“ حمید نے سلیمان سے کہا۔

”کچھ کیا میں بالکل خاموش ہوں۔“ سلیمان اسے گھورتی ہوتی بولی۔

”کیا طبیعت کچھ ناماز ہے۔“

”پہلے آپ یہ بتائیے کہ آپ کو لفظ ”کچھ“ سے اتنی انسیت کیوں ہے۔ ہربات میں ”کیا ضرور استعمال کرتے ہیں۔“

”شاید مجھے کچھ ہو گیا ہے۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ اس پر پروفیسر سر جھا کر ادا پے قشے کے اوپر سے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے چشمہ اتار کر شختے صاف کئے اور اس دوران میں حمید کو الاؤں کی طرح دیکھتا رہا۔

”کیا ہو گیا ہے آپ کو۔“ سلیمان نے پوچھا۔

”پتہ نہیں مجھے کچھ نہیں معلوم۔“

”مدد کی خرابی۔“ پروفیسر بڑا بڑا۔

”ڈیڈی پلیز!“ سلیمان اسے گھورتی ہوتی بولی۔ ”دو آدمیوں کی گفتگو میں دخل نہیں دیا کرنے مجھے افسوس ہے۔“ پروفیسر بڑا بڑا ہوا امیز سے اٹھ گیا۔ ”میں معافی چاہتا ہوں۔“

”اٹھ آں آں رائٹ۔“ سلیمان نے سنجیدگی سے کہا۔

پروفیسر شاید اپنی لیبارٹری کی طرف جا رہا تھا۔

”اسلم صاحب کہاں ہیں۔“ حمید نے پوچھا۔

”میر اول مکڑے مکڑے ہوا جا رہا ہے۔“ حمید روپی آواز میں بولا۔
 ”جی....!“ پروفیسر بوکھلا کر اس کی طرف مڑا۔
 ”آپ نے ایک مہمان کے سامنے میری توہین کی ہے۔“ سلیمان گرجی۔
 ”اور آپ نے ایک مہمان کی توہین کی ہے۔“ حمید نے کہا۔
 ”خدا کے لئے۔“ پروفیسر گھلکھلھیا کر بولا۔ ”اور آپ دونوں مجھے معاف کر دیجئے ورنہ بلڈ
 ۶۰ جائے گا۔“

”میں نے معاف کر دیا۔“ حمید آنسو خنک کر کے بولا۔
 ”ذیلی کبھی کبھی آپ خود ہی اپنے اصولوں کا خون کر دیتے ہیں۔“ سلیمان تلخی سے بولی۔
 ”میں تم سے نہیں جیت سکتا ہے بی۔ مجھے معاف کر دو۔“ پروفیسر نے کہا اور بے لے قدم تاہو اکمر سے چلا گیا۔ سلیمان دور کی ایک کرسی پر بیٹھ کر حمید کو گھورنے لگی۔
 تھوڑی دیر بعد حمید نے سر اٹھا کر کہا۔ ”میں نے آپ کو بھی معاف کر دیا۔“
 ”مجھ سے مت بولئے۔“ سلیمان جھنجلا کر بولی۔ ”آپ بالکل یہ تو ف آدمی ہیں۔“
 ”کوئی نئی بات نہیں۔“ حمید نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ”ایک بار ایک س نے فیجر نے بھی مجھ سے یہی کہا تھا۔“

سیلے کچھ نہ بولی۔ وہ اُسے گھورتی رہی۔
”بات یہ تھی کہ میں نے اس کے ایک ہاتھی کو گدھا کہہ دیا تھا۔“ حمید نے کہا۔
”آپ مجھے بسانے کی کوشش نہ کریں۔“
”لا جوں والا قوتہ۔“ حمید برا سامنہ بنا کر بولا۔ ”مجھے کیا پڑی ہے کہ آپ کو پھسانے کی
کوشش کروں۔“

”پہنانے کی نیس پہنانے۔“ سلیمہ جلا کر بولی۔
 ”چلے ایک ہی بات ہے۔“
 ”آپ مجھ سے مت بولئے۔“
 ”آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، میں خود سے کہہ رہا تھا۔“
 سلیمہ اُسے گھورتی ہوئی اٹھی اور باہر چلی گئی۔ حید کب پیچھا چھوڑنے والا تھا وہ بھی اسی کے
 ماتھ اٹھ گیا۔ دونوں برآمدے میں نکل آئے۔ سلیمہ لمبوں کے درخت کے نیچے لان پر

”آپ عجیب آدمی ہیں۔“ سلیمان بے بُکی سے بولی۔
 ”اُف فوہ! پھر آپ نے میری توہین کی۔“ حمید پھر روپڑا۔
 ”ارے ارے۔“ وہ بوكھلا کر بولی پھر یک بیک چیختنے لگی۔ ”ڈیڈی! ڈیڈی!“
 پروفیسر شائد ادھر ہی آ رہا تھا۔... اُسے اس طرح چیختنے سن کر اُس نے اپنی رفتار تیز کر دی
 ”لیا بات ہے.... کیوں چیخ رہی ہو۔“ اس نے کمرے میں داخل ہو کر پوچھا پھر اس کی نظر
 حمید پر پڑی، جو اپنی آنکھوں پر رومال رکھے ہوئے سک رہا تھا۔

”کیا بات ہے... کیوں چیخنی تھیں۔“ پروفیسر نے سلیمہ سے پوچھا۔
 سلیمہ نے حید کی طرف اشارہ کر دیا لیکن کچھ بولی نہیں، وہ بہت زیادہ پریشان نظر آرہی تھی۔
 ”ارے آپ کیوں رور ہے ہیں۔“ پروفیسر حید کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔
 ”مجھے دکھ پہنچایا گیا ہے۔“ حید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
 ”کس نے دکھ پہنچایا... کیا بات ہے۔“ پروفیسر سلیمہ کی طرف دیکھنے لگا۔
 ”میرا، کیا تھا اُو؟“

میں یہ میرے دل کے لئے بڑا تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

”میرے سلیمان نے میر اول کھلایا ہے۔“ خید بچکی لے کر بولا۔

”ہامیں... سلیمان... یہ کیا۔“ پروفیسر اس کی طرف مڑا۔

”میں کیا جاؤں، میں نے کب د کھلایا ہے۔“

”میرے سلیمان نے...!“ خید نے رک رک کر کہا۔ ”میرے باپ کی پہلی بیوی کو میرے مالا

”کوئی نہیں بتائے گا۔“ پروفیسر بڑی طرزیا۔ ”مجھے بلڈ پریشر ہو جائے گا۔“

”اور آپ رونے لگے۔“ پروفیسر نے حیرت سے کہا۔
حمد نے سر ہلا دیا۔
”کمال کر دیا آپ نے۔ کیا آپ پر بھی بے بی کی صحبت کا اثر ہوا ہے۔“
”کیا کہہ رہے ہیں اؤیڈی آپ۔“ سلیمان جنگ کرو بولی۔ ”آپ میری توہین کر رہے ہیں۔“
”بب.....م.....!“ پروفیسر اپنا سر کھلا تاہو اہٹالایا۔ ”م.....میرا..... یہ مطلب نہیں۔
”پچھے نہیں مطلب صاف ہے۔“ سلیمان بگزے ہوئے لجھ میں بولی۔ ”آپ مجھے اتنا مارکھتے ہیں۔“

پک بیک وہ حمید کی طرف جھپٹی اور اس نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔ حمید بھی تک تو مذاق ہی جانشی۔ اچاک وہ کچھ بد حواس سی نظر آنے لگی تھی۔ حمید بھی اس کے قریب ہی جا کر بینے پر اس نے اس کی طرف دیکھا لیکن اس کی آنکھوں میں نہ تو جھنجلا ہٹ تھی اور نہ تیخی، البتہ الجھ کے آثار ضرور تھے اور انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ الجھن کسی غیر متعلق چیز سے قلع رکھتی ہو۔

”لیبوڈاربی۔“ سلیمانہ نے اپنے کتوں کو آواز دی۔

اور قبل اس کے کہ حمید پھانک کے باہر ہو تادونوں کتوں نے اُسے جالیا۔ حمید انہیں ہٹانے لیکن وہ دونوں اس کے کوٹ کا دامن تھام کر جھول گئے تھے۔

اتھے میں سلیمانہ دوڑتی ہوئی آئی اور اس نے پھر حمید کا گریبان پکڑ لیا۔

یہ بھی حمید کی خوش نسبیتی تھی کہ عین اس وقت جب کہ وہ اس کا گریبان پکڑ کر تھنچ رہی اسلام آئیا۔ اسلام پر گویا بجلی سی گر پڑی۔ وہ حیرت سے منہ پھاٹائے چند لمحے کھڑا رہا پھر ”ارے ہٹا ہوا آگے بڑھا۔

سلیمانہ نے اس کے بھی کئی جگہ ناخن مارے، لیکن وہ کسی نہ کسی طرح اسے اندر گھیست ہی گیا۔

توڑی دیر بعد حمید اپنے کمرے میں لباس تبدیل کر رہا تھا۔ اس نے آئینے میں شکل دیکھی ان خراشوں پر ”سی سی“ کر کے انگلی پھیرنے لگا، جو سلیمانہ کے ناخنوں کا نتیجہ تھیں۔ اس نے لمر وال سے خٹک کر کے چہرے پر کولہ کریم لگائی۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ سلیمانہ سو فیضدی گلے ہے۔

پھر کچھ دیر بعد اسے اسلام سے معلوم ہوا کہ سلیمانہ پر واقعی کسی قسم کا دورہ پڑ گیا تھا۔

”یہ اس کی پرانی عادت ہے۔“ اسلام نے کہا۔ ”غصہ اتر جانے کے بعد وہ عموماً ہر ایک سے بھتی ہے کہ بول ٹرکے کہتے ہیں۔ ایک بار میں نے نہادا تا کہہ دیا تھا کہ نہ بتاؤں گا۔ نتیجے میں اُس نے میری بھی بھی درگت بنائی تھی۔“

حمدیاں مسئلے پر غور کرتا رہا لیکن وہ اُسے زیادہ اہمیت نہ دے سکا کیونکہ وہ پہلے بھی اس قسم کی ذہنی مرضیوں سے دوچار ہو چکا تھا۔

توڑی دیر بعد وہ فریدی کے متعلق سوچنے لگا۔ آخر وہ کہاں تھا اور کیا کر رہا تھا۔ کیا ان

جا بیٹھی۔ اچاک وہ کچھ بد حواس سی نظر آنے لگی تھی۔ حمید بھی اس کے قریب ہی جا کر بینے پر اس نے تو جھنجلا ہٹ تھی اور نہ تیخی، البتہ الجھ کے آثار ضرور تھے اور انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ الجھن کسی غیر متعلق چیز سے قلع رکھتی ہو۔

”کیا آپ ناراض ہو گئیں۔“ حمید نے بڑے ادب سے پوچھا۔

”نہیں تو... لیکن۔“ وہ آہتہ سے بولی اور کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

”کیا بات ہے۔“

”بول ٹر!“

”جی! کیا مطلب۔“ حمید پوچک کر بولا۔

”بول ٹر۔“ سلیمانہ نے پھر تیز قسم کی سرگوشی میں دہرایا۔ ”بول ٹر کے کہتے ہیں۔“

حمدی حیرت سے اُسے دیکھنے لگا۔ وہ قطعی سمجھیہ نظر آرہی تھی اور اس کے چہرے پر تم آثار تھے۔ کسی اندر وہی تکلیف کا عکس اس کے چہرے پر صاف پڑ رہا تھا۔

”میں نے یہ لفظ کبھی نہیں شنا۔“ حمید نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ یہ کوئی لفظ ہی نہیں ہے۔“

”اگر لفظ ہی نہیں ہے تو پھر یہ میرے ذہن میں کس طرح آیا۔“ سلیمانہ تشویشاں لجائے بولی۔ ”اور آج یہ کوئی فتنی بات نہیں ہے۔ بچپن ہی سے یہ لفظ میرے ذہن میں گونج رہا ہے خصوصاً غصے کی حالت میں میرا ذہن بڑی تیزی سے بول ٹر بول ٹر رئے لگتا ہے۔“

”بُری عجیب بات ہے۔“ حمید مسکرا کر بولا۔

”آپ بد تیزی ہیں۔“

”آپ بول ٹر ہیں۔“ حمید نے جھلا کر کہا۔

یک بیک سلیمانہ سمجھیہ ہو گئی۔ اب وہ حمید کو دلچسپی کی نظر وہی سے دیکھ رہی تھی۔

”تو گویا آپ اس لفظ کی حقیقت سے واقف ہیں۔“ اس نے آہتہ سے کہا۔

”جی ہاں... میں جانتا ہوں۔“

”مجھے بتائیے۔“

”ہر گز نہیں بتاؤں گا.... اسکی باتیں عورتوں سے نہیں بتائی جاتیں۔“

”آپ کو بتانا پڑے گا۔“ سلیمانہ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس کی آنکھوں سے دھشت برنسے لگی

پُر اسرار پروفیسر

سرک پر سے دکھائی دینے والے درستے سنان پڑے تھے۔ فعتاً حمید کو احساس ہوا کہ وہ یہاں تک ننگ پیر دوزتا چلا آیا ہے اور اس کے جسم پر سلپینگ سوت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ یہاں سے پروفیسر کی کوئی خلی کا فاصلہ پانچ یا چھ فرلانگ سے کم طرح کم نہ رہا ہو گا۔ حمید سونپنے لگا کہ اگر لیں نے اسے یہاں اس حال میں دیکھ لیا تو اس کا کیا حشر ہو گا۔ اگر پولیس کے گشتی دستے ہی سے نہ بھیڑ ہو گئی تو۔

حمید کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ کوئی سراغ لگائے بغیر وہاں سے رخصت ہو جائے، لیکن مجبوراً اسے واپسی ہی ہونا پڑا۔ دوبارہ کوئی میں داخل ہونے میں اسے کوئی دشواری نہیں پیش آئی کیونکہ چالک تو کھلا ہی ہوا تھا اور آج کتے بھی اندر ہی بند کے گئے تھے ورنہ ہر رات کپاؤٹھی میں کھلے۔ چھوڑ دیئے جایا کرتے تھے۔

حمدیکھڑکی کے قریب بیٹھ کر پروفیسر کی واپسی کا انتظار کرنے لگا تھا لیکن تین بجے تک تو اس کی واپسی ہوئی نہیں، اس کے بعد نیند کا مقابلہ نہ کر سکا۔

دوسری صبح وہ ذیر سے اٹھا۔ اسے ناشتے کے لئے بھی نہیں اٹھایا گیا تھا۔ ضروریات سے فارغ ہو کر وہ ڈرانگ روم میں پہنچا تو پروفیسر وغیرہ ناشتہ کر کچے تھے۔ لیکن ابھی وہ تینوں دیں تھے۔ پروفیسر اخبار پڑھ رہا تھا اور اسلام سفید میز پوش پر پنسل سے نماز کی تصویر بیمار ہوا تھا۔ بار بار وہ اس اندازہ میں کھانتا تک سلیمان کی طرف دیکھنے پر مجبور ہو جاتی لیکن وہ خاموش تھی۔ اس نے ایک بار بھی جھنجھلاہٹ کا اظہار نہیں کیا۔

”آف فوہ! آپ بہت سونے لگے ہیں۔“ اسلام نے حیرت سے کہا اور میز پوش پر پنسل سے بننے ہوئے نمازی کی طرف اشارہ کر کے مسکرا نے لگا۔

لیکن حمید اس وقت ان تقویات میں دلچسپی لینے کے موذ میں نہیں تھا۔ اس کی نظریں حقیقت پروفیسر کے چہرے کو شوٹ رہی تھیں۔

”اوہ..... مائی ڈیزرس اساجد۔“ پروفیسر نے اخبار کھ کر کہا۔ ”کیا طبیعت کچھ ناساز ہے۔“ ”اوہ..... نہیں..... شکریہ..... میں بالکل نہیک ہوں..... رات ذرا دیر میں نیند آئی تھی۔“ پروفیسر کے چہرے سے حمact بر سر رہی تھی اور اسی بناء پر حمید کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ

لوگوں نے اس کا پچھا مستقل طور سے چھوڑ دیا تھا۔ جنہوں نے اسے پلک لاہبر یہی میں بیڑا کر دیا تھا۔ شروع میں وہ ان کی پالیسی نے سمجھ کا تھا لیکن بعد کو غور کرنے پر اس نتیجے پر پہنچا تو انہوں نے شاید فریدی پر باتھ ڈالنے کے لئے اسے چھوڑ دیا تھا اور فریدی کے اس رات والی رویے سے بھی یہی ظاہر ہوا تھا کہ وہ ان لوگوں سے چھپنے کی کوشش کر رہا ہے اور اس نے اس محض اسی لئے فائز کئے تھے کہ وہ لوگ غلط راستے پر جا پڑیں۔ حمید گھنٹوں غور کر تارہ لیکن اس نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔

مگر وہ رات..... وہ رات ایسی تھی کہ حمید کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ خود کو موت کے جڑے میں محسوس کرنے لگا تھا۔ ویسے اسے سو فیصدی یقین تھا کہ فریدی اس کی طرف سے نافذ نہ ہو گا۔ اس نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی اسے پروفیسر جھوٹ کے یہاں قیام کرنے کا مشورہ دیا ہوا۔ مگر پروفیسر جھوٹ..... جسے وہ ایک مختصر سے زیادہ نہیں سمجھتا تھا اس رات کو اس کے انتہائی پُر اسرار اور خطرناک بن گیا۔

اسے قطعی شبہ نہ ہوتا..... وہ تو نیند نہ آنے کی بناء پر کھڑکی کے قریب آکھڑا ہوا تھا اپنا۔ اس نے کسی کو چوروں کی طرح چالک کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ کتنے خاموش تھے۔ اس۔ حمید نے اندازہ لگایا کہ وہ گھر ہی کا کوئی فرد ہو سکتا ہے، لیکن اتنی رات گئے۔ چوروں کی طریقہ؟ پھر اسے یاد آیا کہ کتنے تو مکان کے اندر بند کے جاتے ہیں۔ یہ خیال آتے ہی وہ دروازہ کو کر باہر نکل آیا۔

اندھیرے میں چالک سے گزرنے والے نے اپنی رفتار تیز کر دی تھی اور پھر یہکی اسے پہنچان لیا۔ چلنے کا اندازہ پروفیسر جھوٹ کا ساتھ۔

دونوں آگے پیچھے چلتے رہے اور اس دوران میں ایک بار بھی پروفیسر نے پیچھے پلٹ کر دیکھا اور جب وہ لگڑی کوئی کھنڈرات کی طرف مڑا تو حمید کو جھر جھری سی آگی اور اس بڑھنے کی بہت نہیں کی۔

ایک گری ہوئی دیوار کے بلے کی اوٹ سے حمید اسے کھنڈرات میں غائب ہوتے دیکھا۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد اس نے نیم ٹکڑتے بالائی منزل میں کئی رنگوں کی روشنیوں کے جھماکوں ساتھ عجیب طرح کی خوفناک چیزیں نہیں۔ اندر جانے کی بہت تونہ پڑی، لیکن وہ وہاں سے کی طرف بھاگا۔

اس بات پر یقین کر لے کہ پچھلی رات کا پُر اسرار آدمی پروفیسر ہی تھا۔ پروفیسر کو وہ کوئی معمولی یو ٹوق نہیں بلکہ الحق عظیم تصویر کرتا تھا۔ لیکن پچھلی رات کی بات اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ اگر پروفیسر کا ذوق تجسس ہی اُسے لنگڑی کوٹھی تک لے گیا تو اس کے داخلے کے فوراً بعد ہی اُن آوازوں اور روشنیوں کا کیا مطلب ہو سکتا تھا۔ عام طور پر یہ بات مشہور تھی کہ وہ آوازیں صرف جعرات ہی کو سنی جاتی ہیں، لیکن کل تو اتوار تھا۔ چونکہ معمول میں فرق تھا اس لئے حید یہ سمجھنے پر بھی مجبور تھا کہ وہ پروفیسر ہی کی حرکت تھی لیکن پروفیسر؟ وہ پھر پروفیسر کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

انتہے میں ناشتہ کی مرالی آگئی۔ سلیمان اُج بہت خوش اخلاق نظر آرہی تھی۔ اس نے خود میر کے لئے چائے بنائی۔ اس دوران میں اسلام میز پوشا پر کئی ٹھماڑ بنا چکا تھا لیکن اس نے اسے بھی کچھ نہیں کہا۔ پروفیسر اُسے ناشتہ کرتا چھوڑ کر چلا گیا۔ ناشتہ کر کے حید اٹھ گیا۔ وہ پچھلی رات کے معاملے پر سمجھی گی سے غور کرنا چاہتا تھا۔ اُر لئے اپنے کمرے میں واپس آگیا۔

وہ سوچ رہا تھا۔ پروفیسر کے متعلق فریدی کو کس طرح مطلع کرے۔ نہ جانے وہ کہاں ہو۔ اطلاع اُس کے لئے یقیناً خاصی دلچسپ ثابت ہوتی۔ حید سگار سلاگا کر تمباکو کی پاؤچ میز پر رکھنے کے لئے آگے بڑھا۔ دھنعتاً اس کی نظر کا غدر ایک ٹکڑے پر پڑی، جس کا ایک کونا قائد ان کے نیچے دبا ہوا تھا۔ حید متjur انہے انداز میں جھک اس کی تحریر پڑھنے لگا۔

”حید! اب تمہاری چھٹی ہے۔ آرام کرو۔ جب تک میں تمہیں اطلاع نہ دوں باہر مہ نکلن۔ پروفیسر اور اس کے اصلی مرغنوں سے دل بہلاو۔ امید کہ تمہارا وقت اچھی طرح کٹ ہو گا۔ ہم بہت جلد واپس چلیں گے۔“

فریدی نے نیچے اپنے دستخط نہیں کئے تھے، لیکن تحریر اُسی کی تھی۔ حید چند لمحے اس کا کے ٹکڑے کو گھوڑا تراہ پھر اُس نے اس میں آگ لگادی۔

اس کی بے چھٹی بڑھ گئی تھی اور ساتھ ہی اُسے فریدی پر بھی غصہ آرہا تھا۔ آخر وہ اسے جائے قیام کیوں نہیں بتانا چاہتا۔ کیا وہ ابھی پروفیسر کی کوٹھی میں داخل ہوا تھا؟ روز روشن میں

طرح بیان آیا ہو گا یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آسکی۔

بعض اوقات حق مجھ سے فریدی پر بھوت ہونے کا شہمہ ہونے لگتا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر یہ اب سے دوڑھائی سو سال پہلے پیدا ہوا ہوتا تو اس کے تذکرہ نگار اُسے جادوگر بنادیتے۔ اس کی ایسے تسویہ کا وجود ثابت کرتے جس کے ذریعے وہ محیر العقول کارناموں پر قادر ہوتا۔ اس کی ایسے تسویہ کا وجود ثابت کرتے جس کے ذریعے وہ محیر العقول کارناموں پر قادر ہوتا۔ حید ایک آرام کر سی میں گر گیا۔ اس کا ذہن نہ جانے کہاں کہاں بھکٹا پھر رہا تھا۔ تقریباً انو یک ایسا وعدہ پیش آیا جس سے حید کو اپنی سلامتی اور بھی زیادہ خطرے میں نظر آنے لگی۔ آج ڈی۔ ایس۔ پی شی پھر پروفیسر جھوس سے ملنے کے لئے آیا تھا اور اس کے پاس پروفیسر کا ملاقاتی کا رہا تھا، جو اسے ٹکڑی کوٹھی میں ملا تھا۔

”مجھے حیرت ہے کہ میر الملاقاتی کا رہا ہاں کس طرح پہنچا۔“ پروفیسر نے کہا۔

”جس طرح آپ کا لاہبری کا کارڈ جاوید کے جیب میں پہنچا تھا۔“ ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

”وہ دوسرا صورت تھی۔“ پروفیسر نے پر تشویش لجھ میں کہا۔ پھر دھنعتاً چوک کر بولا۔

”آہیا! آیا! ممکن ہے یہ مجھ سے ہی گرا ہو۔ پرسوں دو پھر کو میں بھی ہاں گیا تھا۔ خاصی بھیز تھی۔“

”لیکن آپ اور بھی گئے تھے۔“

”اوپر سے کیا مراد ہے آپ کی۔“

”اس چھٹ پر جہاں آوازیں سنائی دیتی ہیں۔“

”نہیں تو! ہاں تک جانے کی کسی نے شاندہشت نہیں کی تھی۔“

”لیکن آپ کا کارڈ اپر ہی ملا تھا۔“

”مجھے حیرت ہے۔“ پروفیسر کچھ سوچنے لگا۔

بہر حال حید کو اندازہ لگانے میں دشواری نہ ہوئی کہ وہ نہ صرف پروفیسر پر شہبے کی نظر رکھتا ہے بلکہ اس کی طرف سے مطمئن بھی نہیں ہے۔ حید سوچ رہا تھا کہ کہیں ڈی۔ ایس۔ پی اس کے

تعلق مزید استفسار نہ کر بیٹھے۔ اسی صورت میں واقعی اس کے لئے بڑی دشواریاں پیدا ہو جاتیں

اگر پروفیسر ڈی۔ ایس۔ پی کے سامنے پروفیسر پنگھاڑی اور ذاکڑ زیوں کے نام دہرا دیتا تو مصیبت آجائی۔ ظاہر ہے کہ پنگھاڑی اور زیوں، پروفیسر جھوس ہی کی طرح بے سر و پاتام تھے۔

ڈی۔ ایس۔ پی کے جاتے ہی حید نے اطمینان کا سانس لیا۔ پروفیسر نہ اسامنہ بنانے کے لئے

بڑا نہ لگا۔ حید سن نہیں۔ کا کہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔

اسی دوران حمید ایک دوسرے والقے سے دوچار ہوا اور اس نے آنکھیں اچھی طرح کھول دیں۔ ذی۔ ایس۔ پی کی دوبارہ آمد کے سلسلے میں اسلام اور سلیمان بہت زیادہ بور ہو گئے تھے۔ اس لے وہ دونوں تفریح کے لئے چلے گئے۔ انہوں نے حمید کو بھی ساتھ لے جانا چاہتا تھا مگر اسے فرید کی ہدایت کے مطابق گھری پر رکنا تھا اور وہ اپنے اس وقت فرید کی پربراہی آیا تھا۔ نہ جانے از میں کون سی مصلحت تھی۔

بہر حال وہ اپنے کمرے میں پڑا ونگھ رہا تھا۔ اچانک کسی قسم کے شور سے اس کی نیند اپڑ گئی۔ کہیں شور ضرور ہو رہا تھا لیکن اس کی نویعت حمید کی سمجھ میں نہ آسکی۔ بہر حال وہ اٹھ بیٹھا پوری کوٹھی سنسان پڑی تھی اور اب وہ مدھم سا شور بھی ختم ہو گیا تھا۔ حمید متعدد کمروں میں گھومتا پھر ایسکن کسی توکرے سے بھی ملاقات نہ ہوئی۔ پھر وہ باور پی خانے کی طرف گیا۔ وہاں بھر تلا پڑا تھا۔ پوری عمارت میں اسے صرف وہ بہری خادمہ دکھائی دی جو باور پی کا ہاتھ بنا لیتی تھی۔ اس نے حمید کو بتایا کہ صاحب نے سب نوکروں کو میشی شود کیجئے کی چھٹی دی ہے۔

حمدی اپنے کمرے کی طرف پڑا، لیکن اس بار اس نے جو راستہ اختیار کیا تھا وہ پروفیسر کی تجربہ گاہ کی طرف سے گذرتا تھا۔ تجربہ گاہ کے دروازے بند تھے لیکن نہ جانے کیوں حمید کو اس محسوس ہوا جیسے اندر کوئی موجود ہے۔

حمدی نے رک کر ادھر اور دیکھا اور پھر ایک دروازے کی طرف بڑھا۔ لیکن دو ہی قدم پڑے کے بعد اسے رک جانا پڑا کیونکہ پھر وہی بلکا اور گھٹا سا شور اسے سنائی دینے لگا، جو اس نے اپنے کمرے میں سنا تھا اب اسے احساں ہوا کہ وہ عجیب قسم کی آوازیں زمین سے نکل رہی تھیں۔ لیکن آوازیں جیسی ریل کے پیہوں سے نکلتی ہیں۔ اس کے پیروں کا فرش جھنجھنراہا تھا۔ دفعتاً پھر سنا تھا چاگیا۔ حمید چند لمحے مبہوت کھڑا رہا۔ پھر وہ تجربہ گاہ کے بند دروازے کی طرف بڑھا۔ پہنچنی کے سوراخ سے آنکھ لگاتے ہی اسے اندر ایک عجیب نظارہ دکھائی دیا تجربہ گاہ کے فرش؟ پروفیسر کی گردن کئی ہوئی تھی اور دھڑ غائب تھا لیکن اس کی پلکیں جھپک رہی تھیں اور آنکھیں بھی تحرک تھیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ سوچ رہا ہو۔

حمدی کے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا اپنیسے چھوٹ پڑا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا دام گھٹا جا جائے۔ دوسرے لمحے میں وہ کئی ہوئی گردن بھی تحرک نظر آنے لگی۔ پھر وہ کچھ اوپنی ہوئی۔ اونچی ہوئی گئی اور پھر اگر حمید ضبط نہ کرتا تو اسے اپنی حماقت پر دل کھول کر ہنسنا پڑتا۔

پروفیسر تو حقیقتاً ایک تھہ خانے سے اوپر آ رہا تھا۔ کمرے میں کافی انجالانہ ہونے کی بنا پر حمید خانے کا دہانہ نہیں دکھائی دیا تھا۔ چونکہ وہ فرش ہی کی سطح پر تھا اس لئے اس سے پروفیسر کی ہوئی گردن ہی پہلے حمید کو نظر آئی تھی اور اسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے کسی نے پروفیسر کا سر کر فرش پر رکھ دیا ہو۔

پروفیسر تھہ خانے سے نکل آیا تھا اور اس کے ہاتھوں پر لکڑی کا ایک چھوٹا سا بکس دکھائی دیا تھا۔ اس نے اسے فرش پر رکھ دیا۔ پھر دیوار کے قریب جا کر پتھر کے ایک مجسم کا سر

مانے لا گا جو لکڑی کے ایک اونچے اسٹول پر رکھا ہوا تھا۔

حمید کو پھر اپنے پیروں کے نیچے اسی قسم کے شور کا احساس ہوا اور ساتھ ہی وہ کمرے کے ہش کو برابر ہوتے دیکھ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تھہ خانے کا نشان تک مت گیا اور وہ شور بھی تھم یا جو حمید کو اپنے پیروں کے نیچے محسوس ہوا تھا۔

اب پروفیسر نے لکڑی کا صندوق کھول کر اسے فرش پر الٹ دیا۔ پندرہ یا میں عدد روپی اور رش پر بکھر گئے۔

حمدی کے رہے ہے شبہات بھی یقین میں تبدیل ہو چکے تھے۔ پروفیسر نے شام کا پہنچنے دکھ کا ہی دینا پڑتا تھا۔ حمید کی چھٹی دی تھی کہ وہ اپنے تھہ خانے کو استعمال کرنا چاہتا تھا جو نکلے اس کا نظام کسی دکروں کو اسی لئے چھٹی دی تھی۔

تم کی مشین پر قائم تھا اس لئے گھر والوں کو کھکھ کا ہی دینا پڑتا تھا۔

پروفیسر روپی اور لوں کو صاف کرنے میں مشغول ہو گیا تھا۔ حمید نے سوچا کہ اب یہاں ٹھہرنا نیک نہیں۔ وہ دبے پاؤں اپنے کمرے میں لوٹ آیا۔ اس نئی دریافت پر اس کے اندر ایک عجیب قسم کا جوش پیدا ہو گیا تھا، جسے دبانے کے لئے اسے بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کاش وہ کسی طرح فریدی کو اطلاع دے سکتا۔ وہ دل ہی دل میں قہقہے لگا رہا تھا۔ اپنی کامیابی پر منزہ تھا لیکن پھر اسے خیال آیا کہ سب بے سود۔ وہ بالکل بے بس تھا۔ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ مجرم اس کے سامنے تھا لیکن خود اس کی پوزیشن چوروں کی ہی تھی۔ پھر بھی اس نے تھیہ کر لیا کہ وہ فریدی کی ہدایت کے مطابق اپنے ہاتھ پیر باندھ کر نہیں میٹھے گا۔

شام تک اس کی بڑی حالت ہو گئی۔ بار بار اس کا دل چاہتا تھا کہ جھپٹ کر پروفیسر جھوٹ کو ابوچ لے۔ لیکن فریدی! اس کا خیال آتے ہی اس کی روح فتا ہو جاتی اور اسے سوچنا پڑتا کہ فریدی نے بغیر سوچے سمجھے اسے خاموش رہنے کی ہدایت نہ کی ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی اس دوران

میں پروفیسر کی اصلیت سے واقف ہو گیا ہو۔ ممکن ہے کہ اس نے اس کے معاملے کو کسی اور وقت کے لئے انہار کھاتا۔

انہیں الجھنوں میں شام سے رات ہو گئی۔ کھانے کی میز پر حمید زیادہ تر خاموش تھا۔ بڑے محسوس کر رہا تھا کہ سلیمان بھی اُسے چھیڑ چھیڑ کر گفتگو پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہی ہے مگر حمید کی زندہ دلی رخصت ہو چکی تھی، وہ بار بار پروفیسر کو گھونٹنے لگتا، جو کھانے میں اس طرح مشغول تھا جیسے اُسے دوسری صبح کے ناشتے کی توقع نہ ہو۔ اُس کے چہرے پر اس وقت بھی حمایت برقراری تھی۔ نوالہ چباتے وقت اس کی فرجخ کش ڈاڑھی کسی بگالی کرتے ہوئے بوڑھے بکرے کو ڈاڑھی کی طرح بڑے سنجیدہ انداز میں بلنے لگتی تھی۔

پروفیسر نے بھی دو ایک بار حمید کی خاموشی کی وجہ پوچھی، لیکن ”ہوں ہاں“ کر کے ٹالے اُبھر پروفیسر کے استفسار میں خلوص کی جھلک تھی اور حمید نے اسے محسوس بھی کیا تھا، لیکن وہ سوڑ رہا تھا کہ شاید اب اتنے زبردست مجرم سے اس کا سابقہ نہ پڑے۔ کھانا ختم کرنے کے بعد بھی وہ بڑی دریں تک ڈرانگ روم میں بیٹھے کافی اور تمباکو سے شغل کرتے رہے۔ پروفیسر، اسلام، سلیمان تینوں باتیں کرنے کے موڑ میں تھے، لیکن حمید نبڑی طرح الجھ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اُسے ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ رات خطرات سے پُر ہو۔

کلاک نے بارہ بجائے۔ حمید ابھی تک بستر پر کروٹیں بدلتا رہا تھا۔ گھنٹے کی آواز اُسے بہت نبڑی لگ رہی تھی۔ وہ جھنگلا کر اٹھا کہ کلاک کا پنڈولم نکال کر میز پر ڈال دے، اچانک اس کو نظر میں کھڑکی کے باہر ریگ گئی۔ پھانک کے قریب دو تین انسانی سائے نظر آرہے تھے اور پچ اس نے چہار دیواری کے اندر مہندی کی بلاڑ کے نیچے کسی سیاہ سی چیز کو حرکت کرتے دیکھا۔ پہاڑ تو وہ سمجھا کہ کتنا ہو گا۔ مگر کوئی نہیں کہا۔ پھانک کے قریب چہار دیوار کے نیچے پنکھ کوہ چیزوں پر اٹھی اور یہ بھی کوئی آدمی ہی تھا۔

حید پھرتی سے میز کی طرف بڑھا۔ جہاں اس نے اپنا سیاہ کوٹ رکھا تھا۔ انہیں بے میں نہ نہ کر اُس نے لباس تبدیل کیا لیکن اس کی نظر ایک بار بھی کھڑکی سے نہیں ہئی۔

جو ش میں اُسے فریدی کی ہدایت بھی نہ یاد رہی۔ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ تھا ہے اُو دشمن نہ جانے کتے ہوں۔

پائیں باغ میں نہ اتنا تھا۔ حمید بھی مہندی کی بلاڑ کی اوٹ میں پھانک کی طرف بڑھنے لگا۔ چنان

لگوں بعد اس نے دیکھا کہ پھانک کے قریب چہار دیواری کے نیچے کھڑے ہوئے آدمی نے پھانک کوں اور باہر نکل گیا۔

آج بھی حمید اس کے تعاقب میں خود کو لنگرخانی کوئی کے قرب و جوار میں پار نہ تھا۔ پروفیسر جھوٹ کھنڈرات کی طرف مڑ گیا۔ حمید بھی تیری سے آگے بڑھا لیکن پھر وہ پروفیسر کو نہ دیکھ سکا۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ یہاں اکیلا نہیں ہے۔

بے شمار تاریک سائے پیٹ کے ملن ان کھنڈرات میں ریگ رہے تھے اور ان سب کا رخ بالائی منزل ہی کی طرف تھا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ پھر اُسے فریدی پر غصہ آنے لگا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اس سے بڑی غلطی ہوئی اسے پولیس کو فون کر دینا چاہئے تھا۔ ذی ایس۔ پیٹ سے مل کر اسے بتانا چاہئے تھا کہ پروفیسر کا ملا قاتی کا رذلانگرخانی کوئی میں کیوں پالیا گیا تھا۔

حمید نے بڑھنے کی کوشش کی لیکن پھر رک گیا۔ وہ دو نیم شکستہ دیواروں کے درمیان میں تھا جن کا درمیانی فاصلہ چھ فٹ سے زیادہ نہ رہا ہو گا اور اس کے آگے دیواروں کے گردے ہوئے حصوں کا لمبہ تھا۔ بہر حال وہ خود کو بالکل محفوظ سمجھ رہا تھا لیکن اس طرح بے بھی سے ایک کونے میں پڑے رہنے سے فائدہ ہی کیا تھا۔ کاش اس کے پاس ریو اور ہی ہوتا۔

دو تین آدمی اور ریگنے ہوئے ان کے سامنے سے گذر گئے۔ ان کا رخ بھی اسی طرف تھا جدھر سے آوازیں آیا کرتی تھیں۔

دفعٹا حمید کو اپنی پیٹ پر سر را ہٹھ سی محسوس ہوئی اور وہ ایک طرف انہیں کے درمیان دبک گیا۔ اس سے چند ہی قد میں کاصلے پر ایک آدمی کھڑا تھا وہ آہستہ آہستہ انہیں کے ذمیر کے قریب آیا اور ٹھیک اُسی جگہ اکڑوں بیٹھے گیا جہاں چند لمحے پیشتر حمید بیٹھا ہوا تھا اور اب وہ حمید سے بُشکل تین یا چار فٹ کے فاصلے پر رہا ہو گا۔

حمدید کا دل دھڑکنے لگا۔ خوف سے نہیں بلکہ اس تدبیر کی بنا پر جو اُسے اچانک سوچ جھی تھی وہ سوچ رہا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ وہ آدمی مسلسل ہو۔

حمدید اپنا داہنہ تھا آگے پھیلائے ہوئے اس پر ٹوٹ پڑا۔ اس کا داہنہ تھا اس کے منہ پر پڑا۔ اس کا مقصد بھی یہی تھا اس کو سنھلئے کا موقع بھی نہ ملا اور حمید نے اس کا منہ دبایتے ہوئے اس کا سر کئی بار دیوار سے کٹرا دیا اور اُس کے منہ سے آواز بھی نہ نکل سکی اور وہ وہیں ذمیر ہو گیا۔ اس

جائے گا۔ اس نے کارتوسون کی پیٹی کمر سے کھوں کر وہیں ڈال دی اور پیٹ کے بل ریگلتا ہوا پہلی میں اتر گیا اور پھر جب اچھی طرح یقین ہو گیا کہ وہ لٹکڑی کوٹھی سے کافی فاصلے پر نکل آیا ہے تو اس نے روی اور بھی وہیں کھیت میں ڈال دیا اور خود انھ کر سڑک پر آگیا۔ تقریباً ایک زلائگ کے فاصلے پر لٹکڑی کوٹھی کے سامنے شور سنائی دے رہا تھا اور سلیجنے اندھیرے میں بہت سے کھوں کے چھپے لٹکڑی کوٹھی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ شاند پولیس حاصہ کر رہی تھی۔ حمید تیز تیز نہ مولوں سے چلتا ہوا بھیڑ میں جاما۔ پولیس کی کئی لا ریاں وہاں موجود تھیں۔ پانچ چھ کاریں بھی نہیں اور شہر کے کئی بڑے حاکموں کی وحشت زدہ صورتیں نظر آ رہی تھیں۔

لٹکڑی کوٹھی کا حاصہ کر لیا گیا تھا اور پولیس کی گشٹی لاری سے مانگ کر دونوں پر کوٹھی کے اندر لوٹ چلا۔ اداں کو تینیبہ کی جارہی تھی۔ اچانک لٹکڑی کوٹھی کے در پچ سے کسی نے چیخ کر کہا۔ ”فائزہ کئے جائیں۔ مجرموں کے در پیکوں سے چھین بلند ہوئیں۔“

”تم کون ہو۔“ پولیس کی گشٹی لاری سے مانگ کر دونوں پر پوچھا گیا۔

”مرکزی سراج رسانی کا انسپکٹر فریدی۔“ در پیکوں سے آواز آئی۔

”اوہ یہ کہاں۔“ پولیس کمشنر نے اپنے ایک ماتحت آفیسر کی طرف دیکھ کر حیرت سے کہا۔ ”جیا ہمیں اسی نے فون کیا تھا۔“

”کہیں دھوکا نہ ہو۔“ ماتحت آفیسر بڑا ہے۔ پھر وہ تیزی سے گشٹی لاری کی طرف بڑھ گیا۔

”گشٹی لاری سے کہا گیا۔ ہم نہیں جانتے تم کون ہو۔“

”میں گرفتار شدگان کوئے کر آتا ہوں۔“ در پیکوں سے آواز آئی۔

فریدی کی آواز پہچانے والا یہاں حمید کے علاوہ اور کون تھا اور حمید کا دل بلیوں اچھلنے لگا تھا۔

”سو فیصدی فریدی ہی کی آواز تھی۔“

پھر حمید نے کئی آدمیوں کو لکھنڑوں سے باہر آتے دیکھا۔ ان کے چہرے نقابوں سے ذلکے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھوں میں ہنگڑیاں تھیں اور حمید نے ان کے ساتھ کچھ جانی پہچانی صورتیں بھی دیکھیں۔ ریش، وحید، اکبر شیر سنگھ جیکب وغیرہ۔ یہ سب اسی کے مکھے سے تعلق رکھتے تھے اور فریدی نے خاص طور پر تربیت دے کر انہیں اپنی ما تھی میں رکھا تھا۔

گرفتار شدگان کی ٹولیاں نکلیں اور پھر حمید نے انہیں گنا۔ ان کی تعداد ستائیں ہی۔

جدوجہد میں جو تھوڑی بہت آواز ہوئی بھی تو حمید نے شدت جوش میں اس کی طرف دھیلانہ دیا۔ وہ بڑی تیزی سے بیہوش ہو جانے والے کی جیبوں کی علاشی لے رہا تھا۔ آخر پتلون کی جیب میں سے اسے ایک رویا اور ملا جو بھرا ہوا تھا۔ کمر میں کارتوسون کی پیٹی تھی۔ حمید نے بڑی سرسرے سے کھوں لیا۔

دفعہ ایشور کے ڈھیر کے پیچھے پھر سرسر اہٹ سنائی دی۔ کوئی پیٹ کے بل ریگلتا ہوا طرف آ رہا تھا۔ حمید پھر اسی پرانی جگہ میں دب گیا۔

تاریکی اور سنائی کا امترانج براہمیت ناک تھا اور جب جھیگروں کی جھائیں جھائیں اچانک رک جاتی تو ایسا معلوم ہوتا جیسے وقت کی سانس رک گئی ہو۔

حمد کو ایشور کے ڈھیر پر چڑھنے والے کے ہاتھ دکھائی دیے لیکن پھر اسے ایسا معلوم ہے جیسے کوئی اس پر کوڈ پڑا ہو اور یہ حقیقت تھی اس پر دو طرف سے حملہ ہوا تھا۔ آدمی تین تھے۔ دو در پیکوں سے چھین بلند ہوئیں۔

محرم کون تھا

حمد نے اپنے اوپر چھائے ہوئے آدمی کو دوسرا طرف اچھال دیا۔ اتنے میں نہ جانے کر طرف سے فائر ہوا اور حمید کے حملہ آور ایک طرف سٹ گئے۔ گولی ان کے سروں پر سے گز گئی۔ پھر وہ دونوں اچھل کر تاریکی میں غائب ہو گئے۔ اب باقاعدہ طور پر گولیاں چلنے لگی تھیں۔

حمد کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرتا چاہئے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دو فریقا میں جنگ ہو رہی ہو۔ لیکن وہ دو فریق کون تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد فائر گر رک جائیں۔

بستی والوں کا شور سنائی دینے لگتا، جو شاید سڑک کے اس پار مجع ہو رہے ہوں گے۔ فائر ہوتے اپنے بعض اوقات چینیں اور کراہیں بھی سنائی دیتیں۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک یہ سلسہ جاری رہا۔

پھر سڑک کی طرف سے بھی فائر ہونے لگا۔ شاید پولیس آگئی تھی۔ اچانک اندر سے فائر ہو۔ بند ہو گئے۔

حمد کے لئے یہ ایک خطرناک بھجوشن تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر کہیں وہ پولیس والوں کے چڑھ گیا تو بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور تو کچھ نہیں فریدی نیزی طرح اس کی جان

سب سے آخر میں دو نقاب پوش اور نکلے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ہتھڑی تر
دوسری یونی چل رہا تھا۔ پولیس والوں نے اس کے بھی ہتھڑی لگانی چاہی لیکن اس نے
ڈانٹ دیا۔ آواز فریدی کی تھی۔

وہ نقاب پوش جس کے ہتھڑی لگی ہوئی تھی ہستا ہوا چل رہا تھا اور پولیس والے
آنکھیں چھاڑے دیکھ رہے تھے۔

اور دونوں چلتے ہوئے حکام بالا کے قریب پہنچ گئے۔ ہتھڑی والا نقاب پوش برادر نے جا
اور حکام اسے تحریر آمیز نظروں سے گھور رہے تھے۔

فریدی نے ایک قدم آگے بڑھ کر نقاب اتارتے ہوئے کہا۔ ”رفعت نعیم! اس کی یہاں
ایک نامعلوم آدمی کا قاتل حاضر ہے۔“

اس پر نقاب پوش نے قہقہہ لگایا اور پولیس کمشنر آگے بڑھ کر فریدی کو گھورتا ہوا بولا۔
”بے شک تم فریدی ہو! لیکن تم یہاں کیجئے۔“

”بہت ہی اہم معاملات میں سارا ملک میری ضرورت محسوس کرتا ہے۔“ فریدی مسکرا کر ایسا
اس پر نقاب پوش پھر نہ پڑا۔ حید کو اس کی آواز بھی جانی پہچانی کی معلوم ہو رہی تھی
وہ اس نے اپنا نقاب ہتھڑی لگے ہوئے ہاتھوں سے نوجہ ڈالا۔

”ارے...!“ قریب کھڑے ہوئے لوگوں کے منہ سے بے اختیار لکھا اور وہ قہقہہ لگانا ہوا
”یہ بھی ایک لطیفہ رہا۔“

لوگ حیران و ششیدر کھڑے تھے۔ حید نے بھی اسے ایک ہی نظر میں پہچان ا
ڈی۔ ایس۔ پی۔ سی۔ تھا، جسے آج بھی وہ پروفیسر جھووس کے یہاں دیکھ چکا تھا۔

”یہ بھی عجیب اتفاق ہے۔“ وہ ہنس کر بولا۔ ”ہم دونوں نے مجرموں کو پکڑنے کا ایسا
طریقہ اختیار کیا۔ میں مسٹر فریدی کو مجرم سمجھتا رہا اور وہ مجھے۔ جب انہوں نے اپنے نام کا
کیا تو مجھے نہیں آگئی۔ ہتھڑی تو لوگ ہی چکی تھی۔ میں نے کہا چلو تفریح ہی رہے گی۔“

”لا ہوں ولا ہو۔“ پولیس کمشنر بسامنہ بن کر بولا۔ ”لائے ہتھڑی کی چاپی لائیے۔“
”ہتھڑی تو ہی کھوں سکتا ہے جتنا جو اپنی ملازمت سے بیزار ہو گیا ہو۔“ فریدا
لارپوائی سے کہا۔

”کیا مطلب۔“ کمشنر کے لجھ میں تیزی تھی۔

”یہ وارنٹ۔“ فریدی نے جیب سے تہہ کیا ہوا کاغذ نکالتے ہوئے کہا۔ ”تا قبل صانت ہے
اور برادر است وزارت داخلہ کی وساطت سے حاصل کیا گیا ہے۔“

کمشنر نے اسے اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھا اور اس کی آنکھیں جھرتے سے پہنچ گئیں۔
”یہ کیا معاملہ ہے۔“ وہ آہتہ سے بڑھا۔

”معاملات تو کو تو ایسی چل کر صاف ہوں گے۔“ فریدی نے کہا۔
”کیا بات ہے۔“ ڈی۔ ایس۔ پی۔ سی۔ نے متجر ان لجھ میں پوچھا۔

”تمہارا وارنٹ۔“ پولیس کمشنر نے آہتہ سے کہا۔
”کیوں... کیا واقعی... یہ کیا الغویت ہے۔“ ڈی۔ ایس۔ پی۔ فریدی کو گھورنے لگا۔

”میرا خیال ہے۔“ فریدی نے پولیس کمشنر سے کہا۔ ”یہاں زیادہ ٹھہرنا پورے شہر کو اکٹھا
کرنے کے متراوف ہو گا۔“

”ہوں ٹھیک ہے۔“ کمشنر چوک کر بولا۔

”میری ہتھڑیاں کھوئی جائیں۔“ ڈی۔ ایس۔ پی۔ جھلا کر بولا۔
”جبوری ہے... ناممکن۔“ کمشنر بڑھا۔

”میں تمہیں دیکھ لوں گا۔“ ڈی۔ ایس۔ پی۔ فریدی کی طرف پلٹ پڑا۔
”اُس وقت میں کافی بوڑھا ہو چکا ہوں گا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

ونھا حید نے اس کے قریب پہنچ کر شانہ مارا۔ فریدی چوک کر مڑا۔
”اوہ! تو آپ بھی تشریف لے آئے ہیں۔“

”پروفیسر جھووس بھی تھا۔“ حید آہتہ سے بولا۔

لیکن فریدی نے دھیان نہ دیا۔ اس نے اسکا شانہ تھکتے ہوئے کہا۔ ”چلو بیٹھ جاؤ لاری میں۔“
وہ کو تو ایسی پہنچ۔ ڈی۔ ایس۔ پی۔ سی۔ کے تیور بتا رہے تھے کہ اس نے نکست تسلیم نہیں کی۔

حید سوچ رہا تھا کہ کہیں فریدی نے ٹھوکر ہی نہ کھائی ہو۔ اگر ایسا ہوا تو بڑی بدنا میں ہو گی جو وہ
پروفیسر جھووس کے متعلق بھی سوچ رہا تھا۔

”ہاں تو تم نے کس بنا پر میرے لئے وارنٹ حاصل کیا ہے۔“ ڈی۔ ایس۔ پی۔ نے غصیلی
اواز میں فریدی کو مخاطب کیا۔

”بد معاشوں کے ایک گروہ کی سر پرستی کرنے کے سلسلے میں۔“ فریدی بولا۔ ”کیا یہ سب

تمہارے آدمی نہیں ہیں۔ ”فریدی کا اشارہ ستائیں گر فار شدہ آدمیوں کی طرف تھا۔ ”سب میرے آدمی نہیں ہیں۔ ”ڈی۔ ایس۔ پی نے برا سامنہ بنا کر کہا۔ پھر انہیں جابر کر کے بولا۔ ”رجب، دلاور، اختر، سعیل، ناگر اپنے نقاب اتار دو۔ ” پانچ آدمیوں نے اپنے نقاب فوج ڈالے۔ پھر ڈی۔ ایس۔ پی فریدی کو قبھر آکر نظر ڈالے۔ گھورتا ہوا بولا۔

”یہ ہیں میرے جوان! جنہیں میں اپنے ساتھ اس مہم پر لے گیا تھا۔ ان میں سے دوسرے انکشہر ہیں اور تین کا نشیل۔ ”

”لیکن انہوں نے گرفتاری کے بعد تمہاری طرح قبھئے لگائے تھے اور یہ دلاور توڑا ریلوے پولیس کا سب انکشہر ہے۔ اس بیچارے کو ایسی مہموں سے لے کیا سر و کار۔ کیوں دلاور کیا تمہیں وہ ناٹم بم نہیں یاد جو تم نے ایک مسافر کے سوت کیس کی تلاشی لیتے وقت اس میں رکھ دیا تھا۔ ” دلاور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے گھورتا دہا۔ فریدی پھر بولا۔ ”اتفاق سے وہ بم نہیں پھر سکا۔ اس پر تمہاری انگلیوں کے نشانات موجود ہیں۔ ”

اچانک دلاور پھکا کر گر پڑا۔ وہ بیسوش ہو چکا تھا۔ فریدی نظر آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کو کی طرف مڑا۔

”جناب والا... پہلا ثبوت۔ ”اس نے کہا۔ کمشنر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا۔ فریدی نے ڈی۔ ایس۔ پی کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”کیا تم بلیک میلروں کے سر غش نہیں ہو۔ کیا اعلیٰ پیانے پر کوئیں کی تجارت نہیں کرتے۔ ”

”نبیں ہمارا مذاکو بھی میں ہی ہوں اور چین کا فوناچو بھی۔ ”ڈی۔ ایس۔ پی نے قبھئے لگایا۔ ”تم نے دونوں کومات کر دیا ہے۔ ”فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”اور سنوا میں نے تم چاروں طرف سے باندھ کر یہ اقدام کیا ہے۔ تمہیں وہ خطوط تو یاد ہی ہوں گے جن کے ذریعے جاوید کو بلیک میل کر رہے تھے۔ ”

”بکے جاؤ... مجھے یقین ہے کہ تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ ” ”اور اس دن۔ ”فریدی اس کی بات پر دھیان نہ دیتا ہوا بولا۔ ”وہ خطوط میں نے ہی اس آکی جیب سے اڑائے تھے جس کو بعد میں تمہارے ایک آدمی نے گاگھونٹ کر مارا۔ الا تھا درجا ہواں خطوط پر مجھے تمہاری انگلیوں کے نشانات ملے ہیں۔ ”

”میری انگلیوں کے نشانات۔ ”ڈی۔ ایس۔ پی چونکہ کربولا۔

”جناب... اور مجھے تم پر اس وقت شہہر ہوا تھا جب تمہارے آدمیوں نے ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر اس بات کا پتہ لگایا تھا کہ رفت نیم کے لئے برادر ہوڑ کلب میں میں نے ہی میز مخصوص کرائی تھی۔ پولیس کی یہ کار گزاری میز سے کم نہیں تھی۔ اس کی وجہ دراصل یہ تھی کہ تم کو کسی طرح سے میری آمد کی خرمل گئی تھی اور تم نے ہم دونوں پر شروع ہی سے نظر رکھی۔ تمہارا اپله بھاری پر رہا تھا کیونکہ ایک طرف تم پولیس سے کام لے رہے تھے اور دوسرا طرف تم نے اپنے بد معاشوں کو بھی میرے پیچھے لگا رکھا تھا۔ تمہیں یہ بات بھی معلوم ہو گئی تھی کہ میں کسی وجہ سے اس کیس میں کھل کر سامنے نہ آسکوں گا۔ لہذا تم نے ہم دونوں کو ختم کر دینے کی ایکسیم باتی جیسے ہی تمہیں معلوم ہوا کہ میں نے برادر ہوڑ کلب میں رفت نیم کے نام سے میز مخصوص کرائی ہے تم نے ہمیں بد حواس کرنے کے لئے رفت نیم کو قتل کر دیا۔ تمہاری ایکسیم یہ تھی کہ بھاگ دوڑ میں ہمیں اپنے آدمیوں کی گولی کا نشانہ ہوا دیتے اور دنیا سمجھتی کہ حالات کی بنا پر غلط فہمی میں بنتا ہو کر تم سے یہ حرکت سرزد ہو گئی۔ بہر حال تم قانون کی گرفت سے محفوظ رہتے جب ہم اس طرح بھی قابو میں نہ آئے تو تم نے سرجنت حید کے سوت کیس میں بم رکھوا دیا، جو اتفاق سے پھٹ گیا۔ ”

”پھٹ گیا۔ ”ڈی۔ ایس۔ پی بے اختیار بولا۔ ”مگر تم نے تو ابھی کہا تھا...!“ وہ یک بیک رک گیا جیسے اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہو۔ فریدی نے قبھئے لگاتے ہوئے کمشنر کی طرف دیکھا۔

”دیکھا آپ نے۔ ”اس نے کہا۔ ”یہ دوسرا ثبوت ہے۔ خیر بہر حال میرے پاس درجنوں ثبوت ہیں۔ رفت کی بیوی سے تمہارے ناجائز تعلقات تھے۔ دوسرا طرف وہ جاوید سے بھی تعلقات رکھتی تھی۔ تمہاری باتیں اس سے باتی تھی اور اس کی تم سے۔ جاوید نے کبھی اسے محبت بھرے خطوط بھی لکھے تھے جو اس کے پاس موجود تھے اور تم اس سے واقف تھے جاوید نے اپنا وہ روہاں جو اس کی لاش کے پاس پایا گیا تھا سے تحفٹا دیا تھا۔ ایک بار جاوید نے کسی بات پر غضا ہو کر اسے کچھ سخت و سست لکھا اور پیار ہی پیار میں جان سے مارڈالنے کی دھمکی بھی دی۔ تم تو بلیک میل تھے ہی۔ تم نے اس موقع کو غیمت جانا۔ جاوید بھی خاصی موٹی مرغی تھا۔ رفت کی بیوی نے تمہیں شاید اس کا دھ خط کھا دیا۔ بس تم نے اسے مارڈا اور اس کی لاش لٹکڑی کو نہیں میں ڈال دی

”اور کو کیمں کا ذخیرہ لٹکڑی کوٹھی کے اس تہہ خانے میں ہے جس کا علم جاوید کے خاندان
لوں کو بھی نہیں، اب بھی موجود ہے۔“

”جی ہاں! وہ تہہ خانہ کو تو وال صاحب ہی نے دریافت کیا تھا۔“

”رنفت کی بیوی کا گلا بھی انہیں نے گھونٹا تھا۔“

”جی ہاں۔“

”جاوید کو بلیک میل کرنے کے لئے۔“

”جی ہاں.... خدا کے لئے مجھے بچائیے۔“

”تم بچ جاؤ گے.... اب اپنا تحریری بیان دے دو۔“

ٹھوڑی دیر بعد کو تو الی کا ہیڈ محمر راس کا بیان قلم بند کر رہا تھا۔ اسی طرح فریدی نے دو اور گواہ
لئے۔ بقیہ دو شائد بہت زیادہ مضبوط دل کے مالک تھے۔ انہوں نے اقبال جرم نہیں کیا۔ وہ اسی

ت پڑھ رہے ہے کہ وہ لوگ بدمعاشوں کے بھیں میں بدمعاشوں کو پکڑنے کے تھے اور جب ان
بقیہ بائیکس آدمیوں کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ وہی بدمعاش

ل جن کے لئے وہ وہاں گئے تھے۔ دلاور مرزا اور وسرے آدمیوں نے ان کے متعلق بتایا کہ وہ
لے۔ ایس۔ پی ہی کے لوگ تھے۔ آج وہ سب اس بات کا پتہ لگانے گئے تھے کہ پچھلی رات کو کس

نے کوئی تقسیم کرنے کے اشارات نظر کئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ اشارات صرف جعرات
کو نظر کئے جاتے تھے اور یہ کام خود ہی۔ ایس۔ پی کرتا تھا.... لہذا تو اور کی رات کو ان کو سناجانا
نا لوگوں کیلئے حیرت انگیز تھا۔ ذی۔ ایس۔ پی کو سب سے زیادہ پریشانی اس بات کی تھی کہ کہیں

لائے تہہ خانے کا راستہ نہ پالیا ہو کیونکہ ماٹکروں کا سٹ اسی تہہ خانے ہی میں رکھا جاتا تھا۔

سارے مجرم حوالات میں ڈال دیجے گے۔

پھر فریدی کو حکام کے سامنے پوری رو سید او بیان کرنی پڑی۔

”وہ حید سے اچھی طرح واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ پروفیسر جھوس کے یہاں
تمہے انہوں نے اسے محض اس نے چھوڑ دیا تھا کہ پوشیدہ طور پر اس کی نقل و حرکت پر نظر
کا کریم اسرائیل اسکیں اور پھر اکٹھے ہم دونوں کو ٹھکانے لگا دیں۔ لیکن خود میں نے ہی حید کو اپنا

”اور وہ چینی جو ماسکروں کے ذریعہ پیدا کی جاتی تھیں۔۔۔ ایک قسم کا اشادہ تھیں۔۔۔ کہوں
جی ہاں جناب! اس اشارے پر وہ لوگ وہاں بیچھے جاتے تھے، جو شہر میں کوئی قسم

غار کریم پور والی عمارت میں لے گئے تھے.... لہذا اپسی پر میں نے اچانک حید پر اس نے جملہ
کرتے تھے۔“

جو جاوید کے خاندان والوں کی ملکیت تھی۔ رہمال کی وجہ سے جاوید پکڑا گیا۔ اس کے خطوط آڑ
پہلے ہی اڑا لئے تھے۔ آخری خط اس کے خلاف عدالت میں بے آسانی استعمال کیا جا سکتا تھا لہذا
وہ خانست پر رہا ہوا تو تمہارے ایک آدمی نے اسے بلیک میل کرنا شروع کر دیا۔ وہ اس سے پھر
ہزار روپے طلب کر رہا تھا وہ شائد دے بھی نکلتا اگر میں بیچ میں ناگز نہ اڑا دیتا۔ یہ تو ہوئی قبل
بات، اب لٹکڑی کوٹھی کے چینچے در پیچے کا حال سنو۔“

”میں کچھ نہیں سنتا۔“ ذی۔ ایس۔ پی مسکرا کر بولا۔ ”اب یہ مذاق فتح کرو۔ آج تم نے تو
بہت ذلیل کیا ہے۔“

فریدی اس کی بات سنی کرنے کے ریلوے کا سب انپکٹر پولیس دلاور کی طرف دیکھا
جو زمین پر ڈالا پنی آنکھیں مل رہا تھا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اسے اٹھایا اور گھینٹا ہوا بلکہ
دوسرے کمرے میں لیتا چلا گیا۔ پھر اس نے کمشٹ اور مجھریٹ سے بھی اسند عاکی کہ وہ بھی الا
کر کرے میں آجائیں۔

دلاور مرزا بڑی طرح کا پتہ رہا تھا۔ ہوش میں آتے ہی اس کی حالت دوبارہ غیر ہوئی شرعا
ہو گئی تھی۔

”سنود دلاور۔“ فریدی نے اسے مخاطب کر کے کہا۔ ”ذی۔ ایس۔ پی! بھی تو اقرار جرم کرے
ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ عدالت میں مکر جائے لہذا میں تم پانچوں کو سر کاری گواہ بنانا چاہتا ہو
لیکن اسی صورت میں جب تم مجھے اس کا لیقین دلا دو کہ تمہارے ہاتھ بھی خون میں رکے ہو
نہیں ہیں۔“

”مجھے بچائیے۔“ دلاور مرزا گڑا گڑا۔ ”میرے بچے، میرے بعد ان کا کوئی نہیں۔ میں خدا
قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے آج تک خون نہیں کیا۔۔۔ اگر وہ م پھٹ جاتا تب تو میرے۔۔۔
بھی پھانسی تھی۔۔۔ مجھے بچائیے۔“

”لٹکڑی کوٹھی میں کوئی تقسیم ہوتی تھی نا۔“ فریدی نے پوچھا۔ ”ہر جعرات کو۔
جی ہاں۔“

”اور وہ چینی جو ماسکروں کے ذریعہ پیدا کی جاتی تھیں۔۔۔ ایک قسم کا اشادہ تھیں۔۔۔ کہوں
جی ہاں جناب! اس اشارے پر وہ لوگ وہاں بیچھے جاتے تھے، جو شہر میں کوئی قسم

سراحت سے دارست حاصل کیا تھا.... ورنہ ہوتا یہ کہ وہ مجھے تمہوں میں اڑاکر صرف اپنے بائیں
بمانشوں کو جیل میں ٹھونسوادیا اور وہ بیچارے یہی سمجھتے رہتے کہ کوتوال صاحب نے بدمعاش کا
بیس بدل کر ہمارا ایڑا غرق کیا ہے۔"

"ایک بات سمجھے میں نہیں آئی۔" کمشنر نے کہا۔ "وہ یہ کہ تم ابھی تک انپکٹر ہی کیوں ہو۔"

"میا آپ کو نہیں معلوم کہ میں ترقوں کے لئے اس نگئے میں نہیں آیا۔ مجھے اس کام سے گاؤ
ہے۔ اور میں اپنی ذاتی دولت اس کے شوق میں پھونکتا ہوں۔ ورنہ میرا ملکہ اتنا مالدار نہیں کہ
برے مصارف برداشت کر سکے۔ اب اسی کیس میں میں نے اپنے چھ سات ہزار روپے پھوک
یے ہیں۔ ظاہر ہے ملکہ مجھے اتنا بھتہ نہیں دے سکے گا۔"

"پچھے کچھ تو ملے ہی گا۔" مجھریٹ نہیں کربولا۔

"اوہ.... آپ کو حیرت ہو گی کہ میں نے آج تک اس قسم کا کوئی بل پیش ہی نہیں کیا ہے۔"

"تب تو معاف کیجیے گا۔ مجھے آپ کی ذہنی حالت پر شہید ہے۔" کمشنر نے مسکرا کر کہا۔
"ہو سکتا ہے۔" فریدی بھی جواباً مسکرا دیا۔



پوچھوٹ رہی تھی۔ حمید نے فریدی کے پہلو میں کہنی مار کر کہا۔
"اور پروفیسر جھوس۔"

"مارو گولی.... میں نے ابھی اُسے فون کر دیا ہے کہ ہمارا سماں کوتوالی میں بھجوادے۔"
"اور اگر میں آپ کی آنکھیں کھوں دوں تو۔"

"مجھے بِالطف آئے گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

حمدید بڑے ذرماںی انداز میں اپنا کارنامہ بیان کرنے لگا۔ فریدی ہونٹ سکوڑے سنتا ہا۔ پھر
ٹک لجھے میں بولا۔ "میرے منع کرنے کے باوجود بھی تم آوارہ گردی کرتے رہتے ہو۔"

"تمکال کر دیا آپ نے! آپ کی نظر وہ میں اس کارنامے کی کوئی وقعت ہی نہیں۔"

"جس بہ وہ کارنامہ ہوتا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "برخوردار.... پروفیسر جھوس سیکرٹ
وہیں کا آدمی ہے اور اس سے مجھے کافی مذہلی ہے۔ اس نے وہ ریو اور میرے ہی لئے مہیا کئے
غیر ریش وغیرہ مسلح نہیں تھے۔ اس وقت پروفیسر جھوس کی اصلاحیت سے اس شہر میں صرف
نکار دنوں واقف ہیں۔ تیرا کوئی نہیں۔"

کیا کہ اس تک اپنا بیفام بھی پہنچا دوں اور ان آدمیوں کو بھی غلط راستے پر گاؤں جو اس کا بیچا
کر رہے تھے۔

"آپ احمد کمال نہیں بلکہ باکمال فریدی ہیں۔" کمشنر نہیں کر بولا۔ "جب یہ کم بخت ہو ان
ساری سازشوں کا سر غنہ تھا تو بھلا بیہاں کی پولیس کیا کہ سکتی تھی۔"

"اُب سنئے اس کے بعد مجھے لٹکڑی کو خی کی فکر پڑ گئی۔ میں نے وہاں اپنی ایک پوری رات
برباد کی تب اس تھے خائنے کا پتہ چلا۔ وہ بھی اتفاقاً... نہ میں ٹھوکر کھا کر گرتا اور نہ مجھے اس کی جگہ
کی زمین پولی ہو نہ ہے اندرازہ۔ تا۔ بہر حال میں نے کل رات کو انہیں کی جھبڑی سے ان کو ذرا
کرنے کی کوشش کی۔ ان کا مانیکر و فون اسٹھان کر کے دیکی ہی چھینیں نکالیں اور تین رنگوں والی
ثارچ لائٹ کے کر ترتیب دکھائے۔ نتیجے کے طور پر آج یہ بیچارے دوڑے ہی چلے آئے اور میں نے
اپنے آدمی تو اس کے دوسرے ہی دن بلوائے تھے، جب سرجنت حمید پر حملہ ہوا تھا۔"

"لیکن رفت کی بیوی۔ کے قتل کے متعلق آپ کو کیسے معلوم ہوا تھا۔" مجھریٹ نے پوچھا۔
"ان خطوط سے جن کے ذریعے جاوید کو بلیک میل کیا جا رہا تھا، یقین کیجھے کہ اس میں سے
زیادہ تر قیاس تھا جو حرف بحر قمیح تھا۔ میرا خیال ہے کہ آپ کے ڈی۔ ایس۔ پی صادب
اسی طرح اور وہ کو بھی بلیک میل کر پکے ہوں گے۔ طریقہ بھی خاصاً لچکپ ہے۔ چنانی سے
بچنے کے لئے مالدار آدمیوں کے لئے لاکھ دولا کہ کوئی بڑی بات نہیں اور ڈی۔ ایس۔ پی صادب
قتل کے ماہر۔ پولیس کے راجہ بھلان پر کون ہاتھ ڈال سکتا تھا۔"

"کیا تم پہلے ہی سے جانتے تھے کہ وہ ڈی۔ ایس۔ پی، ہی تھا۔" کمشنر نے پوچھا۔
"پہلے صرف یہ خیال تھا کہ پولیس کا کوئی آدمی ان سازشوں میں شریک ہے۔ لیکن ڈی۔ الٹر
پی کے وجود کا علم اس دن ہوا جب وہ لوگ سرجنت حمید کو پکڑ لے گئے۔ میں نے ان کے درمیان
میں ایک نقاب پوش کو دیکھا اور ایک ہی نظر میں بیچان گیا کہ وہ ڈی۔ ایس۔ پی کے علاوہ اور کوئی
نہیں ہو سکتا اور مزے کی بات تو یہ ہے کہ وہ بدمعاش اُسے ایک بُرے اسرار آدمی سمجھتے تھے۔ وہ
کی شخصیت سے واقف نہیں تھے۔ شاکدا نہیں یقین تھا کہ وہ کبھی پکڑے ہی نہیں جائے۔ اتنا
رعاب اتنا تھا کہ اس کے بدمعاشوں نے کبھی یہ جانتے کی بہت ہی نہیں کی کہ اس سیاہ نقاب
چینپے کس کا چہرہ ہے۔ اگر میں اس وقت ذرا سا بھی پوکتا تو یہ صاف فک گیا تھا۔ بڑی آسانی۔
تھیکھریاں کھلوا کر مجھے ایک نئی لمحہ میں بتلا کر دیتا۔ اچھا ہی ہوا تھا کہ میں نے وزارت دادخ

”آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔“

”اب بھی نہ بتاتا اگر تم اس پر شک نہ کرنے لگتے۔ شام کے اس کی بیٹی اور بھتیجا بھی نہ جانے ہوں کہ وہ سیکرٹ سروس کا آدمی ہے۔ کیا سمجھے اور تم بھر، اس بارے کو اپنے ہی لئک رکھنا حتیٰ کہ پروفسر جھوس پر بھی یہ ظاہر نہ ہو کہ تم اس کے راز سے واقف ہو۔“

”بُوں ڈر کے کہتے ہیں۔“ حمید نے بڑی سمجھی گی سے پوچھا اور فریدی میساختہ نہیں پڑا۔

”میں یہ لطیفہ سن چکا ہوں۔“ اس نے کہا۔ ”سلیمانہ، ہشیر یا کی مریض ہے اور یہ بے تکالف اس نہی طرح اس کے ذہن سے چپک گیا ہے کہ یہی بعض اوقات دورے کا سبب ہن جاتا ہے۔ اس کی آنا یو۔ پی کے مشرقی حصے کے کسی دیہات کی تھی۔ غالباً اس نے بچپن میں یہ لفظ اُسی کی زبان سے سنا ہوگا۔ پورب کے بعض دیہاتوں میں دیہاتی بوٹر کو بگاڑ کر بُوں ڈر کہتے ہیں۔“

”ہائے ہائے۔“ حمید اپنا سینہ پیٹھے لگا۔ ”اس کے پیارے پیارے منہ سے مجھے بُوں ڈر ہر اچھا لگتا ہے۔ بُوں ڈر.... بُوں ڈر.... بُوں ڈر۔“

پھر اس نے عورتوں کی طرح اپنی آواز باریک کر کے ”بُوں ڈر“ کہا اور فریدی نے اس پیٹھ پر ایک دھول جمادی۔

تمام شد